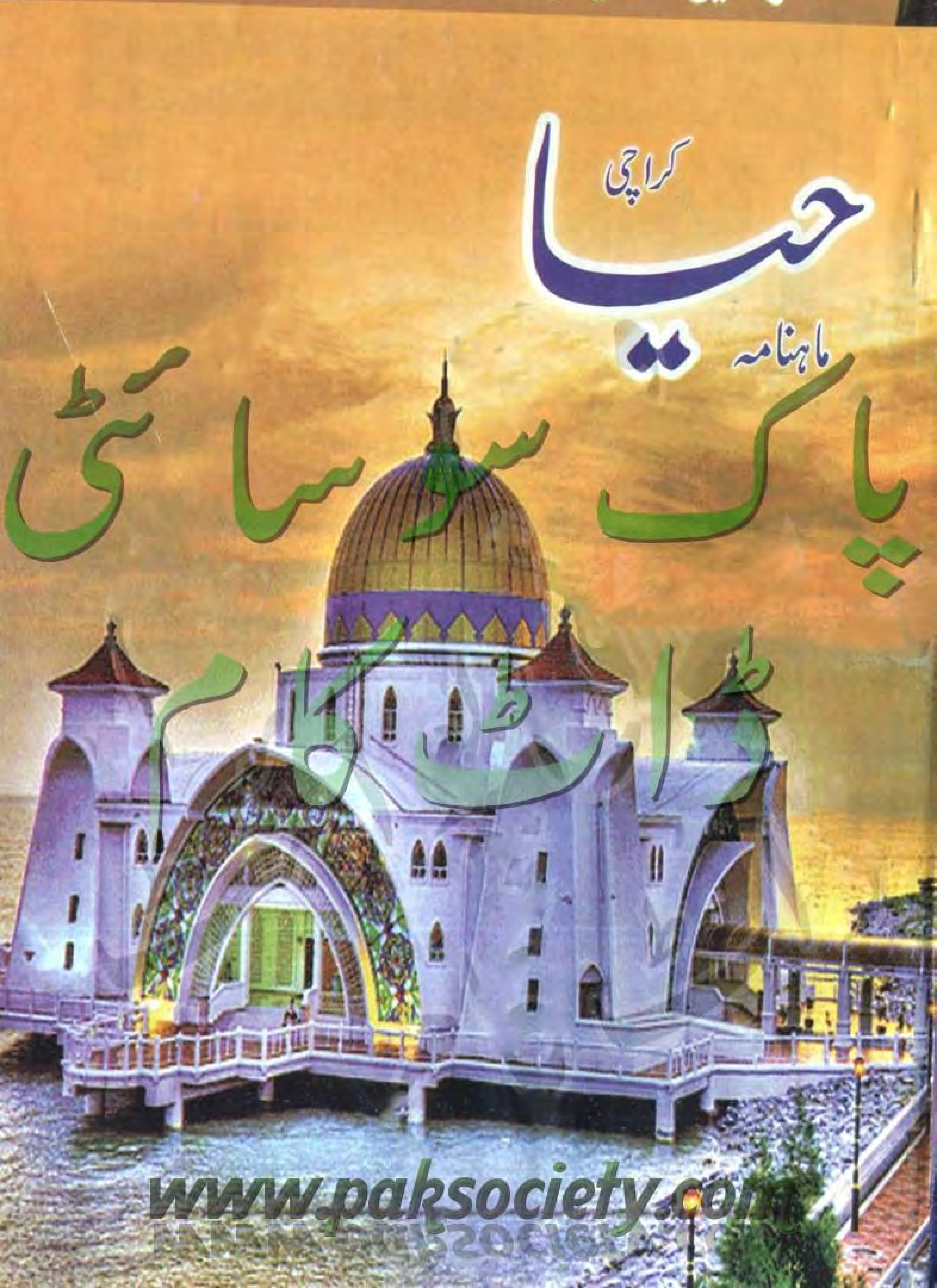
خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ حیا کراچی



آئینہ

آئینہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرمانِ الٰہی

معمولی نیکی بھی سببِ نجات بن سکتی ہے

میرے دوستو! نیکیاں لوٹنے کا وقت ہے...... ابھی نیکیاں کرنے اور ثواب کمانے کا موقع ہے...... ایسا نہ ہو کہ پھر وقت ہاتھ سے نکل جائے اور ہم...... ہاتھ ملتے ہی رہ جائیں...... موقع ہاتھ سے چھوٹ جائے اور ہم آہیں بھرتے رہ جائیں...... یہ جو روز سینکڑوں لوگوں کے مرنے کا ہمارا مشاہدہ ہے، ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے پیاروں کو منوں مٹی تلے دبا دیتے ہیں، کیا ہم نے اس سے عبرت پکڑی؟ اور کوئی سبق حاصل کیا؟ یاد رکھو! آج ان کی تو کل ہماری باری ہے، عزیز واقارب، یا دوست اس تاریک گڑھے کے سپرد کر کے تن تنہا...... بے سروسامان چھوڑ کر لوٹ جائیں گے، لیکن وہاں کون سی چیز ہوگی؟ اور...... اس کے بل بوتے پر ہماری گلو خلاصی ہوگی تو میرے دوستو! میں پہلے بیان کر چکا کہ وہ نیکی ہی ہے جو ہمارے کام آئے گی...... صرف قبر میں ہی نہیں...... یہ تو پہلی منزل ہے، اس کے بعد کئی اور منازل سے ہمارا پالا پڑنے والا ہے...... وہاں بھی جس چیز کی ہمیں سب سے زیادہ ضرورت پڑے گی، وہ نیکی ہے۔

"اتقوا النار ولو بشق تمرۃ"

ترجمہ: ''جہنم سے بچنے کی کوشش کرو، اگرچہ کھجور کا ٹکڑا اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے سے ممکن ہو۔''

غور فرمایئے! پہلے تو ایک کھجور کے دانے کی کیا حیثیت اور پھر اس کے ٹکڑے کی تو کوئی قیمت ہی نہیں، لیکن آپ نے حدیث میں ملاحظہ فرمایا کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو جہنم سے بچا لیا...... یہ سب کیوں؟...... اس لئے کہ معمولی سے معمولی نیکی بھی انسان کی نجات کا سبب بن سکتی ہے اور معمولی سے معمولی گناہ بھی باعثِ ہلاکت ہو سکتا ہے۔

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نورِ نبوت

حضورؐ کی توہین کرنے والا دہشت گرد ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والا ایک شخص کو نہیں بلکہ کل امت مسلمہ کو پریشانی میں مبتلا کرنے والا ہے، لہٰذا یہ سب سے بڑا دہشت گرد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے والا قرآن پاک کی رو سے واجب القتل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، ان کے لئے دنیا میں اور آخرت میں اللہ کی طرف سے لعنت ہے اور آخرت میں ان کے لئے دنیا میں اور آخرت میں اللہ کی طرف سے لعنت ہے اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔''

دنیا میں لعنت کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے گا، لہٰذا یہ جرم قابل قتل ہوا تو ایسے مجرم کو دہشت گرد قرار دیا جائے گا، جس کا مرتکب قابل قتل ہو۔ جس کارروائی کے ردعمل میں قتل کا حکم ہو، وہ دہشت گردی ہے اور توہین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ردعمل میں قتل کرنے کے واقعات معروف ہیں، مثلاً متحدہ ہندوستان میں غازی علم الدین شہیدؒ اور پاکستان سندھ میں حاجی مانک اور غازی علم دین شہیدؒ کے قصے میں معروف ہیں۔ جس ذات کی عزت پر مسلمان جان، مال اور اولاد قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، اس کی توہین کا بدلہ لینے کے لئے تمام مسلمان اپنی جان، مال، اولاد اور عزت قربان کرنے کے لئے تیار ہیں، اس لئے توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑی دہشت گردی قرار دیا جائے گا۔ اسلام میں ڈاکہ، قتل، زنا کی سزا قتل ہے اور تمام اقوام ڈاکو، قاتل، زانی کو دہشت گردی قرار دیتی ہیں۔ اسی طرح اسلام میں توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم موجب قتل جرم ہے، لہٰذا اس کو بھی دہشت گردی قرار دیا جائے گا۔

خلاصہ:...... ''توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم دہشت گردی ہے اور حالیہ احتجاجات کو تمام مسلمان ملکوں کی عوام میں پریشانی، بے قراری کے پیدا ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

☆......☆......☆

ترتیب: مولانا محمود عباسی

آوازِ حیا

راولپنڈی کا دل دہلانے والا واقعہ، ایک ایسا سانحہ ہے جس پر پوری قوم خون کے آنسو رو رہی ہے اور ہر دردِ دل رکھنے والا انسان غم زدہ ہے۔ دن دہاڑے قوم کے رکھوالوں کی موجودگی میں کس بے دردی اور درندگی کا مظاہرہ کیا گیا اور کس سنگدلی کے ساتھ بے قصور نمازیوں اور طلبہ کو شہید کیا گیا اور ان کی لاشوں کی بے حرمتی کی گئی، قرآن کریم اور مقدس کتابوں کی بے حرمتی ہوئی، مسجد و مدرسہ اور ملحقہ مارکیٹ کو نذرِ آتش کر دیا گیا، انسانی جانوں کے ضیاع کے علاوہ اربوں کھربوں کا مالی نقصان ہو، ایک ایسا واقعہ جس کا تصور کرتے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ملک خداداد پاکستان کو پتہ نہیں کس کی نظر لگ گئی، کون اس کا دشمن ہے کہ آئے دن دین اسلام کے رکھوالوں اور خدا کے گھروں کے خدمت گاروں پر بم و بارود کی یوں بارش کر دی جاتی ہے جیسے برسات کے موسم میں کھلے آسمان پر بدلیوں کے چند ٹکڑوں کے کڑاکے کی زور آزمائی کے بعد بارش کا نہ تھمنے والا موسلا دھار سلسلہ شروع ہو جاتا۔ شاید تسبیح کے تاگے کے ٹوٹنے پر خدا کا نام لیے جانے والے دانے اتنی تیزی سے زمین پر نہیں گرتے جتنی تیزی سے ملک پاکستان میں اللہ و رسول کا پاک نام لینے والوں کی نعشیں گرتی ہیں۔

نجانے کس میں اتنا دم ہے کہ وہ آسمان کے رب سے دشمنی مول لے رہا ہے...... نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی تو ایسا کام کرنے سے رہا، اس کے لیے اپنے پیارے نبی کا یہ پیغام ہی کافی ہے کہ ”خانہ کعبہ کو ڈھانا اتنا بڑا گناہ نہیں، جتنا بڑا گناہ کسی مسلمان کو ناحق خون میں نہلانا ہے“...... پھر کون ہے جو خدا کی خدائی میں یوں دندناتا پھر رہا ہے، کون خدا سے دشمنی مول لے کر زمین کا خدا بننے کی کوشش کر رہا ہے؟...... کیا وہ فرعون کا انجام بھول

آوازِ حیا

گئے جس نے اپنی خدائی کو برقرار رکھنے کے لیے کتنی ماؤں کی گودوں کو اجاڑا تھا، وقت کے نبی سے جان چھڑانے کے لیے قتل ناحق میں اپنی کامیابی گمان کر بیٹھا تھا، لیکن جس طرح اس نادان کو یہ نہیں پتہ تھا کہ جس چراغ کو گل کرنے کے لیے وہ یہ سب حربے کر رہا ہے وہ اسی کی گود میں بیٹھا، اسی کے محل میں پرورش پا رہا ہے، اسی طرح آج کے یہ نادان بھی اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھے ہیں کہ جس خدا کے دین کے رکھوالوں کو یہ نیست و نابود کرنے کی فکر میں ہیں وہ ختم ہونے والے نہیں، یہ تو قیامت تک رہیں گے اور روز بروز بڑھتے رہیں گے۔ اس دین میں تو اللہ نے لچک رکھی ہے، ”جتنا دباؤ گے اتنا ہی ابھرے گا“......

لیکن یاد رہے کہ ہم مایوس ہونے والوں میں نہیں، ”ظلم کی تاریک رات کے بعد صبح کا سویرا تو آتا ہی ہے“...... رات کی تاریکی کو کم کرنے کے لیے بہت سے چراغ گل تو ہو جاتے ہیں لیکن ہمیشہ کے لیے قسمت کے آسمانوں پر پوری آب و تاب کے ساتھ ٹمٹمانے لگتے ہیں......

سلام ہے ان پھولوں (شہداء) کی قسمت پر جنہوں نے گلستانِ اسلام کی آبیاری کی خاطر اپنے خون کا نذرانہ پیش کیا اور اپنی خوبصورت جوانیوں کو داؤ پر لگا دیا ہے، سلام ہے ان ماؤں پر جنہوں نے اس دین کی آبیاری کے لیے اپنے بچوں کے خون کا نذرانہ پیش کیا اور اس گلشن کی آبیاری کی......

آپ کی باجی

مہر افروز مہر

لباس کے شرعی اصول



حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

"لباس" کے بنیادی مقاصد، آداب و اثرات کے بیان کرتی ایک فکر انگیز تحریر...... جس میں نہایت ہی جامع اور آسان انداز میں لباس سے متعلق معاشرے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
﴿یا بنی آدم قد انزلنا علیکم
لباسا یواری سوآتکم وریشا
ولباس التقویٰ ذلک خیر﴾
(الاعراف:۲۶)

اسلام کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہیں، لہٰذا ان کا تعلق ہماری معاشرت اور رہن سہن کے ہر حصے سے ہے، زندگی کا کوئی گوشہ اسلام کی تعلیمات سے خالی نہیں۔ "لباس" بھی زندگی کے گوشوں میں سے اہم گوشہ ہے، اس لئے قرآن وسنت نے اس کے بارے میں بھی تفصیلی ہدایات دی ہیں۔

موجودہ دور کا پروپیگنڈہ:...... آج کل ہمارے دور میں یہ پروپیگنڈہ بڑی کثرت سے کیا گیا ہے کہ لباس تو ایسی چیز ہے جس کا ہر قوم اور ہر وطن کے حالات سے تعلق ہوتا ہے، اس لئے آدمی اگر اپنی مرضی اور ماحول کے مطابق کوئی لباس اختیار کر لے تو اس کے بارے میں شریعت کو بیچ میں لانا اور شریعت کے احکام سنانا تنگ نظری کی بات ہے اور یہ جملہ تو لوگوں سے بکثرت سننے میں آتا ہے کہ ان مولویوں نے اپنی طرف سے قیدیں شرطیں لگادی ہیں، ورنہ دین میں تو بڑی آسانی ہے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دین میں اتنی پابندیاں نہیں لگائی ہیں، مگر ان ملاؤں نے اپنی طرف سے گھڑ کر یہ پابندیاں عائد کر رکھی ہیں اور یہ ان ملاؤں کی تنگ نظری کی دلیل ہے اور اس تنگ نظری کے نتیجے میں انہوں نے خود بھی بہت سی باتوں کو چھوڑ رکھا ہے اور دوسروں سے بھی چھڑا رکھا ہے۔

ہر لباس اپنا اثر رکھتا ہے:...... خوب سمجھ لیجئے! لباس کا معاملہ اتنا سادہ اور اتنا آسان نہیں ہے کہ آدمی جو چاہے لباس پہنتا رہے اور اس لباس کی وجہ سے اس کے دین پر،

اس کے اخلاق پر، اس کی زندگی پر اور اس کے طرز عمل پر کوئی اثر واقع نہ ہو، یہ ایک مسلم حقیقت ہے جس کو شریعت نے تو ہمیشہ بیان فرمایا اور اب نفسیات اور سائنس کے ماہرین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ انسان کے لباس کا اس کی زندگی پر، اس کے اخلاق پر، اس کے کردار پر بڑا اثر ہوتا ہے، لباس محض ایک کپڑا نہیں ہے جو انسان نے اٹھا کر پہن لیا، بلکہ یہ لباس انسان کے طرز فکر پر، اس کی سوچ پر، اس کی ذہنیت پر اثر انداز ہوتا ہے، اس لئے اس لباس کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جبہ کا اثر:...... حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے، اس وقت وہ ایک بہت شاندار جبہ پہنے ہوئے تھے، جب خطبہ سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے گئے تو جا کر اس جبہ کو اتار دیا اور فرمایا کہ میں آئندہ اس جبہ کو نہیں پہنوں گا، اس لئے کہ اس جبہ کو پہننے سے میرے دل میں بڑائی اور تکبر کا احساس پیدا ہو گیا، اس لئے میں آئندہ اس کو نہیں پہنوں گا، حالانکہ وہ جبہ بذات خود ایسی چیز نہیں تھی جو حرام ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ جن حضرات کی طبیعتوں کو آئینے کی طرح شفاف بناتے ہیں، ان کو ذرا ذرا سی باتیں بھی بری لگتی ہیں، اس کی مثال یوں سمجھئے، جیسے ایک کپڑا داغ دار ہے اور اس کپڑے پر ہر جگہ دھبے ہی دھبے لگے ہوئے ہیں، اس کے بعد اس کپڑے پر ایک داغ اور لگ جائے تو اس کپڑے پر کوئی اثر ظاہر نہ ہوگا، ہمارا بھی یہی حال ہے کہ ہمارا سینہ داغوں اور دھبوں سے بھرا ہوا ہے، اس لئے اگر خلاف شریعت کوئی بات ہو جاتی ہے تو اس کی ظلمت اور اس کی تاریکی اور اس کے وبال کا احساس نہیں ہوتا، لیکن جن حضرات کے سینوں کو اللہ تعالیٰ آئینے کی طرح شفاف بناتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک سفید صاف شفاف کپڑا ہو، اس پر اگر ذرا سا بھی داغ لگ جائے گا تو وہ داغ بہت نمایاں نظر آئے گا، اسی طرح اللہ والوں کے دل صاف شفاف ہوتے ہیں، ان پر ذرا سی بھی چھینٹ پڑ جائے تو ان کو ناگوار ہوتی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے سے معلوم ہوا کہ لباس کا اثر انسان کے اخلاق و کردار پر اور اس کی زندگی پر بھی پڑتا ہے، اس لئے لباس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور لباس کے بارے میں شریعت کے جو اصول ہیں، وہ سمجھ لینے چاہئیں اور ان کی پیروی کرنی بھی ضروری ہے۔

آج کل کا ایک اور پروپیگنڈہ:...... آج کل یہ جملہ بھی بہت کثرت سے سننے میں آتا ہے کہ اس ظاہری لباس میں کیا رکھا ہے، دل صاف ہونا چاہئے اور ہمارا دل صاف ہے، ہماری نیت اچھی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق قائم ہے، سارے کام تو ہم ٹھیک کر رہے ہیں، اب اگر ذرا سا لباس بدل دیا تو اس میں کیا حرج ہے؟ کیونکہ دین ظاہر کا نام نہیں بلکہ باطن کا نام ہے، دین جسم کا نام نہیں، بلکہ روح کا نام ہے، شریعت کی روح دیکھنی چاہئے، دین کی روح کو سمجھنا چاہئے، آج کل اس قسم کے جملے بہت کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں اور پھیلائے جا رہے ہیں اور فیشن بن گئے ہیں۔

ظاہر اور باطن دونوں مطلوب ہیں:...... خوب یاد رکھئے! دین کے احکام روح پر بھی ہیں اور جسم پر بھی ہیں، باطن پر بھی ہیں اور ظاہر پر بھی ہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وذروا ظاهر الاثم وباطنه﴾

(سورۃ الانعام: آیت نمبر ۱۲۰)

یعنی ظاہر کے گناہ بھی چھوڑ دو اور باطن کے گناہ بھی چھوڑو، صرف یہ نہیں کہا کہ باطن کے گناہ چھوڑو، خوب یاد رکھئے! جب تک ظاہر خراب ہے تو پھر یہ شیطان کا دھوکہ ہے کہ باطن ٹھیک ہے، اس لئے کہ ظاہر اسی وقت خراب ہوتا ہے، جب اندر سے باطن خراب ہوتا ہے، اگر باطن خراب نہ ہو تو ظاہر بھی خراب نہیں ہوگا۔

ایک خوبصورت مثال:...... ہمارے ایک بزرگ

ایک مثال دیا کرتے تھے کہ جب کوئی پھل اندر سے سڑ جاتا ہے تو اس کے سڑنے کے آثار چھلکے پر داغ کی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں اور اگر اندر سے وہ پھل سڑا ہوا نہیں ہے تو چھلکے پر کبھی خرابی نظر نہیں آئے گی، چھلکے پر اسی وقت خرابی ظاہر ہوتی ہے، جب اندر سے خراب ہو، اسی طرح جس شخص کا ظاہر خراب ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ باطن میں بھی کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ہے، ورنہ ظاہر خراب ہوتا ہی نہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ ہمارا ظاہر اگر خراب ہے تو کیا ہوا؟ باطن ٹھیک ہے، یاد رکھئے! اس صورت میں باطن کبھی ٹھیک ہو ہی نہیں سکتا۔

دنیاوی کاموں میں ظاہر بھی مطلوب ہے، اس کی مثال:...... دنیا کے سارے کاموں میں تو ظاہر بھی مطلوب ہے اور باطن بھی مطلوب ہے، ایک بیچارا دین ہی ایسا رہ گیا ہے، جس کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہمیں اس کا باطن چاہئے، ظاہر نہیں چاہئے، مثلاً دنیا کے اندر جب آپ مکان بناتے ہیں تو مکان کا باطن تو یہ ہے کہ چار دیواری کھڑی کر کے اوپر سے چھت ڈال دی تو باطن حاصل ہو گیا، اب اس پر پلاستر کی کیا ضرورت ہے؟ اور رنگ و روغن کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے کہ مکان کی روح تو حاصل ہو گئی ہے، وہ مکان رہنے کے قابل ہو گیا، مگر مکان کے اندر تو یہ فکر ہے کہ صرف چار دیواری اور چھت کافی نہیں، بلکہ پلاستر بھی ہو، رنگ و روغن بھی ہو، اس میں زیب و زینت کا سارا سامان موجود ہو، یہاں کبھی صرف باطن ٹھیک کر لینے کا فلسفہ نہیں چلتا، یا مثلاً گاڑی ہے، ایک اس کا باطن ہے اور ایک ظاہر ہے، گاڑی کا باطن یہ ہے کہ ایک ڈھانچہ لے کر اس میں انجن لگا لو تو باطن حاصل ہے، اس لئے کہ انجن لگا ہوا ہے، وہ سواری کرنے کے قابل ہے، لہٰذا اب نہ باڈی کی ضرورت ہے، نہ رنگ و روغن کی ضرورت ہے، وہاں تو کسی شخص نے آج تک یہ نہیں کہا کہ مجھے گاڑی کا باطن حاصل ہے، اب ظاہر کی ضرورت نہیں، بلکہ وہاں تو ظاہر بھی مطلوب ہے اور باطن بھی مطلوب ہے، ایک بیچارہ دین ہی ایسا مسکین رہ گیا کہ اس میں صرف باطن مطلوب ہے اور ظاہر مطلوب نہیں۔

شیطانی دھوکہ:...... یاد رکھئے! یہ شیطان کا دھوکہ اور فریب ہے، لہٰذا ظاہر بھی درست کرنا ضروری ہے اور باطن بھی درست کرنا ضروری ہے، چاہے لباس ہو، یا کھانا ہو، یا آداب معاشرت ہوں، اگرچہ ان سب کا تعلق ظاہر سے ہے، لیکن ان سب کا گہرا اثر باطن پر واقع ہوتا ہے، اس لئے لباس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں، ان کو دین کی حقیقی فہم حاصل نہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لباس کے بارے میں کوئی ہدایت نہ فرماتے، کوئی تعلیم نہ دیتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس کے بارے میں ہدایات دیں، آپ کی تعلیمات اسی جگہ پر آتی ہیں، جہاں لوگوں کے بہک جانے اور غلطی میں پڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لئے ان اصولوں کو اور ان تعلیمات کو اہتمام کے ساتھ سننے کی ضرورت ہے۔

لباس کے بارے میں شریعت کی تعلیمات:......

شریعت نے لباس کے بارے میں بڑی معتدل تعلیمات عطا فرمائی ہیں، چنانچہ شریعت نے کوئی خاص لباس مقرر کر کے اور اس کی ہیئت بتا کر یہ نہیں کہا کہ ہر آدمی کے لئے ایسا لباس پہننا ضروری ہے، لہٰذا جو شخص اس ہیئت سے ہٹ کر لباس پہنے گا، وہ مسلمانی کے خلاف ہوگا، ایسا اس لئے نہیں کہا کہ اسلام دین فطرت ہے اور حالات کے لحاظ سے، مختلف ممالک کے لحاظ سے، وہاں کے موسموں کے لحاظ سے، وہاں کی ضروریات کے لحاظ سے لباس مختلف ہو سکتا ہے، کہیں باریک، کہیں موٹا، کہیں کسی وضع کا، کہیں کسی ہیئت کا لباس اختیار کیا جا سکتا ہے، لیکن اسلام نے لباس کے بارے میں کچھ بنیادی اصول عطا فرما دیئے، ان اصولوں کی ہر حالت میں رعایت رکھنی ضروری ہے، ان کو سمجھ لینا چاہئے۔

لباس کے چار بنیادی اصول:...... جو آیت میں نے ابتدا میں ذکر کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے لباس کے بنیادی اصول بتادیئے ہیں، فرمایا:

﴿ یبنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم وریشا و لباس التقوی ذلک خیر﴾

(سورۃ الاعراف: آیت نمبر ۲۶)

"اے نبی آدم! ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس اتارا جو تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور جو تمہارے لئے زینت کا سبب بنتا ہے اور تقویٰ کا لباس تمہارے لئے سب سے بہتر ہے۔"

یہ تین جملے ارشاد فرمائے اور ان تین جملوں میں اللہ تعالیٰ نے معانی کی کائنات بھر دی ہے۔

لباس کا پہلا بنیادی مقصد:...... اس آیت میں لباس کا پہلا مقصد یہ بیان فرمایا کہ وہ تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپا سکے۔ "سوآۃ" کے معنی ہیں، وہ چیز جس کے ذکر کرنے سے یا جس کے ظاہر ہونے سے انسان شرم محسوس کرے، اس سے مراد ہے "ستر" تو گویا لباس کا سب سے بنیادی مقصد "ستر" چھپانا ہے، اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے جسم کے کچھ حصوں کو "ستر" قرار دیا، یعنی وہ چھپانے کی چیز ہے، وہ ستر مردوں میں الگ ہے اور عورتوں میں الگ ہے، مردوں میں ستر کا حصہ جس کو چھپانا ہر حال میں ضروری ہے، وہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ہے، اس حصے کو کھولنا بلا ضرورت جائز نہیں، علاج وغیرہ کی مجبوری میں تو جائز ہے، لیکن عام حالات میں اس کو چھپانا ضروری ہے، عورت کا سارا جسم، سوائے چہرے اور گٹوں تک ہاتھ کے سب کا سب "ستر" ہے، جس کا چھپانا ضروری ہے اور کھولنا جائز نہیں۔ لہٰذا لباس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ شریعت کے مقرر کئے ہوئے ستر کے حصوں کو چھپالے، جو لباس اس مقصد کو پورا نہ کرے، شریعت کی نگاہ میں وہ لباس ہی نہیں، وہ لباس کہلانے کے لائق ہی نہیں، کیونکہ وہ لباس اپنا بنیادی مقصد پورا نہیں کر رہا ہے، جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔

لباس کے تین عیب:...... لباس کے بنیادی مقصد کو پورا نہ کرنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں، ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ لباس اتنا چھوٹا ہے کہ لباس پہننے کے باوجود ستر کا کچھ حصہ کھلا رہ گیا، اس لباس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ اس لباس سے اس کا بنیادی مقصد حاصل نہ ہوا اور کشف عورت ہو گیا، دوسری صورت یہ ہے کہ اس لباس سے ستر کو چھپا تو لیا، لیکن وہ لباس اتنا باریک ہے کہ اس سے اندر کا بدن جھلکتا ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ لباس اتنا چست ہے کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ اور جسم کا ابھار نظر آرہا ہے، یہ بھی ستر کے خلاف ہے، اس لئے مرد کے لئے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ایسے کپڑے سے چھپانا ضروری ہے جو اتنا موٹا ہو کہ اندر سے جسم نہ جھلکے اور وہ اتنا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ اندر کے اعضاء کو نمایاں نہ کرے اور اتنا مکمل ہو کہ جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہ جائے اور یہی تین چیزیں عورت کے لباس میں بھی ضروری ہیں۔

آج کل کا ننگا پہناوا:...... موجودہ دور کے فیشن نے لباس کے اصل مقصد ہی کو مجروح کر دیا ہے، اس لئے کہ آج کل مردوں اور عورتوں میں ایسے لباس رائج ہو گئے ہیں، جن میں اس کی کوئی پروا نہیں کہ جسم کا کون سا حصہ کھل رہا ہے اور کون سا حصہ ڈھکا ہوا ہے، حالانکہ شریعت کی نگاہ میں وہ لباس ہی نہیں، جو خواتین بہت باریک اور بہت چست لباس پہنتی ہیں، جس کی وجہ سے کپڑا پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ دوسروں کے سامنے نمایاں ہوتی ہے، ایسی خواتین کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کاسیات عاریات

وہ خواتین لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔

(صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب النساء الکاسیات)

یعنی لباس پہنا ہوگا، مگر ننگی ہوں گی، اس لئے کہ اس کپڑے سے لباس کا وہ بنیادی مقصد حاصل نہ ہوا، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے لباس اتارا تھا، آج کل خواتین میں یہ وبا اس کثرت سے پھیل چکی ہے جس کی کوئی حد نہیں، شرم و حیا سب بالائے طاق ہو کر رہ گئی ہے اور ایسا لباس رائج ہو گیا جو جسم کو چھپانے کے بجائے اور نمایاں کرتا ہے، خدا کے لئے ہم اس بات کو محسوس کریں اور اپنے اندر فکر پیدا کریں اور اپنے گھروں میں ایسے لباس پر پابندی عائد کریں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے خلاف ہو، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں یہ احساس اور فکر پیدا فرمائے، آمین۔

خواتین ان اعضاء کو چھپائیں:...... ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس سرہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین) شاید ہی آپ کا کوئی جمعہ ایسا جاتا ہو جس میں اس پہلو کی طرف متوجہ نہ فرماتے ہوں، فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو فتنے آج کل عام رواج پاگئے ہیں، ان کو کسی طرح ختم کرو، خواتین اس حالت میں مجمع عام کے اندر جارہی ہیں کہ سر کھلا ہوا ہے، بازو کھلے ہوئے ہیں، سینہ کھلا ہوا ہے، پیٹ کھلا ہوا ہے، حالانکہ "ستر" کا حکم یہ ہے کہ مرد کے لئے مرد کے سامنے ستر کھولنا بھی جائز نہیں اور عورت کے لئے عورت کے سامنے ستر کھولنا جائز نہیں، مثلاً اگر کسی عورت نے ایسا لباس پہن لیا جس میں سینہ کھلا ہوا ہے، پیٹ کھلا ہوا ہے، بازو کھلے ہوئے ہیں تو اس عورت کو اس حالت میں دوسری عورتوں کے سامنے آنا بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ اس حالت میں مردوں کے سامنے آئے، اس لئے کہ یہ اعضاء اس کے ستر کا حصہ ہیں۔

گناہوں کے برے نتائج:...... آج کل کی شادی کی تقریبات میں جا کر دیکھئے، وہاں کیا حال ہو رہا ہے، خواتین بے حیائی کے ساتھ ایسے لباس پہن کر مردوں کے سامنے آجاتی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے والی بات نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ ڈنکے کی چوٹ، سینہ تان کر اور ڈھٹائی کے ساتھ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی ایسی کھلم کھلا خلاف ورزی ہوگی تو اس کے بارے میں ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ درحقیقت ان فتنوں نے ہمارے اوپر یہ عذاب مسلط کر رکھا ہے، یہ بدامنی اور بے چینی جو آپ دیکھ رہے ہیں کہ کسی انسان کی جان و مال محفوظ نہیں ہے، درحقیقت ہماری ان ہی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿ وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایلیکم و یعفوا عن کثیر﴾

(سورۃ الشوریٰ: آیت ۳۰)

یعنی "جو کچھ تمہیں برائی پہنچتی ہے، وہ سب تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے پہنچتی ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف ہی فرما دیتے ہیں اور ان پر پکڑ نہیں فرماتے ہیں۔"

خدا کے لئے اپنے گھروں سے اس فتنے کو دور کریں۔

قرب قیامت میں خواتین کی حالت:...... ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانے کا ایک ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ اگر آج کا زمانہ کسی نے نہ دیکھا ہوتا تو وہ شخص حیران ہو جاتا کہ اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ اور آپ نے اس طرح نقشہ کھینچا جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موجودہ دور کی خواتین کو دیکھ کر یہ ارشاد فرمایا ہو، اس لئے کہ اس زمانے میں اس کا تصور بھی مشکل تھا، چنانچہ فرمایا کہ قیامت کے قریب عورتیں لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی اور ان کے سروں کے بال ایسے ہوں گے، جیسے بختی اونٹوں کے

کوہان ہوتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جس زمانے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی، اس زمانے میں اس قسم کے بالوں کا کوئی رواج نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ بعض شراح حدیث نے اس پر کلام کیا ہے کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ بختی اونٹوں کے کوہان کی طرح بال کس طرح ہو سکتے ہیں؟ لیکن آج کے جدید فیشن نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کو پورا کردیا اور ایسا لگتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کی عورتوں کو دیکھ کر یہ بات ارشاد فرمائی ہو، آگے ارشاد فرمایا:

ممیلات مائلات

(صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب النساء الکاسیات)

یعنی "وہ عورتیں اپنے لباس سے، اپنے انداز سے، اپنے زیب و زینت اور اپنے بناؤ سنگھار سے دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی اور دوسروں کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی۔"

خدا کے لئے اس بات کو ذہن نشین کیجئے کہ یہ جو کچھ فتنے، مصائب، بدامنی اور بے چینی ہے، یہ حقیقت میں اس بات کا نتیجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی کھلم کھلا بغاوت ہو رہی ہے۔

علی الاعلان گناہ کرنے والے:...... ایک بات اور سمجھئے کہ گناہوں کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک گناہ وہ ہے جو انسان چوری چھپے تنہائی میں کر رہا ہے، علی الاعلان دوسروں کے سامنے نہیں کر رہا ہے اور کبھی کبھی اس کو گناہوں پر شرمندگی اور ندامت بھی ہو جاتی ہے اور توبہ کی بھی توفیق ہو جاتی ہے، لیکن دوسرا شخص علی الاعلان اور کھلم کھلا دوسروں کے سامنے گناہ کر رہا ہے اور اس پر فخر بھی کر رہا ہے کہ میں نے یہ گناہ کیا، یہ بڑی خطرناک بات ہے، ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کل امتی معافی الا المجاھرین

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ستر المومنین علی نفسہ، حدیث نمبر ۶۰۶۹)

یعنی "میری امت میں جتنے گناہ کرنے والے ہیں، سب کی مغفرت کی توقع ہے، ان شاء اللہ سب کی معافی ہو جائے گی، یا تو توبہ کی توفیق ہو جائے گی یا اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرمادیں گے، لیکن وہ لوگ جو ڈنکے کی چوٹ پر کھلم کھلا علانیہ گناہ کرنے والے ہوں گے اور اس گناہ پر کبھی شرمندہ نہ ہوتے ہوں گے، بلکہ اس گناہ پر فخر کرتے ہوں گے اور بلکہ اس گناہ کو ثواب سمجھ کر کرتے ہوں گے اور یہ کہتے ہوں گے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں، یہ درست ہے اور اگر ان کو سمجھایا جائے تو اس پر بحث کرنے اور مناظرہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ اس میں کیا حرج ہے؟ کیا ہم زمانے سے کٹ جائیں؟ کیا ہم دقیانوس ہو کر بیٹھ جائیں؟ اور ساری دنیا کے طعنے ہم اپنے سر لے لیں؟ کیا سوسائٹی سے کٹ کر بیٹھ جائیں؟ ایسے لوگوں کی مغفرت نہیں ہوگی۔"

سوسائٹی کو چھوڑو:...... ارے یہ تو دیکھو کہ اگر سوسائٹی سے کٹ کر اللہ کے ہو جاؤ گے تو یہ کون سا مہنگا سودا ہے؟ ذرا غور تو کرو کہ یہ سوسائٹی کب تک تمہارا ساتھ دے گی؟ تمہیں کہاں تک لے جائے گی؟ یاد رکھو کہ قبر میں جانے کے بعد تمہارے اعمال کے سوا کوئی تمہارا ساتھی نہیں ہوگا، اس وقت تم اپنی سوسائٹی کو مدد کے لئے پکارنا کہ تمہاری وجہ سے ہم یہ کام کر رہے تھے، اب آکر ہماری مدد کرو، کیا اس وقت تمہاری سوسائٹی کے افراد میں سے کوئی آکر تمہاری مدد کرے گا؟ اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا سکے گا؟ اس وقت کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿مالکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر﴾

(سورۃ البقرہ: آیت ۱۰۷)

یعنی "اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا ولی اور مددگار نہیں ہوگا جو تمہیں عذاب سے چھڑا سکے۔"

نصیحت آموز واقعہ:...... قرآن کریم نے سورۃ صافات میں ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس شخص کو جب جنت میں پہنچادیں گے اور جنت کی ساری نعمتیں عطا فرمادیں گے، اس وقت اس کو اپنے ایک ساتھی اور دوست کا خیال آئے گا کہ معلوم نہیں اس کا کیا حال ہے؟ اس لئے کہ وہ دنیا کے اندر مجھے غلط کاموں پر اکسایا کرتا تھا اور مجھ سے بحث کیا کرتا تھا کہ آج کل کے حالات ایسے ہیں، ماحول ایسا ہے، سوسائٹی کے یہ تقاضے ہیں، وقت کے تقاضے یہ ہیں وغیرہ، تو ایسی باتیں کرکے مجھے ورغلایا کرتا تھا، اب ذرا اس کو میں دیکھوں تو وہ کس حال میں ہے؟ چنانچہ وہ اس کو دیکھنے کے لئے جہنم کے اندر جھانکے گا، قرآن کریم فرماتا ہے:

﴿فاطلع فراہ فی سوآء الجحیم قال تاللہ ان کدت لتردین ولولا نعمۃ ربی لکنت من المحضرین O﴾

(سورۃ الصفت: آیت ۵۵ تا ۵۷)

"جب وہ اس کو دیکھنے کے لئے جہنم کے اندر جھانکے گا تو اس ساتھی کو جہنم کے بیچوں بیچ دیکھے گا اور پھر اس کو مخاطب ہو کر اس سے کہے گا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو نے مجھے ہلاک ہی کردیا تھا، یعنی اگر میں تیرے کہنے میں آجاتا، تیری بات مان لیتا اور تیری اتباع کرتا تو آج میرا بھی یہی حشر ہونا تھا، جو حشر تیرا ہو رہا ہے اور اگر میرے ساتھ میرے رب کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو مجھے بھی اسی طرح دھر لیا گیا ہوتا جس طرح آج تجھے دھر لیا گیا ہے۔"

ہم بیک ورڈ ہی سہی:...... بہرحال! اس سوسائٹی کے تقاضے یہاں پر تو بڑے خوش نما لگتے ہیں، لیکن اگر اس بات پر ایمان ہے کہ ایک دن مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور جنت اور جہنم بھی کوئی چیز ہے تو پھر خدا کے لئے اس سوسائٹی کی باتوں کو چھوڑو، اس کے ڈر اور خوف کو چھوڑو، اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی طرف آؤ اور یہ سوسائٹی تمہیں جو طعنے دیتی ہے، ان طعنوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرو، اگر سوسائٹی یہ کہتی ہے کہ تم رجعت پسند ہو، تم دقیانوس ہو، تم بیک ورڈ (Bake Word) ہو، تم زمانے کے ساتھ چلنا نہیں جانتے، تو ایک مرتبہ اس سوسائٹی کو خم ٹھوک کر اور کمر کس کر یہ جواب دے دو کہ ہم ایسے ہی ہیں، تم اگر ہمارے ساتھ تعلق رکھنا چاہتے ہو رکھو، نہیں رکھنا چاہتے تو مت رکھو، جب تک ایک مرتبہ یہ نہیں کہو گے، اس وقت تک یاد رکھو! یہ سوسائٹی تمہیں جہنم کی طرف لے جاتی رہے گی۔

یہ طعنے مسلمان کے لئے مبارک ہیں:...... حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی یہ طعنے دیئے گئے اور جو شخص بھی دین پر چلنا چاہتا ہے، اس کو یہ طعنے دیئے جاتے ہیں، لیکن جب تک ان طعنوں کو اپنے لئے باعث فخر نہیں قرار دو گے، یاد رکھو! اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں ہوگی، ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اکثر واذکر اللہ حتی یقولوا مجنون

(مسند احمد، ج ۳، ص ۶۸)

اللہ کی یاد اور ذکر اس حد تک کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہنے لگیں، مطلب یہ ہے کہ اگر سوسائٹی ایک طرف جا رہی ہے، زمانہ ایک طرف جا رہا ہے، اب تم اس کے بہاؤ پر بہنے کے بجائے اس کے بہاؤ کا رخ موڑنے کی کوشش کرو تو لوگ تمہیں پاگل کہیں گے، چنانچہ آج اگر کوئی شخص دیانتداری اور امانت داری سے کوئی کام کرتا

ہے تو لوگ اس کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ یہ پاگل ہے، اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے، مثلاً آج اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں رشوت نہ لوں، رشوت نہ دوں، سود نہ کھاؤں، حرام کاموں سے اجتناب کروں اور لباس کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کروں، تو اس وقت سوسائٹی اس کو یہی کہے گی کہ اس کا دماغ خراب ہے، یہ پاگل ہے، حالانکہ جب سوسائٹی تمہیں یہ کہے کہ تم پاگل ہو، تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بشارت ہے اور تمہارے لئے باعث فخر کلمہ ہے اور یہ وہ لقب ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں دیا ہے، لہذا جس دن تمہیں دین کی وجہ سے کوئی شخص یہ کہہ دے کہ یہ پاگل ہے، اس دن خوشی مناؤ اور دو رکعت شکرانہ کی نفل ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے آج تمہیں اس مقام تک پہنچا دیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مومن کے لئے فرمایا تھا، اس لئے اس سے ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں، مولانا ظفر علی خان مرحوم نے خوب کہا:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

لہذا اگر ساری دنیا کے خفا ہونے کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے تمہارا تعلق جڑ جائے تو کیا یہ مہنگا سودا ہے؟ یہ دنیاوی زندگی معلوم نہیں کتنے دن کی زندگی ہے، یہ باتیں اور یہ طعنے سب ختم ہو کر رہ جائیں گے اور جس دن تمہاری آنکھ بند ہوگی اور وہاں تمہارا استقبال ہوگا، اس وقت تم دیکھنا کہ ان طعنہ دینے والوں کا کیا حشر ہوگا اور یہ طعنے دینے والے جو آج تم پر ہنس رہے ہیں، قیامت کے دن یہ ہنسنے والے روئیں گے اور تم ان پر ہنسا کرو گے، لہذا ان سوسائٹی والوں سے کب تک صلح کرو گے، کب تک ان کے سامنے ہتھیار ڈالتے رہو گے، کب تک تم ان کے پیچھے چلو گے، لہذا جب تک ایک مرتبہ ہمت کر کے ارادہ نہیں کرو گے، اس وقت تک چھٹکارا نہیں ملے گا اور برہنگی کے لباس کا جو رواج چل پڑا ہے، ایک مرتبہ عزم کر کے اس کو ختم کرو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بہر حال، اللہ تعالیٰ نے لباس کا پہلا مقصد بیان فرمایا ہے، وہ ہے ستر عورت، جو لباس ساتر نہیں، وہ حقیقت میں لباس ہی نہیں، وہ برہنگی ہے۔

لباس کا دوسرا مقصد:...... لباس کا دوسرا مقصد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ ''ریشا'' یعنی ہم نے اس لباس کو تمہارے لئے زینت کی چیز اور خوبصورتی کی چیز بنایا، ایک انسان کی خوبصورتی لباس میں ہے، لہذا لباس ایسا ہونا چاہئے کہ جسے دیکھ کر انسان کو فرحت ہو، بدہیئت اور بے ڈھنگا نہ ہو، جس کو دیکھ کر دوسروں کو نفرت اور کراہت ہو، بلکہ ایسا ہونا چاہئے جس کو پہن کر زینت کا فائدہ حاصل ہوسکے۔

اپنا دل خوش کرنے کیلئے قیمتی لباس پہننا:...... بعض اوقات دل میں یہ اشتباہ رہتا ہے کہ کیسا لباس پہنیں؟ اگر بہت قیمتی لباس پہن لیا تو یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں اسراف میں داخل نہ ہو جائے؟ اگر معمولی لباس پہنیں تو کس درجے کا پہنیں؟

اللہ تعالیٰ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور کے اندر ان سے ایسا عجیب کام لیا کہ آپ نے کوئی چیز پردہ خفا کے اندر نہیں چھوڑی، ہر ہر چیز کو دو اور دو چار کر کے بالکل واضح کر کے اس دنیا سے تشریف لے گئے، چنانچہ آپ نے لباس کے بارے میں فرمایا کہ لباس ایسا ہونا چاہئے، جو ساتر ہو اور ساتر ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے تھوڑا سا آسائش کا مقصد بھی حاصل ہو، یعنی اس لباس کے ذریعے جسم کو راحت بھی حاصل ہو، آرام بھی حاصل ہو، ایسا لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں، مثلاً پتلا لباس پہن لیا، اس خیال سے کہ جسم کو آرام ملے گا، اس میں کوئی حرج نہیں، شرعاً جائز ہے، شریعت نے اس پر کوئی پابندی عائد

نہیں کی، اسی طرح اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے زیبائش کا لباس پہنے تو یہ بھی جائز ہے، مثلاً ایک کپڑا دس روپے گز ہے اور دوسرا کپڑا پندرہ روپے گز مل رہا ہے، اب اگر ایک شخص پندرہ روپے گز والا اس لئے خریدے کہ اس کے ذریعے میرے جسم کو آرام ملے گا یا اس وجہ سے کہ یہ کپڑا مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے، اس کو پہننے سے میرا دل خوش ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی وسعت دی ہے کہ میں دس روپے کے بجائے پندرہ روپے گز والا کپڑا پہن سکتا ہوں، تو یہ اسراف میں داخل نہیں ہے اور گناہ بھی نہیں ہے، بلکہ شرعاً بھی جائز ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت بھی دی ہے اور تم اپنا دل خوش کرنے کے لئے ایسا کپڑا پہن رہے ہو، اس لئے جائز ہے۔

مالدار کو اچھے کپڑے پہننا چاہئے:...... بلکہ جس شخص کی آمدنی اچھی ہو، اس کے لئے خراب قسم کا کپڑا اور بہت گھٹیا قسم کا لباس پہننا کوئی پسندیدہ بات نہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ صاحب بہت بدہیئت قسم کا پرانا لباس پہنے ہوئے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب سے پوچھا:

" اَلَکَ مال؟ قال نعم، قال : مِن اَیِّ المال؟ قال: قدا تانی اللہ من الابل والغنم والخیل والرقیق، قال: فاذا اٰتاکَ اللہ مالا فلیر اثر نعمۃ اللہ علیک و کرامتہ."

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فی الخلقان وفی غسل الثواب، حدیث نمبر ۴۰۶۳)

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے کہا، ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تیرے پاس کس قسم کا مال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کا مال عطا فرمایا ہے، یعنی اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام سب ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو اس کے انعامات کا کچھ اثر تمہارے لباس سے بھی ظاہر ہونا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تو سب کچھ دے رکھا ہے، لیکن فقیر اور گداگر کی طرح پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، یہ تو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اثر ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آرام کی خاطر اور اپنی آسائش یا زیبائش کی خاطر کوئی شخص اچھا اور قیمتی لباس پہن لے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیمتی لباس پہننا:...... میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات جو مشہور ہوگئی کہ ''کالی کملی والے'' اس بات کو ہمارے شاعروں نے بہت مشہور کر دیا، یہ بات صحیح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ حیات طیبہ سادگی کی حالت میں بسر ہوئی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جس طرح یہ منقول ہے کہ آپ موٹا کپڑا زیب تن فرماتے تھے اور جہاں یہ منقول ہے کہ آپ نے موٹی چادریں استعمال فرمائیں، اسی طرح آپ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جبہ زیب تن فرمایا، جس کی قیمت دو ہزار دینار تھی، وجہ اس کی یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل شریعت کا حصہ بنتا تھا، اس لئے ہم جیسے کمزوروں کے لئے یہ بھی کر کے دکھا دیا کہ اگر تم اپنی جسمانی راحت اور آسائش کے لئے کوئی قیمتی لباس پہننا چاہتے ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

نمائش اور دکھاوا جائز نہیں:...... لیکن اگر لباس پہننے سے نہ تو آسائش مقصود ہے اور نہ آرائش مقصود ہے، بلکہ نمائش اور دکھاوا مقصود ہے، تاکہ لوگ دیکھیں کہ ہم نے اتنا شاندار کپڑا پہنا ہوا ہے اور اتنا اعلیٰ درجے کا لباس پہنا

ہوا ہے اور یہ دکھانا مقصود ہے کہ ہم بڑی دولت والے اور بڑے پیسے والے ہیں اور دوسروں پر بڑائی جتانا اور دوسروں پر رعب جمانا مقصود ہے تو یہ سب باتیں نمائش میں داخل ہیں اور حرام ہیں، اس لئے کہ نمائش کی خاطر جو بھی لباس پہنا جائے، وہ حرام ہے۔

شیخ کی ضرورت:...... ان دونوں باتوں میں بہت باریک فرق ہے کہ اپنا دل خوش کرنا مقصود ہے یا دوسروں پر اپنی برائی جتانا مقصود ہے، یہ کون فیصلہ کرے گا کہ یہ لباس اپنا دل خوش کرنے کے لئے پہنا ہے یا دوسروں پر بڑائی جتانے کے لئے پہنا ہے؟ یہ فیصلہ کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں، اس مقصد کے لئے کسی مصلح اور رہنما کی ضرورت پڑتی ہے، وہ ان دونوں کے درمیان فرق کر کے بتا دیتا ہے کہ اس وقت جو کپڑے تم پہن رہے ہو اور یہ کہہ رہے ہو کہ اپنا دل خوش کرنے کے لئے پہن رہا ہوں، یہ دراصل شیطان کا دھوکا ہے، حقیقت میں ان کپڑوں کے پہننے کا مقصد دوسروں پر بڑائی ظاہر کرنا ہے اور بعض اوقات اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے، بہر حال! کسی شیخ کی ضرورت ہے اور یہ پیری مریدی درحقیقت اسی کام کے لئے ہوتی ہے کہ اس قسم کے کاموں میں اس سے رہنمائی حاصل کی جائے کہ اس وقت میرے ساتھ یہ صورت حال ہے، بتایئے کہ اس وقت ایسے کپڑے پہنوں یا نہ پہنوں؟ وہ شیخ بتاتا ہے کہ اس وقت ایسے کپڑے پہنو اور اس وقت مت پہنو، نمائش اور آسائش میں یہ باریک فرق ہے، دنیا کے جتنے کام ہیں، چاہے وہ لباس ہو، یا کھانا ہو، یا جوتے ہوں، یا مکان ہو، ان سب میں یہ اصول کارفرما ہے، جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرما دیا ہے، یہ بڑا زرین اصول ہے۔

اسراف اور تکبر سے بچئے:...... اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا اصولی ارشاد ہے:

"کُل ماشِئتَ والبس ما شِئتَ ماخطئتک اثنتان، سرف ومخیلة"

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب نمبر ۱)

یعنی "جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو، لیکن دو چیزوں سے پرہیز کرو، ایک اسراف سے اور دوسرے تکبر سے"۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح کا کپڑا چاہو پہنو، تمہارے لئے یہ جائز ہے لیکن اسراف نہ ہو اور اسراف اسی وقت ہوتا ہے، جب آدمی نمائش کے لئے کپڑا پہنتا ہے اور دوسرے یہ کہ جس کپڑے کو پہن کر تکبر پیدا ہو، اس سے بچو، لیکن کون سے کپڑے سے اسراف ہو گیا اور کون سے کپڑے سے تکبر پیدا ہو گیا، اس کے لئے کسی شیخ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بتاتا ہے کہ یہاں تکبر ہو گیا اور یہاں اسراف ہو گیا، بہر حال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ لباس کا دوسرا مقصد ہے زینت، لیکن اس زینت کی حدود ہیں، بس ان حدود شریعت کے اندر رہ کر جتنی زینت کر سکتے ہو، اس کو اختیار کر لو، لیکن اگر ان حدود سے باہر نکل کر زینت اختیار کرو گے تو یہ حرام ہو گی اور ناجائز ہو گی۔

فیشن کے پیچھے نہ چلیں:...... آج کل عجیب مزاج بن گیا ہے کہ اپنی پسند یا ناپسند کا کوئی معیار نہیں، بس جو فیشن چل گیا، وہ پسند ہے اور جو چیز فیشن سے باہر ہو گئی، وہ ناپسند ہے، ایک زمانے میں ایک چیز کا فیشن چل رہا ہے تو اب اس کو پسند کیا جانے لگا اور اس کی تعریف کی جانے لگی کہ یہ بہت اچھی چیز ہے اور جب اس کا فیشن نکل گیا تو اب اسی کی برائی شروع ہو گئی، مثلاً ایک زمانے میں لمبی اور نیچی قمیص کا فیشن چل گیا تو اب جس کو دیکھو، وہ لمبی قمیص پہن رہا ہے اور اس کے فضائل بیان کر رہا ہے اور اس کی تعریف کر رہا ہے کہ یہ بہت اچھی چیز ہے اور جب اونچی قمیص پہننے کا فیشن چل پڑا تو اب اونچی قمیص کی تعریف ہو رہی ہے اور اس کو پسندیدہ قرار دیا جا رہا ہے، یہ فیشن کے تابع ہو کر خوبصورتی اور بدصورتی کا تعین صحیح نہیں، بلکہ اپنے آپ کو جو چیز اچھی لگے اور اپنے خیال کو جو چیز خوبصورت لگے، اس کو پہننے کی شریعت کی طرف سے اجازت ہے۔

من بھاتا کھاؤ، من بھاتا پہنو:...... ہمارے یہاں ہندی میں ایک مقولہ مشہور تھا کہ "کھائے من بھاتا اور پہنے جگ بھاتا" یعنی کھائے تو وہ چیز جو اپنے من کو بھائے، اپنے دل کو اچھی لگے، اپنا دل اس سے خوش ہو اور اپنے آپ کو پسند ہو، لیکن لباس وہ پہنے جو جگ کو بھائے، جگ سے مراد زمانہ، یعنی جو زمانے کے لوگوں کو پسند ہو، زمانے کے لوگ جس کو پسند کریں اور ان کی آنکھوں کو اچھا لگے، یہ کہاوت مشہور ہے، لیکن یہ اسلامی اصول نہیں، بلکہ شریعت نے تو یہ کہا ہے کہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے حدود شریعت میں رہتے ہوئے جو بھی لباس استعمال کرو، وہ جائز ہے لیکن فیشن کی اتباع میں لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نمائش کے لئے کوئی لباس استعمال کر رہے ہو تو وہ جائز نہیں۔

خواتین اور فیشن پرستی:...... اس معاملے میں آج کل خاص طور پر خواتین کا مزاج قابل اصلاح ہے، خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ لباس اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے ہے، اس لئے لباس پہن کر اپنے دل کو خوش کرنے کا معاملہ بعد کا ہے، اصل یہ ہے کہ دیکھنے والے اس لباس کو دیکھ کر اس کو فیشن کے مطابق قرار دیں اور اس کی تعریف کریں اور ہمارا لباس دیکھ کر لوگ یہ سمجھیں کہ یہ بڑے لوگ ہیں، یہ باتیں عورتوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ عورتیں اپنے گھر میں اپنے شوہروں کے ساتھ تو میلی کچیلی رہیں گی اور اچھا لباس پہننے کا خیال بھی نہیں آئے گا، لیکن جہاں کہیں گھر سے باہر نکلنے کی نوبت آ گئی یا کسی تقریب میں شرکت کی نوبت آ گئی تو پھر اس کے لئے اس بات کا اہتمام کیا جا رہا ہے کہ وہ لباس فیشن کے مطابق ہو اور اس کے پہننے کے نتیجے میں وہ لوگ ہمیں دولت مند سمجھیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک لباس ایک تقریب کے اندر پہن لیا تو اب وہ لباس دوسری تقریب کے اندر نہیں پہنا جا سکتا، اب وہ لباس حرام ہو گیا، اس لئے کہ اگر وہی لباس پہن کر دوسری تقریب میں چلے گئے تو دوسری خواتین یہ سمجھیں گی کہ ان کے پاس تو ایک ہی جوڑا ہے، سب جگہ وہی ایک جوڑا پہن کر آ جاتی ہیں، جس کی وجہ سے ہماری بے عزتی ہو جائے گی، درحقیقت ان باتوں کے پس پردہ نمائش کا جذبہ ہے اور یہ نمائش کا جذبہ ممنوع ہے، البتہ نمائش کے ارادے اور اہتمام کے بغیر کوئی خاتون اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے آج ایک جوڑا پہن لے اور کل کو دوسرا جوڑا پہن لے اور اللہ تعالیٰ نے عطا بھی فرمایا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت امام مالکؒ اور نئے جوڑے:...... ہمارے بزرگوں میں بھی ایسے لوگ گزرے ہیں جو بہت اچھا اور عمدہ لباس پہنا کرتے تھے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نام آپ نے سنا ہوگا، جو بڑے درجے کے امام گزرے ہیں، مدینہ طیبہ کے رہنے والے، امام دارالہجرۃ، ان کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہوا دیکھا کہ وہ ہر روز ایک نیا جوڑا پہنا کرتے تھے، گویا کہ ان کے لئے سال میں تین سو ساٹھ جوڑے بنتے تھے اور جو جوڑا ایک دن پہنا، وہ دوبارہ بدن پر نہیں آتا تھا، دوسرے دن دوسرا جوڑا، تیسرے دن تیسرا جوڑا، کسی کو خیال آیا کہ ہر روز نیا جوڑا پہننا تو اسراف ہے، چنانچہ اس نے آپ سے کہا کہ حضرت یہ روزانہ نیا جوڑا پہننا تو اسراف میں داخل ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں کیا کروں، بات دراصل یہ ہے کہ جب سال شروع ہوتا ہے تو میرا ایک دوست تین سو ساٹھ جوڑے سلوا کر میرے گھر لے آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ آپ کا روز کا ایک جوڑا ہے، اب میں نے خود سے تو اس بات کا اہتمام نہیں کیا کہ روزانہ ایک نیا جوڑا پہنوں، اگر میں ان جوڑوں کو واپس کر دوں تو اس کی دل شکنی ہوتی ہے اور اگر نہ پہنوں تو بھی اس کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کا ہدیہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ میں روزانہ نیا جوڑا پہنوں، اس لئے میں روزانہ ایک جوڑا

بدلتا ہوں اور اس کو اتارنے کے بعد کسی مستحق کو دے دیتا ہوں، جس کی وجہ سے بہت سے اللہ کے بندوں کا بھلا ہو جاتا ہے، بہر حال! ان کا روزانہ نیا جوڑا پہننا دکھاوے کے لئے نہیں تھا، بلکہ جس نے ہدیہ دیا تھا، اس کا دل خوش کرنے کی خاطر تھا۔

حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ:..... ایک بڑا عجیب و غریب واقعہ یاد آگیا، یہ واقعہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے، بڑا سبق آموز واقعہ ہے، وہ یہ کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو اہلیہ تھیں، ایک بڑی اور ایک چھوٹی، دونوں کو حضرت والا سے بہت تعلق تھا، لیکن بڑی پیرانی صاحبہ پرانے وقتوں کی تھیں اور حضرت والا کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانے کی فکر میں رہتی تھیں، عید آنے والی تھی، بڑی پیرانی صاحبہ کے دل میں خیال آیا کہ حضرت والا کے لئے کسی عمدہ اور اچھے کپڑے کا اچکن بنایا جائے، اس زمانے میں ایک کپڑا چلا کرتا تھا، جس کا نام تھا" آنکھ کا نشہ" یہ بڑا شوخ قسم کا کپڑا ہوتا تھا، اب حضرت والا سے پوچھے بغیر کپڑا خرید کر اس کا اچکن سینا شروع کر دیا اور حضرت والا کو اس خیال سے نہیں بتایا کہ اچکن سلنے کے بعد جب اچانک میں ان کو پیش کروں گی تو اچانک ملنے سے خوشی زیادہ ہوگی اور سارا رمضان اس کے سینے میں مشغول رہیں، اس لئے کہ اس زمانے میں مشین کا رواج تو تھا نہیں، ہاتھ سے سلائی ہوتی تھی، چنانچہ جب وہ سل کر تیار ہو گیا تو عید کی رات کو وہ اچکن حضرت والا کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ میں نے آپ کے لئے یہ اچکن تیار کیا ہے، میرا دل چاہ رہا ہے کہ آپ اس کو پہن کر عید گاہ جائیں اور عید کی نماز پڑھیں، اب کہاں حضرت والا کا مزاج اور کہاں وہ شوخ اچکن، وہ تو حضرت والا کے مزاج کے بالکل خلاف تھا، لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ اگر میں پہننے سے انکار کروں تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ انہوں نے تو پورا رمضان اس کے سینے میں محنت کی اور محبت سے محنت کی، اس لئے آپ نے ان کا دل رکھنے کے لئے فرمایا کہ تم نے تو یہ ماشاء اللہ بڑا اچھا اچکن بنایا ہے اور پھر آپ نے وہ اچکن پہنا اور عید گاہ میں پہنچے اور نماز پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت آپ نے یہ جو اچکن پہنا ہے، یہ آپ کو زیب نہیں دیتا، اس لئے کہ یہ بہت شوخ قسم کا اچکن ہے، حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ہاں بھائی! تم بات تو ٹھیک کہہ رہے ہو اور یہ کہہ کر پھر آپ نے وہ اچکن اتارا اور اسی شخص کو دے دیا کہ یہ تمہیں ہدیہ ہے، اس کو تم پہن لو۔

دوسرے کا دل خوش کرنا:..... اس کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا کہ جس وقت میں یہ اچکن پہن کر عید گاہ کی طرف جا رہا تھا، تو کچھ نہ پوچھو کہ اس وقت میرا دل کتنا کٹ رہا تھا، اس لئے کہ ساری عمر اس قسم کا شوخ لباس کبھی نہیں پہنا، لیکن دل میں اس وقت یہ نیت تھی کہ جس اللہ کی بندی نے محنت کے ساتھ اس کو سیا ہے، اس کا دل خوش ہو جائے تو اس کا دل خوش کرنے کے لئے اپنے اوپر یہ مشقت برداشت کر لی اور اس کے پہننے پر طعنے بھی سہے، اس لئے کہ لوگوں نے اس کے پہننے پر طعنے بھی دیئے کہ کیسا لباس پہن کر آ گئے، لیکن گھر والوں کا دل خوش کرنے کے لئے یہ کام کر لیا۔

بہر حال! انسان اچھے سے اچھا لباس اپنا دل خوش کرنے کے لئے پہنے، اپنے گھر والوں کا دل خوش کرنے کے لئے پہنے اور کسی ہدیہ اور تحفہ دینے والے کا دل خوش کرنے کے لئے پہنے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اچھا لباس اس مقصد کے لئے پہننا، تاکہ لوگ مجھے بڑا سمجھیں، میں فیشن ایبل نظر آؤں، میں دنیا والوں کے سامنے بڑا بن جاؤں اور نمائش اور دکھاوے کے لئے پہنے تو یہ عذاب کی چیز ہے اور حرام ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

(جاری ہے)



اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں متعدد جگہ بندوں کے حقوق کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور ان کی ادائیگی پر زور دیا ہے، چنانچہ سورہ نساء میں ماں، باپ، رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں، ہمسایوں، مسافروں، خادموں وغیرہ کے حقوق کی ادائیگی پر توجہ دلائی ہے، آج کل کے معاشرے میں بندوں کے حقوق کی طرف سے لاپروائی کا مظاہرہ ہو رہا ہے، اس کا لازمی نتیجہ پریشانی، تنگ دلی، تنگ نظری، افلاس، خود غرضی وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے اور تمام نظام عالم کو درہم برہم کر رکھا ہے، اولاد، ماں باپ کی نافرمان ہو رہی ہے، ماں باپ اولاد کے رویے سے بے زار ہیں، بھائی بھائی کا دشمن ہے، خویش و اقارب ایک دوسرے کے حق میں سانپ اور بچھوؤں کے مانند ہو گئے ہیں، پڑوسی اپنے پڑوسی سے نالاں ہے، اہل شہر ایک دوسرے کے شاکی ہیں، غرض کہ دنیا میں ہر جگہ معاشرہ افراتفری کا شکار ہے، حالانکہ اسلام نے ہمیں ایسا مربوط معاشرتی نظام دیا ہے کہ جس پر چل کر ہماری زندگی نہایت خوش گوار بن سکتی ہے، مثال کے طور پر ہمسایوں کے حقوق کے بارے میں سورۂ نساء کی اسی آیت میں مذکور ہے:

﴿والجار ذی القربیٰ والجار الجنب﴾ (النساء: ۳۶)

"تم اپنے پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی۔"

پاس والے پڑوسی سے مراد وہ ہے جس کا گھر اپنے گھر کے پاس ہو، یا جو نسب میں قریبی ہو یا جو دین کے

اعتبار سے قریبی ہو، اس لحاظ سے استاد بھائی بھی پڑوسی کے درجے میں ہے اور دور والا وہ ہے جس کا گھر فاصلے پر ہو، مگر محلہ ایک ہی ہو، جو پڑوسی رشتے دار نہ ہو، یا دین میں شریک نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اگر اہل حقوق کافر ہوں تب بھی ان کے ساتھ احسان کیا جائے، البتہ مسلمان کا حق اسلام کی وجہ سے ان سے زیادہ پہلے درجے میں ہوگا۔

چناں چہ حضرت جابر بن عبداللہ بن رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑوسی تین طرح کے ہیں: ایک پڑوسی وہ ہے جس کے تین حق ہیں، یعنی پڑوسی ہونے کا حق، رشتہ دار ہونے کا حق اور اسلام کا حق اور ایک پڑوسی وہ ہے جس کے دو حق ہیں، یعنی پڑوسی ہونے کا اور مسلمان ہونے کا اور ایک پڑوسی وہ ہے جس کا صرف ایک حق ہے یعنی صرف پڑوسی ہونے کا اور وہ مشرک یا اہل کتاب ہے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ہمسائے کا ایک حق محض انسان ہونے کی حیثیت سے ہے، اگر چہ وہ اس کا ہم مذہب و ہم خیال نہ بھی ہو اور اگر چہ وہ اس سے اور کوئی قرابت نہ رکھتا ہو، اس کے بعد جس قدر قرابتیں زیادہ ہوتی جائیں گی، اسی قدر اس کا حق دوسرے سے فائق ہو جائے گا اور جس قدر ہمسائیگی یا قربت وغیرہ میں دوری ہوتی جائے گی، اس کا حق اسی قدر موخر ہوتا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے دو ہمسائے ہیں، میں ان دونوں میں سے کس کی طرف ہدیہ بھیجوں؟ (یعنی جب کہ صرف ایک ہی کی طرف بھیجنا ہو) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں میں سے جو تیرے مکان سے قریب ہے، اس کو بھیج۔ اس کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

ہمسائے کے حقوق کے بارے میں کثرت سے حدیثیں آئی ہیں، جن سے ان کے حقوق کی اہمیت واضح ہوتی ہے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے ہمسائے کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہمیشہ تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے، اس حدیث کو امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک اچھا دوست وہ ہے جو اپنے دوستوں سے اچھا ہو اور اچھا ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسایوں کے ساتھ اچھا ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو سالن پکائے تو اس میں شوربہ زیادہ کر لیا کر اور اس سالن سے اپنے ہمسائے کی خبر گیری کیا کر، اس کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

جو لوگ اپنے ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے، بلکہ ان کو ستاتے رہتے ہیں، ان کے بارے میں حدیثوں میں وعیدیں آئی ہیں، چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم، وہ ایمان دار نہیں، اللہ کی قسم، وہ ایمان دار نہیں، اللہ کی قسم، وہ ایمان دار نہیں۔'' آپ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون شخص ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں۔

بہت سے لوگوں کے پڑوسی بھوکے سوتے ہیں اور ان کو خبر تک نہیں ہوتی، ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص مومن نہیں جو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا ہو، ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! فلاں عورت اپنی نماز، روزہ اور

خیرات کی کثرت کے باعث مشہور ہے، مگر وہ اپنے ہمسایوں کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جہنم میں ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہمسایوں کا ایک دوسرے پر کس قدر حق ہے اور ہمسایوں کے حقوق ادا نہ کرنے اور ان کو تکلیف پہنچانے کے باعث دنیا میں ذلت ہوتی ہے اور آخرت میں عذات کا مستحق ہوتا ہے۔

ہمسایوں کے حقوق کئی طرح کے ہیں، مثلاً یہ کہ اس کے ساتھ احسان کرے اور رعایت سے پیش آئے، اس کے بیوی بچوں کی آبرو کی حفاظت کرے، کبھی کبھی اس کے گھر تحفہ وغیرہ بھیجتا رہے، خاص طور پر جب کسی کا پڑوسی اتنا غریب ہو کہ فاقے تک نوبت پہنچ جاتی ہو تو اس کو کچھ نہ کچھ کھانا ضرور دیا کرے، اس کو تکلیف نہ دے، بلاوجہ معمولی معمولی باتوں میں اس سے رنج و تکرار نہ کرے، اگر کوئی ہمسایہ غیر مسلم ہو تو اس کے ساتھ بد زبانی نہ کرے، اگر کسی کو جان و مال کی تکلیف نہ دے، کسی شرعی وجہ کے بغیر اس کے ساتھ بد زبانی نہ کرے، اگر کسی کو مصیبت یا فاقے یا بیماری میں مبتلا دیکھے تو اس کی مدد کرے، کھانا پانی دے دے، علاج معالجہ کرادے اور جس صورت میں شریعت نے سزا کی اجازت دی ہو، اس میں بھی ظلم و زیادتی نہ کرے، جس طرح شہر و بستی میں ہمسایہ ہوتا ہے، اسی طرح سفر میں بھی ہوتا ہے، یعنی سفر میں روانہ ہوتے ہی جو اس کا رفیق سفر ہو، یا راستے میں اتفاقاً اس کا ساتھ ہو گیا ہو تو اس کے حقوق بھی آبادی کے ہمسائے کی طرح ہیں، مثلاً یہ کہ اس کے آرام کو اپنے آرام پر ترجیح دے، ریل گاڑی یا موٹر وغیرہ پر سوار ہوتے وقت اس کو آرام پہنچائے وغیرہ۔

بعض ہمسائے محتاج ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ توجہ کے مستحق ہوتے ہیں، جیسے یتیم، بیوہ، عاجز، ضعیف، مسکین، بیمار، اپاہج وغیرہ ان کے اور بھی زائد حقوق ہیں، وہ یہ کہ مال سے ان کی خدمت کرے، اپنے ہاتھ پاؤں سے ان کا کام کر دیا کرے، ان لوگوں کی دل جوئی اور تسلی کرتا رہے اور جہاں تک ہو سکے، ان کی حاجت اور سوال کو رد نہ کرے، اگر ان اہل حقوق کے کسی حق کی ادائیگی میں کچھ کمی ہو گئی ہو تو اس کو پورا کرے یا ان سے معاف کرائے اور آئندہ اس بات کا خیال رکھا کرے کہ کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے اور ہمیشہ ان کے حقوق میں دعائے خیر کرتا رہے، اگر اس کے پڑوسی کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی ہو یا حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی ہو تو اس کو معاف کر دیا کرے، اس میں بہت ثواب ہے، خاص کر جب کوئی شخص منت سماجت کر کے معافی چاہے تو معاف کر دینے میں بہت ہی ثواب ہے۔

ہمسائے کے حقوق کے بارے میں یہ چند اشارات کر دیے گئے ہیں، غور کرنے سے ان کی تفصیل خود ہی سمجھ میں آسکتی ہے، اصل چیز ان باتوں پر عمل کرنا ہے۔

عمل جب تک نہ ہو ولولہ بے کار ہوتا ہے

اگر ہر شخص اس ذمہ داری کو محسوس کرے اور اپنے ہمسائے کے حقوق کا پوری طرح خیال رکھے اور انفرادی احساس کے ساتھ اگر ہر محلے والے اپنے اپنے محلے میں اجتماعی تنظیمیں قائم کر کے اہل محلہ اور ہمسایوں کے لئے کام کریں تو ہمارے معاشرے کی اصلاح ہو کر نہایت پرسکون ماحول پیدا ہو سکتا ہے اور ہماری زندگی آرام و راحت میں تبدیل ہو سکتی ہے اور ہم دین و دنیا کی سعادت سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق اور اس پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے ہمسائے کو تکلیف دی، اس نے مجھ کو تکلیف دی اور جس نے مجھ کو تکلیف دی، اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی اور جو شخص اپنے پڑوسی سے لڑا، وہ مجھ سے لڑا اور جو مجھ سے لڑا، وہ اللہ تعالیٰ سے لڑا۔

☆......☆......☆

خواتین کی نماز کا طریقہ



مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی

"نماز" اسلام کا اہم اور بنیادی رکن ہے، احادیث اور کتب فقہ میں نماز کا صحیح طریقہ اور اس کے آداب مذکور ہیں۔ ذیل میں خواتین کی نماز کا صحیح طریقہ تحریر کیا گیا ہے، خواتین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی نماز اس طریقے سے ملا کر دیکھیں اور بار بار دیکھتی رہیں اور ہر نماز اس طریقے کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کریں اور بچیوں کو بھی اس طریقے کے مطابق نماز پڑھنے کی مشق کرائیں تاکہ سب کی نمازیں صحیح ہوجائے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں شرف قبول حاصل کرسکے۔

نماز شروع کرنے سے پہلے:...... یہ باتیں یاد رکھئے اور ان پر عمل کا اطمینان کرلیجئے:

(۱)...... آپ کا رُخ قبلہ کی طرف ہونا ضروری ہے۔

(۲)...... آپ کو سیدھا کھڑا ہونا چاہئے اور آپ کی نظر سجدے کی جگہ پر ہونی چاہئے، گردن کو جھکا کر ٹھوڑی سینے سے لگالینا مکروہ ہے اور بلاوجہ سینے کو جھکا کر کھڑا ہونا بھی درست نہیں، لہٰذا اس طرح سیدھی کھڑی ہوں کہ نظر سجدے کی جگہ پر رہے۔

(۳)...... آپ کے پاؤں کی انگلیوں کا رُخ بھی قبلے کی جانب رہے اور دونوں پاؤں سیدھے قبلہ رُخ رہیں (پاؤں کو دائیں بائیں ترچھا رکھنا خلاف سنت ہے) دونوں پاؤں قبلہ رُخ ہونے چاہئیں۔

(۴)...... عورتوں کو دونوں پاؤں ملا کر کھڑا ہونا چاہئے، خاص طور پر دونوں ٹخنے تقریباً مل جانے چاہئیں، پاؤں کے درمیان فاصلہ نہ ہونا چاہئے۔

(بہشتی زیور)

(۵)...... خواتین کسی موٹی اور بڑی چادر سے اپنے سارے جسم کو اچھی طرح ڈھانپ لیں، جس میں سر، سر کے بال، گردن بازو وغیرہ سب اچھی طرح چھپ جائیں، کیونکہ خواتین کو سارا بدن چھپانا فرض ہے، پیٹ، پیٹھ، سر، سینہ، بازو، باہیں، پنڈلیاں، مونڈھے، گردن وغیرہ سب ڈھکے رہیں، ہاں اگر چہرہ یا قدم یا گٹوں تک ہاتھ کھلے رہیں تو نماز ہوجائے گی، کیونکہ یہ تینوں چیزیں ستر سے مستثنیٰ ہیں اور اگر یہ بھی ڈھکی رہیں، تب بھی نماز ہوجائے گی، نماز کے لئے ایسا باریک دوپٹہ استعمال کرنا جس میں سر، گردن، حلق اور حلق کے نیچے کا بہت سا حصہ نظر آتا رہے، اسی طرح بازو، کہنیاں اور کلائیاں نہ چھپیں یا پنڈلیاں کھلی رہیں تو ایسی صورت میں نماز بالکل نہیں ہوگی، لہٰذا نماز کے وقت سارے جسم کو چھپانے کا خاص اہتمام کریں۔

(۶)...... اگر نماز کے دوران چہرے، ہاتھ اور پاؤں کے سوا جسم کا کوئی عضو بھی چوتھائی مقدار کے برابر اتنی دیر کھلا رہ گیا جس میں تین مرتبہ **سبحان اللہ ربی العظیم** کہا جاسکے تو نماز ہی نہیں ہوگی اور اس سے کم کھلا رہ گیا تو نماز ہوجائے گی، گناہ ہوگا۔

(۷)...... ایسے کپڑے پہن کر نماز میں کھڑے ہونا مکروہ ہے جنہیں پہن کر انسان لوگوں کے سامنے نہ جاتا ہو۔

نماز شروع کرتے وقت:

(۱)...... دل میں نیت کرلیں کہ میں فلاں نماز پڑھ رہی ہوں، زبان سے نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں، کہہ لینا اچھا ہے۔

(۲)...... دونوں ہاتھ دوپٹے سے باہر نکالے بغیر کندھوں تک اس طرح اٹھائیں کہ ہتھیلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف ہو اور انگلیاں اوپر کی طرف سیدھی ہوں، خواتین کانوں تک ہاتھ نہ اٹھائیں۔

(۳)...... مذکورہ بالا طریقہ پر ہاتھ اٹھاتے وقت **اللہ اکبر** کہیں، پھر دونوں ہاتھ سینے پر بغیر حلقہ بنائے اس طرح رکھیں کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر آجائے، خواتین کو مردوں کی طرح ناف پر ہاتھ نہ باندھنے چاہئیں۔

کھڑے ہونے کی حالت میں:

(۱)...... اکیلے نماز پڑھنے کی حالت میں پہلی رکعت میں پہلے **سبحانک اللھم** آخر تک پڑھیں، اس کے بعد **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** پڑھیں، اس کے بعد **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھیں، پھر **الحمد شریف** پڑھیں اور جب **ولا الضالین** کہیں، اس کے فوراً بعد آمین کہیں، اس کے بعد **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھ کر کوئی سورت پڑھیں یا کہیں سے بھی تین آیتیں پڑھیں۔

(۲)...... اگر اتفاقاً کسی امام کے پیچھے ہوں تو صرف **سبحانک اللھم** الخ پڑھ کر خاموش ہوجائیں اور امام کی قرأت کو دھیان لگا کر سنیں، اگر امام زور سے نہ پڑھ رہا ہو تو زبان ہلائے بغیر دل ہی دل میں سورۂ فاتحہ کا دھیان کیے رکھیں۔

(۳)...... جب خود قرأت کر رہی ہوں تو سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت بہتر یہ ہے کہ ہر آیت پر رک کر سانس توڑ دیں، پھر دوسری آیت پڑھیں، کئی کئی آیتیں ایک سانس میں نہ پڑھیں، مثلاً **الحمدللہ رب العالمین** پر سانس توڑ دیں، پھر **الرحمن الرحیم** پر پھر **مالک یوم الدین** پر، اس طرح پوری سورۂ فاتحہ پڑھیں، لیکن اس کے بعد قرأت میں ایک سانس میں ایک سے زیادہ آیتیں بھی پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں اور خواتین کو ہر نماز میں الحمد شریف اور سورۂ وغیرہ ساری چیزیں آہستہ آواز سے پڑھنی چاہئیں۔ (بہشتی زیور)

(۴)...... بغیر کسی ضرورت کے جسم کے کسی حصے کو حرکت نہ دیں، جتنے سکون کے ساتھ کھڑی ہوں، اتنا ہی بہتر ہے، اگر کھجلی وغیرہ کی ضرورت ہو تو صرف ایک ہاتھ استعمال کریں اور وہ بھی صرف سخت ضرورت کے

وقت اور کم سے کم۔

(۵)......جسم کا سارا زور ایک پاؤں پر دے کر دوسرے پاؤں کو اس طرح ڈھیلا چھوڑ دینا کہ اس میں خم آجائے، نماز کے ادب کے خلاف ہے، اس سے پرہیز کریں یا تو دونوں پاؤں پر برابر زور دیں یا ایک پاؤں پر زور دیں تو اس طرح کہ دوسرے پاؤں میں خم پیدا نہ ہو۔

(۶)......جمائی آنے لگے تو اس کو روکنے کی پوری کوشش کریں۔

(۷)......کھڑے ہونے کی حالت میں نظریں سجدے کی جگہ پر رکھیں، ادھر ادھر یا سامنے دیکھنے سے پرہیز کریں۔

رکوع میں:......رکوع میں جاتے وقت ان باتوں کا خاص خیال رکھیں۔

(۱)......جب قیام سے فراغت ہو جائیں تو رکوع کرنے کے لئے اللہ اکبر کہیں، جس وقت رکوع کرنے کے لئے جھکیں، اسی وقت تکبیر کہنا بھی شروع کردیں اور رکوع میں جاتے ہی تکبیر ختم کردیں۔

(۲)......خواتین رکوع میں معمولی جھکیں کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں، مردوں کی طرح خوب اچھی طرح نہ جھکیں۔ (شامی)

(۳)......خواتین گھٹنوں پر ہاتھ کی انگلیاں ملا کر رکھیں، مردوں کی طرح کشادہ کر کے گھٹنوں کو نہ پکڑیں اور گھٹنوں کو (ذرا آگے) جھکالیں اور اپنی کہنیاں بھی پہلو سے خوب ملا کر رکھیں۔

(۴)......کم از کم اتنی دیر رکوع میں رکیں کہ اطمینان سے تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہا جاسکے۔

(۵)......رکوع کی حالت میں نظریں پاؤں کی طرف ہونی چاہئے۔

(۶)......دونوں پاؤں پر زور برابر رہنا چاہئے اور دونوں پاؤں کے ٹخنے ایک دوسرے سے مل کر رہنے چاہئیں۔

رکوع سے کھڑے ہوتے وقت:

(۱)......رکوع سے کھڑے ہوتے وقت اس قدر سیدھی ہوجائیں کہ جسم میں کوئی خم باقی نہ رہے۔

(۲)......اس حالت میں بھی نظر سجدے کی جگہ پر رہنی چاہئے۔

(۳)......بعض خواتین کھڑے ہوتے وقت کھڑے ہونے کے بجائے کھڑے ہونے کا صرف اشارہ کردیتی ہیں اور جسم کے جھکاؤ کی حالت ہی میں سجدے کے لئے چلی جاتی ہیں، ان کے ذمے نماز کا لوٹانا واجب ہوجاتا ہے، لہٰذا اس سے سختی کے ساتھ پرہیز کریں، جب تک سیدھے ہونے کا اطمینان نہ ہوجائے، سجدے میں نہ جائیں۔

سجدے میں جاتے وقت:......سجدے میں جاتے وقت اس طریقہ کا خیال رکھیں:

(۱)......خواتین سینہ آگے کو جھکا کر سجدے میں جائیں، پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھیں، گھٹنوں کے بعد پہلے ہاتھ زمین پر رکھیں، پھر ناک، پھر پیشانی۔

(۲)......سجدے میں خواتین خوب سمٹ کر اور دب کر اس طرح سجدہ کریں کہ پیٹ رانوں سے بالکل مل جائیں، بازو بھی پہلوؤں سے ملے ہوئے ہوں، نیز پاؤں کو کھڑا کرنے کے بجائے انہیں دائیں طرف نکال کر بچھادیں، جہاں تک ہوسکے، انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھیں۔

(۳)......خواتین کو کہنیوں سمیت پوری بانہیں زمین پر رکھ دینی چاہئیں۔

(۴)......سجدے کی حالت میں کم از کم اتنی دیر گزاریں کہ تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ اطمینان کے ساتھ کہہ سکیں، پیشانی ٹیکتے ہی فوراً اٹھا لینا منع ہے۔

دونوں سجدے کے درمیان:

(۱)......ایک سجدے سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جائیں، پھر دوسرا سجدہ کریں، ذرا سا سر اٹھا کر سیدھے ہوئے بغیر دوسرا سجدہ کر لینا گناہ ہے اور اس طرح کرنے سے نماز کا لوٹانا واجب ہوجاتا ہے۔

(۲)......خواتین پہلے سجدہ سے اٹھ کر بائیں کولہے پر بیٹھیں اور دونوں پاؤں دائیں طرف کو نکال دیں اور دائیں پنڈلی پر رکھیں اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ لیں اور انگلیاں خوب ملا کر رکھیں۔

(۳)......اتنی دیر بیٹھیں کہ اس میں کم از کم ایک مرتبہ سبحان اللہ کہا جاسکے اور اتنی دیر بیٹھیں کہ اس میں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاسْتُرْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ پڑھا جاسکے تو بہتر ہے، لیکن فرض نمازوں میں یہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، نفلوں پر پڑھ لینا بہتر ہے۔

دوسرا سجدہ اور اس سے اٹھنا:

(۱)......دوسرے سجدے میں بھی اس طرح جائیں کہ پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھیں، پھر ناک پھر پیشانی۔

(۲)......سجدے کی ہیئت وہی ہونی چاہئے جو پہلے سجدے میں بیان کی گئی ہے۔

(۳)......سجدے سے اٹھتے وقت پہلے پیشانی زمین سے اٹھائیں، پھر ناک، پھر ہاتھ، پھر گھٹنے۔

(۴)......اٹھتے وقت زمین کا سہارا نہ لینا بہتر ہے، لیکن اگر جسم بھاری ہو یا بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے مشکل ہو تو سہارا لینا بھی جائز ہے۔

(۵)......اٹھنے کے بعد ہر رکعت کے شروع میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھیں۔

قعدے میں:

(۱)......قعدے میں بیٹھنے کا طریقہ وہی ہوگا جو سجدوں کے بیچ میں بیٹھنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۲)......التحیات پڑھتے وقت جب اشھدان لا پر پہنچیں تو شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ کریں اور الا اللہ پر گرادیں۔

(۳)......اشارے کا طریقہ یہ ہے کہ بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنائیں، چھنگلی اور اس کے برابر والی انگلی کو بند کرلیں اور شہادت کی انگلی کو اس طرح اٹھائیں کہ انگلی قبلہ کی طرف جھکی ہوئی ہو، بالکل سیدھی آسمان کی طرف نہ اٹھانی چاہئے۔

(۴)......الا اللہ کہتے وقت شہادت کی انگلی تو نیچے کرلیں لیکن باقی انگلیوں کی جو ہیئت اشارے کے وقت بنائی تھی، اس کو آخر تک برقرار رکھیں۔

سلام پھیرتے وقت:

(۱)......دونوں طرف سلام پھیرتے وقت گردن کو اتنا موڑے کہ پیچھے بیٹھے آدمی کو آپ کے رخسار نظر آجائیں۔

(۲)......سلام پھیرتے وقت نظریں کندھے کی طرف ہونی چاہئیں۔

(۳)......جب دائیں گردن پھیر کر السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہیں تو یہ نیت کریں کہ دائیں طرف جو انسان اور فرشتے ہیں، ان کو سلام کر رہی ہوں اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں طرف موجود انسانوں اور فرشتوں کو سلام کرنے کی نیت کریں۔

دعا کا طریقہ:

(۱)......دعا کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اتنے اٹھائے جائیں کہ وہ سینے کے سامنے آجائیں، دونوں ہاتھوں کے درمیان معمولی فاصلہ ہو، نہ ہاتھوں کو بالکل ملائیں اور نہ دونوں کے درمیان زیادہ فاصلہ رکھیں۔

(۲)......دعا کرتے وقت ہاتھوں کے اندرونی حصے کو چہرے کے سامنے رکھیں۔

ایک مسئلہ:

عورتوں کا جماعت کرنا مکروہ ہے ان کے لئے اکیلی نماز پڑھنا ہی بہتر ہے، البتہ اگر گھر کے محرم افراد گھر میں جماعت کر رہے ہوں تو ان کے ساتھ جماعت میں شامل ہونے میں کچھ حرج نہیں، لیکن ایسے میں مردوں کے بالکل پیچھے کھڑا ہونا ضروری ہے، برابر ہرگز کھڑی نہ ہوں۔

☆......☆......☆



خواتین اور دین کی خدمت

چوتھا حصہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

رحمت الٰہی اور بخشش الٰہی میں مساوات کامل ہے:......میں اس پورے وثوق کے ساتھ اور خم ٹھونک کر کہتا ہوں کہ اور کسی چیز میں مساوات ہو یا نہ ہو اور بعض چیزوں میں مساوات، اسلامی شریعت کے تحفظ اور فطرت انسانی کی معرفت پر مبنی بصیرت سے کام لیتی ہے، لیکن ایک چیز ڈنکے کی چوٹ پر کہی جاسکتی ہے کہ رحمت الٰہی اور بخشش الٰہی میں مساوات کامل ہے، اس میں کوئی تحفظ نہیں ہے، کسی قسم کا ریزرویشن اور کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں اور اس کی دلیل یہ آیت ہے: ''فاستجاب لھم ربھم'' پورا سیاق وسباق دیکھئے تو آنکھیں کھل جائیں گی اور اعجاز قرآنی سے بڑھ کر رحمت یزدانی کا قائل ہوجائے گا اور کوئی جھوم اٹھے اور کسی پر وجد کی کیفیت طاری ہوجائے اور ان کے رونگٹے رونگٹے سے شکر کے ترانے نکلیں، بلکہ ابلیں، تو بھی بالکل بجا ہے اور برمحل ہے، یہاں یہ کوئی موقع نہ تھا، مردوں نے بھی (اللہ ان کو معاف کرے) اپنی دعاؤں میں اپنی بہنوں کا تذکرہ نہیں کیا تھا، اپنی ماؤں تک کا تذکرہ نہیں کیا تھا، حالانکہ ماں تو ماں ہی ہے، انہوں نے دعا اپنے لئے کی تھی، ساری کی ساری چیزیں مذکر کی استعمال کی تھیں، لیکن اب اس رب العالمین کی رب العالمینی دیکھئے اور اس کی رحمۃ للعالمینی دیکھئے، فرماتا ہے ''فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی'' اور پھر اس کے بعد مہر لگاتا ہے: ''بعضکم من بعض'' تم بھول کیوں گئے تھے، گویا ان دعا کرنے والے مردوں کو تنبیہ کی گئی کہ تم اپنے جسم کے اتنے بڑے حصے اور حیات انسانی کے ایک اتنے اہم عنصر کو بھول کیوں گئے تھے؟ اپنے لئے شرط حیات کو بھول گئے تھے تو تم بھولے ہم نہیں بھولے، تم سو بار بھولو، ہزار بار بھولو، لیکن ہم بھولنے والے نہیں ہیں۔

''فی کتاب لایضل ربی ولاینسی'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا تو ان کو رب العزت نے جواب دیا ''لااضیع عمل عامل منکم'' میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا ہوں، بغیر سیاق سباق کے فرماتا ہے ''من ذکر او انثی'' چاہے وہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت، کیا تعجب کی بات ہے؟ تم ہو ہی ایک دوسرے کے، تم ایک دوسرے سے مستغنی نہیں ہو، معاشرت انسانی بلکہ حیات انسانی ان دونوں عنصروں سے مرکب ہے، ان کا انفصال ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

عمل کا نتیجہ دنیا میں بھی نکلے گا اور آخرت میں بھی:......جب میرا ذہن اس آیت کی طرف گیا تو معانی اور مضامین کا ایک عالم سامنے آگیا کہ ''لا اضیع'' کی وسعت اور اس کی بے پایانی دیکھئے کہ اس نے یہاں پر ''لااضیع عمل عامل منکم'' فرمایا ہے اور عربی کے لفظ ''اضاعت'' کا استعمال ہوا ہے، یعنی اس کی کوشش کا نتیجہ یہاں دنیا میں بھی ظاہر ہوگا اور آخرت میں بھی ہوگا، یہ آیت دنیا اور آخرت دونوں پر حاوی ہے، آیت یہ نہیں کہتی کہ عورتیں عبادت کرکے دنیا میں کوئی نتیجہ نہ پائیں گی، محنت کریں علم کے لئے اور علم حاصل نہیں ہوگا، محنت کریں تربیت میں اور اس کا نتیجہ حاصل نہیں ہوگا، محنت کریں زندگی کو پر لطف، بامعنی اور بارونق بنانے میں اور اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلے اور سارا اجر آخرت کے لئے اٹھا رکھا جائے، بلکہ فرمایا: جس میدان میں تم دونوں محنت کرو گے، اس میں اپنی کوششوں کا نتیجہ دیکھو گے۔

عورتیں ولایت کے میدان میں بھی پیچھے نہیں:......اس کا پورا امکان تھا کہ ولایت کے میدان پر پوری اجارہ داری مردوں کی ہوتی، اس لئے کہ ولایت اور قبولیت عنداللہ کا یہ میدان بڑی خصوصیات کا طالب ہے اور اس کو مردوں سے کچھ مناسبت ہے، مجاہدہ اور جہاد کرنا رات رات بھر نمازیں پڑھنا روزے رکھنا، یہ مردوں کے لئے آسان ہے۔ عورتوں کی بہت سی صنفی خصوصیات ہیں، بہت سی خانگی ذمہ داریاں ہیں، تربیت وپرورش اولاد، کسی کو بچہ کو اپنے ساتھ سلانا ہے اور بچہ میٹھی نیند سو رہا ہے، بچہ کی بیماری میں تیمار داری کرنی ہے، اس کے لئے اتنی عبادت ممکن کہاں ہے، جتنی مرد کے لئے، وہ مسجد سے آیا اور سو گیا، یا مسجد میں جاکر سو گیا، رات بھر عبادت کرے، ولایت کے سلسلے میں بالکل امکان تھا کہ ہم اولیاء اللہ سے واقف ہوتے اور ایک عورت کا نام بھی نہ سنا ہوتا، سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی قبولیت عام اور ان کی مقبولیت عنداللہ اور مقبولیت عندالخلق اور ان کی ولایت کا جو شہرہ دنیا میں ہے (جب کہ پچھلی امتوں میں کسی ولی تک کا نام محفوظ نہیں ہے) اور سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کو سو درجہ کی شہرت حاصل ہے، تو میں عرض کروں گا اور اس میں گستاخی نہیں سمجھتا کہ پچاس درجہ کی شہرت رابعہ بصریؒ کو بھی حاصل ہے۔ آپ کسی مقام پر چلے جایئے، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو بچہ بچہ جانتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا کے کونے کونے میں جاکر دیکھا ہے، جہاں چار مسلمان رہتے ہیں، وہاں سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کا نام کسی نہ کسی طریقہ سے خواہ اس پر شریعت کی رو سے کوئی پابندی عائد کی جائے اور اس پر کلام کیا جائے، مگر مختلف ناموں سے ان کو دنیا میں یاد کیا جاتا ہے، میں کہتا ہوں کہ دوسرے نمبر پر رابعہ بصریؒ کا بھی یہی حال ہے اور ہر پڑھا لکھا آدمی کم از کم رابعہ بصریؒ سے تو ضرور واقف ہے، یہ بات عبادت وریاضت کی ہے۔

علم کا میدان عورتوں کے کارناموں سے درخشاں ہے:......علم کے سلسلے میں مجھے افسوس ہے کہ فضلائے امت کی تو سینکڑوں تاریخیں ہیں، مگر فاضلات کی تاریخ بہت کم لکھی گئی ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے مورخین کو، سوانح نگاروں کو، جیسے ابن خلکان، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، طبقات حنابلہ وغیرہ، انہوں نے عورتوں کو بالکل نظر انداز نہیں کیا، بلکہ ادبی تاریخوں میں ان کے نام آتے ہیں، صرف یہی ایک مثال دیتا ہوں، شاید بہت سے لوگوں کے لئے انکشاف ہو، یعنی خواتین کی علمی کوششوں، علمی جدوجہد، علمی ذوق وشوق اور شغف کی کامیابی کی ایک ایسی روشن مثال ہے، جس سے آدمی پر ایک تحیر قائم ہوجاتا ہے، آپ سے پوچھوں کہ قرآن مجید کے بعد اسلام کے پورے کتب خانہ اور اس پورے علمی ذخیرہ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں اس امت کو عطا ہوا ہے، اس کی بنیاد ''علم بالقلم'' کی وحی

سے پڑی ہے، اس کے قلم کی حرکت سے جو دنیا میں بے نظیر کتب خانہ تیار ہوا، اس میں کتاب اللہ کے بعد کس کا درجہ ہے، تو صحیح جواب ہوگا کہ صحیح بخاری کا درجہ ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ صحیح بخاری ہندوستان میں ہر مدرسے کے لئے معیار فضیلت ہے، اس کو علماء نے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا ہے، اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتاب بخاری ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے متعلق ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں لکھا ہے:

''من کان یھون شانہ فھو مبتدع متبع غیر سبیل المؤمنین '' جو انسان ان دونوں کتابوں کی تحقیر کرے اور دونوں کے ساتھ خفاف کا معاملہ کرے، ان کے لئے تنقیص کا کوئی لفظ استعمال کرے، یا اس کی اہمیت گھٹائے، وہ مبتدع اور غیر سبیل المومنین ہے اور اس نے مومنین کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔

فن حدیث میں عورتوں کا درجہ:...... آج ہمارے مدارس میں بخاری شریف پڑھائی جاتی ہے اور پڑھائی جائے گی، آپ کے علم میں ہے کہ وہ بخاری شریف کس کی اہمیت سے ہے، وہ کریمہ کی روایت ہے، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ نے جو بخاری شریف پڑھی اور پڑھائی اور شیخ حسین بن محسن انصاری نے بھوپال میں جو درس دیا اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ جو بخاری شریف پڑھاتے رہے، وہ کریمہ کی روایت ہے، ایسی مثال کوئی امت پیش کر سکتی ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جیسے امام بخاریؒ کے تلامذہ کی کوشش کو بار آور کیا اور آج دنیا میں ان کا نام باقی ہے، ویسے ہی ان کی تلمیذات کی کوششوں کو کچھ زیادہ ہی بار آور کیا اور یہ چیز ہمارے اسلامی معاشرہ میں آخر تک باقی رہی۔

بھوپال سومناتھ یا سلطنت مومنات:...... کسی نے حضرت لطف اللہؒ پر الزام لگایا کہ آپ بھوپال کو سومناتھ کہتے ہیں، آپ نے فرمایا: میں نہیں کہتا ہوں، میں سلطنت مومنات کہتا ہوں، اس سلطنت مومنات میں، جس کے تحت سلطنت پر نواب سکندر جہاں بیگم اور نواب شاہ جہاں بیگم جیسی فاضلہ رونق افروز ہوئیں، ایک زمانے میں وہاں کے مفتی اعظم مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب تھے (جو مولانا عبدالحیٔ بڑھانوی حضرت سید احمد شہید کے پہلے خلیفہ اعظم کے صاحبزادے تھے) مولانا مفتی عبدالقیوم صاحبؒ کا حال بھوپال کے لوگوں نے بیان کیا اور میرے استاذ مولانا حیدر حسن خاں صاحب بیان کرتے تھے کہ ان کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا اور اس میں کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے اور اس فکر میں پڑ جاتے کہ اس مسئلے میں شرعی حکم کیا ہے تو کہتے، ابھی آتا ہوں اور گھر میں جا کر اپنی اہلیہ سے جو حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ کی صاحبزادی تھیں، پوچھتے، کیا آپ نے اپنے والد صاحب سے کوئی روایت سنی ہے یا اس مسئلے میں آپ کے علم میں کوئی بات ہے اور آ کر فیصلہ کرتے اور بعض اوقات تو بلا تکلف کہہ دیتے ہیں، ذرا بیوی صاحبہ سے پوچھ آؤں، کوئی مثال ہے اس کی دنیا میں؟ آج مغرب کے کتنے بڑے دعوے ہیں اور ان کی کیا حقیقت ہے؟

فن ادب میں عورتوں کا درجہ:...... آپ ادب کے میدان کو لیجئے، ہمارے یہاں ادبیات تک کا حال یہ ہے کہ ولادہ بنت المستکفی جو اسپین کے امراء میں ایک کی صاحبزادی تھیں، ان کا نام اب تک روشن ہے، ان کا ادبی وشعری دربار ایسا منعقد ہوتا تھا کہ بڑے بڑے ادباء ان کے پاس استفادہ کے لئے آتے تھے، کہاں تک مثالیں دی جائیں، تاریخ کا تو میں طالب علم ہوں، میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، میں تو قرآن مجید کے اس اعجاز کا لطف اٹھانا چاہتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''لا اضیع عمل عامل منکم '' کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔

جہاد میں عورتوں کی خدمات:...... عورتوں کی شجاعت اور ہمت کی ایک مثال دینا چاہتا ہوں، آپ سب نے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

کا نام سنا ہوگا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام جو صحابی جلیل ہیں اور عشرہ مبشرہ میں ہیں، ان دس خوش قسمت افراد میں ہیں، جن کا نام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی، ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بڑے عالم، بڑے فقیہ اور بڑے بہادر تھے، انہوں نے عبدلملک بن مروان کا مقابلہ کیا، اس کی حکومت نہج نبوت سے ہٹ گئی تھی تو آپ نے کوشش کی کہ اس کو منہاج نبوت پر لے آئیں اور ان کا عبدالملک بن مروان کے گورنر حجاج بن یوسف ثقفی سے سخت مقابلہ ہوا اور وہ شہید ہوئے، اس نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو پھانسی پر لٹکا دیا اور کہا کہ جب تک ان کی ماں سفارش نہیں کریں گی، انہیں نہیں اتاروں گا، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ابی بکر رضی اللہ عنہ ذات النطاقین خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کی صاحبزادی ہیں، لوگوں سے یہ منظر دیکھا نہیں جاتا تھا، آنکھوں میں آنسو آ جاتے تو کیا معنی، لوگ تڑپ تڑپ کر روتے تھے، مجبور ہو کر ان کی والدہ صاحبہ کے پاس آئے اور کہا، خدا کے لئے ہم پر رحم کھایئے، آپ کی ہمت میں تو کوئی فرق نہیں، کوئی فقرہ تو ایسا کہہ دیجئے، جس سے ہم یہ منظر دیکھنے سے محفوظ ہو جائیں، تو آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اس شیرنی نے اللہ کی اس بندی نے کیا فقرہ کہا: ''الم یان لھذا الفارس أن یترجل '' کیا اس شہسوار کے لئے ابھی وقت نہیں آیا ہے کہ وہ پیدل ہو جائے۔

کن لفظوں میں کہا، اس وقت بھی ان کی بہادری اور شجاعت کہ کیا ابھی اس شہسوار کے لئے وقت نہیں آیا ہے کہ گھوڑے سے اترے، حجاج بھی انتظار میں تھا، اس کو بھی لعنت پڑ رہی تھی اور اس نے اس کو بہانہ بنا لیا اور اتارنے کا حکم دیا۔

حضرت خنساءؓ کا صبر و استقامت:...... آپ نے حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کا نام سنا ہوگا، وہ عربی زبان کی لازوال اور غیر فانی شاعرات میں سے ہیں، ان کے دو بھائیوں کا انتقال ہو گیا تھا، ان کے لئے ایسے دلدوز مرثیے کہے کہ ان مرثیوں کی نظیر عربی مراثی ہی میں نہیں بلکہ عالمی مراثی کے ذخیرہ میں ملنا مشکل ہے، میں عربی ادب کا طالب علم ہوں، اس کو پڑھا ہے، یاد کیا ہے، ان کا یہ واقعہ اسلام سے پہلے کا ہے، حضرت خنساء رضی اللہ عنہا جب اسلام لے آئیں، تو دیکھئے اسلام نے نفسیات میں کیا انقلاب کر دیا کہ اللہ کی اس بندی نے اپنے بھائیوں پر رونا شعار بنا لیا تھا اور ایسے ایسے مرثیے کہے تھے کہ سننے والا رونے لگتا تھا اور ان کی شاعری اسی پر مرکوز ہو گئی تھی، لیکن بہر حال بھائی اور بیٹے میں فرق ہوتا ہے، بیٹا جگر کا ٹکڑا ہوتا ہے، ہزار بھائی سے محبت، لیکن بیٹا تو جسم کا ایک جزو ہوتا ہے، ایک غزوہ کے موقع پر اپنے بیٹوں کو بلایا اور ایک ایک کو رخصت کیا اور کہا: بیٹا پیٹھ نہ دکھانا، میں نے اسی دن کے لئے تم کو دودھ پلایا تھا، اس کے بعد ایک ایک کی شہادت کی خبر سنتی رہیں اور جب آخری بیٹے کی شہادت کی خبر سنی تو ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: ''الحمدللہ الذی اکرمنی بشھادتھم '' اے خدا! تیرا شکر ہے کہ تو نے ان کی شہادت سے مجھے سرفراز فرمایا اور اس سے عزت بخشی۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور بندیوں کا الگ الگ ذکر کرتا ہے:...... جس وقت قرآن مجید کی تلاوت ہو رہی تھی، میرا ذہن ایک دم سے ایک عجیب وغریب نکتہ کی طرف گیا، مجھے ایک سرور کی کیفیت حاصل ہوئی، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں اور بندیوں کا الگ الگ ذکر کر رہا ہے، ہم جیسے ٹوٹی عربی جاننے والے اس کو دو جملوں میں ادا کر سکتے ہیں کہ مرد اور عورت سب شریک ہیں، اس نے دس صفات کا ذکر کیا ہے، لیکن ہر مرتبہ وہ الگ الگ ضمیر میں لاتا ہے اور ایک ایک صفت کا ذکر کرتا ہے، اللہ کو اپنی بندیوں سے کتنی محبت ہے: ''ان المسلمین والمسلمات والمومنین والمومنات والقانتین والقانتات والصادقین والصادقات والصابرین والصابرات

والخاشعين والخاشعات والمتصدقين والمتصدقات والصائمين والصائمات والحافظين فروجهم والحافظات والذاكرين الله كثيراً والذكرات "

(سورۃ احزاب رکوع ۵)

اگر خدا کا معاملہ نہ ہوتا تو میں کہتا کہ اللہ کو بڑا مزہ آرہا تھا، ہرایک کا الگ الگ ذکر کیا، کسی باپ سے پوچھئے، جس کے چار یا سات بیٹے ہوں، اس کا جی چاہے گا، ہرایک کا نام لے کر وہ بتائے اور ہر بار اس کو لطف آئے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بہت عالی ہے، انسانی خصوصیات اس کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتیں، لیکن اس کو انسانی ادب و انشاء کے لحاظ سے دوسرے طریقے سے بھی ادا کیا جاسکتا تھا، لیکن ایک ایک کو الگ بیان کیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اسلام اور ایمان میں تو مرد اور عورت شریک ہوسکتے ہیں، قانتات یعنی فرمانبرداری میں بھی ممکن ہے، لیکن صادقین اور صادقات میں تو مشکل ہے، اس میں عورتیں جھوٹ بول دیتی ہیں، کچھ اپنی کمزوری چھپانے کے لئے، اپنے کھانے کی خرابی چھپانے کے لئے، کبھی اپنے بچے کی بری عادت پر پردہ ڈالنے کے لئے، کبھی سوجانے کی کمزوری پر اور عورتیں مردوں کی سچائی کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہیں، یہ تو مردانہ کام ہے، بہادری کا کام ہے۔" والصادقین والصادقات " یہ تو ٹھیک ہے، لیکن الصابرین والصابرات وہ صبر کہاں کرسکتی ہیں، ہمیشہ یہی دیکھا گیا ہے، سب سے پہلے ان پر صدمہ کا اثر پڑتا ہے، سب سے پہلے ان ہی کی زبان سے فریاد نکلتی ہے، بعض وقت ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، بعض وقت تو اولاد کا غم، اللہ محفوظ رکھے، یا عزیزوں کا غم، سب سے پہلے عورت پر پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فطرت انسانی سے واقف تھا، اللہ تعالیٰ دلوں کے چور سے واقف تھا کہ ہم بہنوں سے بدگمانی کریں گے۔" الصابرین و الصابرات " جی نہیں، صبر کے میدان میں عورتیں کسی حال میں مردوں سے پیچھے نہیں ہیں۔" والخاشعین والخاشعات " اب آیا معاملہ مال کا، عورتیں مرد کا مقابلہ نہیں کرسکتیں، حاتم کا نام تو سنا ہوگا، لیکن حاتمہ کا نام نہیں سنا ہوگا، اس لئے صدقہ میں عورتیں کیا دیں گی، وہ تو جمع کرنے والی ہیں، وہ بڑی گھر عورتیں ہیں، بہت گرہست عورت ہے، یعنی بچا بچا کر رکھنے والی، اس پر فرمایا:" والمتصدقین والمتصدقات " اچھا صاحب روزہ بڑا مشکل معاملہ ہے۔" والصائمین والصائمات والحافظین فروجهم والحافظات والذاكرين الله كثيراً والذاكرات اعدالله لهم مغفرة واجراً عظيماً "

اعمال کی یہ طویل فہرست اس لئے بیان کی، تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس طرح اپنے بندوں پر شفقت کرتا ہے، اسی طرح اپنی بندیوں پر شفقت کرتا ہے، اس کی صفت ربوبیت اور اس کی صفت رحمت مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے عام اور ان پر سایہ فگن ہے۔

عورتیں فضائل انسانی میں مردوں کے پیچھے نہیں: ......ان آیتوں سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ بیبیاں اور شریف بیٹیاں اور خواتین سمجھیں کہ فضائل انسانی اور مکارم اخلاق اور فضائل اعمال میں وہ مردوں سے پیچھے نہیں ہیں اور ان کو مردوں کے برابر اجر و انعام ملے گا، الحمدللہ قرآن مجید کے حفظ کا تو رواج بہت رہا ہے، میرے علم میں ایک ایک گھر میں دو دو چار چار بیبیاں حافظ رہی ہیں اور میرے عزیزوں میں والد بھی حافظ اور والدہ بھی حافظ اور مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میری والدہ بھی حافظ تھیں، اس کے علاوہ قرآن وحدیث سے بھی واقفیت تھی اور اس زمانے میں بزرگوں نے یہ نصاب بنایا تھا، اگرچہ وہ اردو میں تھا، مگر بڑا جامع اور نافع تھا، یہ بہشتی زیور جو اردو میں ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ بہت کم کتابوں کو اتنی مقبولیت ملی، بہشتی زیور خود ایک بڑا اور مکمل کتب خانہ ہے اور ہزاروں اور لاکھوں انسانوں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہوگا، اس کے علاوہ طب انسانی کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔



نمونۂ سلف حضرت مولانا انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ: ......اس قدیم قبرستان سے ہٹ کر کچھ فاصلے پر عیدگاہ کے قریب ذہبی عصر، حافظ حدیث، نمونۂ سلف استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب قدس سرہٗ سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کا مرکز ہے۔

یہ یگانۂ روزگار ہستی اس زمانے میں زمانۂ سلف کے حفاظِ حدیث کی یادگار تھی، علوم قرآن وسنت اور اس کے تمام متعلقہ فنونِ عقلیہ اور نقلیہ میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، چہرۂ مبارک دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، میں اس پر جتنا شکر ادا کروں کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپؒ کے درس کی حاضری اور تلمذ کا شرف عطا فرمایا، صحیح بخاری اور جامع ترمذی آپؒ سے پڑھی، اس کے علاوہ فلسفۂ جدیدہ کی ایک کتاب اور دروس البلاغۃ آپؒ سے پڑھی اور فنِ طب کی مشہور کتاب "نفیسی" بھی، یہ سب کتابیں آپؒ کے زیر درس نہ تھیں، مگر ہم چند طلباء کی خاطر خصوصی درس ان کتابوں کا قبول فرمالیا تھا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے سالہا سال آپؒ کی خدمت وصحبت سے استفادہ کا موقع عطا فرمایا۔

اہل علم کے لئے آپؒ کی ذات محتاج تعارف نہیں، آپؒ کی مفصل سوانح حیات عربی زبان میں بنام "نفحة العنبر" اور اردو میں بنام "حیات انور" شائع ہوچکی ہیں، ان سے کسی قدر آپؒ کے بے نظیر علمی کارناموں کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ: ......ان دونوں قبرستانوں کے قریب ہی ایک جداگانہ قبرستان عارف باللہ حضرت حاجی عابد حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، یہاں بھی حاضر ہوا۔ موصوف اپنے ظاہری وباطنی کمالات کی وجہ سے اس قرن کے مشاہیر اولیاء میں سے ہیں، میں نے بچپن میں آپؒ کی زیارت کی، لباس صاف ستھرا، مگر بہت سادہ ہوتا تھا، ہمیشہ تہبند استعمال فرماتے تھے، ساتھ ہی چادر اوڑھنے کا معمول تھا، اسی مسنون وضع میں پوری عمر گزار دی۔ دیوبند میں علم دین کے لئے مدرسہ قائم کرنے کا ابتدائی تصور بھی آپؒ سے شروع ہوا اور اس کام کے لئے سب سے پہلا چندہ بھی آپؒ ہی نے عطا فرمایا، آپؒ ہی کے اخلاص کا نتیجہ تھا کہ اس مدرسہ نے نانوتہ سے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور جامع کمالات حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اور دہلی سے معقولات کے امام حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو کھینچ بلایا، اس طرح تھوڑے ہی عرصے میں اس ابتدائی مکتب نے ایک دارالعلوم کی صورت اختیار کرلی۔

میاں صاحبؒ (حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ): ......میرے جو استاذ دنیا سے رخصت ہوچکے، ان میں سے اکثر کے مزارات دیوبند ہی میں ہیں، بجز عارف باللہ حضرت الاستاذ مولانا سید اصغر

حسین صاحبؒ (محدث دارالعلوم) کے، ان کی وفات راندیر ضلع سورت میں ہوئی، وہیں آپؒ کا مزار مبارک ہے۔ ارادہ کیا کہ ان کے مکان ہی کی زیارت سے تسلی حاصل کروں، اتفاقاً موصوف کے دونوں صاحبزادے مولانا اختر حسین صاحب مدرس دارالعلوم اور حاجی بلال حسین صاحب خود ہی تشریف لے آئے، کھانے پر دعوت دی، حاضر ہوا، استاذ مرحوم کے مکان پر پہنچ کر ان کی خدمت میں گزرے ہوئے زمانے اور ان کے ارشادات و افادات کی تصویر نظروں میں پھرنے لگی۔ مولانا موصوف کے کمالاتِ علمی و عملی ظاہری و باطنی کا ایک البیلا رنگ تھا، علوم قرآن وسنت کے بہت بڑے ماہر اور جملہ علوم وفنون کے کامل محقق، مگر بہت قلیل الکلام، حدیث کے درس میں نہایت مختصر، مگر جامع تقریر ایسی ہوتی تھی کہ حدیث کا مفہوم دل میں اتر جائے اور شبہات خود بخود کافور ہو جائیں، خلوت گزینی اور زہد و عبادت آپ کا مشغلہ تھا، صاحب کشف و کرامات تھے، ان کے کشف صحیح کے بہت سے واقعات اپنے بھی سامنے آتے رہتے تھے۔

حضرت میاں صاحبؒ کے چند کلمات مفیدہ:...... آپؒ کے مسکونہ مکان پر پہنچ کر مکان کا پرانا قصہ یاد آیا کہ آپؒ کا زنانہ مکان اور نشست گاہ دونوں خام مٹی کی بنی ہوئی تھیں، ہر سال برسات کے موقع پر اس کو لپائی بتائی ناگزیر تھی، جس میں کافی پیسے اور وقت خرچ ہوتا تھا، ایک مرتبہ میں نے کہا کہ حضرت! جتنا خرچ سالانہ اس کی لپائی پر کرتے ہیں، اگر ایک مرتبہ پختہ اینٹوں سے بنانے میں خرچ کرلیں تو دو تین سال میں یہ خرچ برابر ہوجائے اور ہمیشہ کے لئے اس محنت سے نجات ہو۔ فرمایا: ماشاء اللہ! بات تو بہت عقل کی کہی، ہم بوڑھے ہوگئے ادھر دھیان نہ آیا، یہ فرما کر پھر جو اصل حقیقت تھی، وہ بتلائی کہ میرے پڑوس میں غریبوں کے کچے مکان ہیں، میں اگر اپنا مکان پکا بنالوں تو غریب پڑوسیوں کو حسرت ہوگی اور اتنی وسعت نہیں کہ سب کے مکان پکے بنواؤں، اس وقت معلوم ہوا کہ یہ حضرات جو کچھ سوچتے ہیں، وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس وقت تک اپنے مکان کو پختہ نہیں کیا، جب تک پڑوسیوں کے مکان پکے نہیں بن گئے۔ حضرت ممدوح کی نشست و برخاست اور عام گفتگو نصیحت، وعبرت سے خالی نہیں ہوتی تھی، ایک مرتبہ میں اپنے معمول کے مطابق بعد المغرب حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ گفتگو عربی میں کریں گے، ہمیشہ کی عادت کے خلاف نئی بات سن کر حیرت ہوئی تو فرمایا کہ بات یہ ہے کہ عربی زبان میں بے ساختہ کلام نہ تم سے ہوسکے گا، نہ مجھ سے، اس لئے صرف ضروری ضروری باتیں ہی ہوں گی، فضول کلام سے بچ جائیں گے۔ پھر فرمایا کہ ہماری مثال اس شخص کی سی ہے جس کے پاس ایک بڑا تھیلا گنیوں کا بھرا ہوا تھا، وہ بے دریغ خرچ کرتا رہا، یہاں تک کہ اب اس میں گنی چنی گنیاں رہ گئیں تو وہ بڑے احتیاط سے سوچ سوچ کر خرچ کرتا ہے۔ ہماری عمر کے لمحات کچھ گنیوں سے کم قیمت نہ تھے، جن کو ہم نے بے دریغ خرچ کر کے ختم کے قریب پہنچا دیا ہے، اب ان لمحات عمر کی قدر کر کے خرچ کرنا چاہئے۔ ایک عجیب وغریب مقدس بزرگ اور عالم تھے، جن کی کسی صفت کو بھی صفحہ، قرطاس پر نہیں لایا جاسکتا۔

بستی کے اکابر واحباب کی زیارت:...... اس وقت چونکہ میرے اساتذہ واکابر کی تعداد قبرستانوں ہی میں رونق افروز ہے، اس لئے ملاقات اور واقعات کی تحریر میں وہ ہی آگے آگئے، دیوبند جو جسمانی اور روحانی دونوں اعتبار سے میرے اکابر اور بزرگوں کی جگہ تھی، اس حاضری کے وقت یہ دیکھ کر بڑی حسرت ہوئی کہ صرف تیرہ سال میں یہ میدان صاف ہوگیا۔ آج دارالعلوم میں میرے صرف ایک استاذ محترم حضرت العلامہ مولانا ابراہیم صاحب اکابر میں سے موجود ہیں اور خاندان کے بڑوں میں صرف ایک دو بڑے بھائی، تھوڑے سے ہم عصروں کے علاوہ

باقی سب تعلیمی اعتبار سے اور عمر کی حیثیت سے چھوٹے ہی چھوٹے ہیں، گو علم وفضل اور دین ودیانت میں مجھ سے بڑے ہوں، بزرگوں کا مقولہ سامنے آگیا: "کبرنی موت الکبراء" یعنی بڑوں کی موت نے مجھے بڑا بنادیا۔ مدت مدید کے بعد دیوبند کی اس حاضری میں اساتذہ و اکابر کے مکانات پر حاضری اور ان کے صاحبزادوں اور متعلقین سے نیز گنے چنے بقیہ ہم عصرو احباب سے ملاقات بھی اس سفر کا ایک اہم مقصد تھا، ان سبھی حضرات نے کرم فرمایا، ایک ناکارہ کے پاس خود تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائی اور ہر جگہ دعوت طعام کے ناقابل رد تقاضوں نے یہ صورت اختیار کرلی کہ کہیں کھانا، کہیں ناشتہ، کہیں چائے تقسیم کرنے کے باوجود سب حضرات کی تعمیل حکم سے قاصر رہا۔ استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ کے دولت کدہ واقع محلہ خانقاہ میں حاضر ہو کر اہلیہ محترمہ کی دعاؤں اور صاحبزادگان مولانا محمد ازہر شاہ و مولانا انظر شاہ صاحب کی ملاقات کی سعادت حاصل کی۔

مولانا حکیم سید محفوظ علی صاحب:...... ان کے مکان کے ساتھ میرے نہایت کرم فرما دوست ہم سبق اور رفیق خاص مولانا حکیم محفوظ علی صاحب کا مکان ہے، ان کی ملاقات نے زمانۂ طالب علمی کی بے غم، بے فکر زندگی کا بھولا ہوا خواب یاد دلادیا، حکیم صاحب موصوف دیوبند کے مایۂ ناز مشہور طبیب حاذق ہیں، آپ کے بہت سے شاگرد ماشاء اللہ نہایت کامیاب طبیب مانے گئے، آپ نے ہمیشہ مطب کے ساتھ تعلیم طب کا سلسلہ محض افادۂ خلق کے لئے جاری رکھا ہے، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دولت خانے پر ان کی وفات کے بعد پہلی مرتبہ حاضری ہوئی، اگرچہ صاحبزادہ مولانا اسعد صاحب وعزیز مولوی ارشد صاحب کی وجہ سے یہ مکان آباد اور طلباء کے اجتماع کی وجہ سے پُر رونق تھا، مگر مولانا ممدوح کی جگہ ایسی نہیں جس کی کوئی پُر کرسکے، اس لئے یہ دربار بھی ایک حسرت کدہ محسوس ہوتا رہا، استاذ محترم حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ قاری حامد میاں صاحب کے مکان پر حاضری ہوئی، یہ وہ کچا مکان ہے جس میں استاذ محترم نے چالیس سال سے زیادہ اپنی عمر عزیز کی مدت گزاری اور علوم دین کی خدمت انجام دی۔

دارالعلوم دیوبند میں حاضری:...... میں نے ابتدائے تحریر میں ظاہر کیا تھا کہ میرا اصلی وطن قصبہ دیوبند نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند تھا، کیونکہ بچپن سے بڑھاپے تک عمر کے اوقات عزیز اسی کے احاطے میں گزرے، بستی کے لوگ بلکہ بہت سے دور کے عزیز مجھے پہچانتے بھی نہ تھے، آج دیوبند کی حاضری میں اکابر مرحومین کے بعد جو چیز میرے لئے سب سے زیادہ کشش کی تھی، وہ دارالعلوم اور اس کے اساتذہ بالخصوص استاذ مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم جو علوم قرآن وحدیث میں حضرت شیخ الہندؒ کے اور معقولات میں مولانا فاروق احمد چڑیا کوٹی ومولانا ہدایت اللہ صاحب تلمیذ خاص مولانا فضل حق خیر آبادی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، اس زمانے کے بے نظیر عالم محقق ہیں جن کے ہزاروں تلامذہ آج مدارس عربیہ کے استاذ ہیں۔ اکابر کی ذرہ نوازی دیکھئے کہ استاذ موصوف اور ان کے ساتھ بہت سے اساتذہ تلامذۂ دارالعلوم تو میری خبر سنتے ہی میرے قیام گاہ پر خود تشریف لے آئے، ان کی زیارت وملاقات کی سعادت گھر بیٹھے حاصل کی، مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند دامت فضائلہ، گو نسبی نسبت اور ذاتی کمالات کی وجہ سے میرے مخدوم ہیں، لیکن بچپن سے ساتھ کھیلنے اور عمر ساتھ رہنے اور سفر وحضر کی رفاقتوں نے ایک عزیز دوست بنا رکھا تھا، وہ اس وقت سفر میں تھے، دو تین روز کے بعد آخر شب میں دیوبند واپس آئے، تو صبح ہی میری قیام گاہ پر تشریف لائے۔

علماء وطلباء کی مجلسیں:...... حسن اتفاق سے انہیں

دونوں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ ہو رہی تھی، جس کے ممبران اکثر میرے، ہم سبق اور ہم عصر تھے، ان میں سے بھی بہت سے حضرات نے خود ملاقات کے لئے تکلیف فرمائی اور پھر حضرت مہتمم صاحب نے ایک وقت کھانے پر ان سب حضرات کے ساتھ مجتمع ہونے کا مجھے موقع عنایت فرمایا، جس میں ایسے ایسے حضرات سے میری ملاقات ہوگئی جس کا اب اس دنیا میں بظاہر اسباب کوئی امکان نہ تھا، دارالعلوم میں داخل ہوکر یہ بھی ایک اعجوبہ روزگار تھا کہ مجھے دارالعلوم دکھانے کے لئے حضرت مہتمم صاحب کی پیشوائی ضروری ہوئی، کیونکہ نئی تعمیرات نے تیرہ سال پہلے کے نقشے کو بہت کچھ بدل ڈالا تھا، دارالعلوم کے قدیم وجدید احاطوں میں شوق ورغبت اور حسرت وغم کے متضاد جذبات دل میں لئے ہوئے دو گھنٹے تک پھرتا رہا، ایک موقع پر بے ساختہ یہ شعر زبان پر آگیا۔

امام الخیام فانھا کخیامھم
واری رجال الحی غیر رجالھا

حضرت مہتمم صاحب کی معیت میں نئے مصری استاذ سے ملاقات ہوئی، جو طلباء کو خاص انداز میں عربی زبان سکھانے کی خدمت انجام دیتے ہیں، علمی قابلیت کے ساتھ خشیت اللہ کے آثار دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی۔

دارالافتاء اور اس کے آثار باقیہ:...... نیز آپ کے ساتھ ہی دارالافتاء کی جدید عمارت میں حاضری کا موقع ملا، صدر مفتی حضرت مولانا مہدی حسن صاحب اور نائب مفتی مولانا قاضی مسعود صاحب و مولانا محمد جمیل صاحب اور عملہ کے دوسرے حضرات سے ملاقات ہوئی، مولانا مفتی مہدی حسن صاحب مدظلہ سے نیاز قدیم زمانے سے حاصل ہے جبکہ آپ سورت میں قیام فرماتے تھے اور مولانا قاضی مسعود صاحب تو گویا دارالعلوم کے دارالافتاء کے عمود ہیں، میرے زمانے سے بھی پہلے سے مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے بعد ہی سے انہوں نے خدمت فتوئ دارالعلوم میں شروع کی تھی، اب تک بدستور خدمت میں مصروف ہیں، دارالعلوم کا دارالافتاء پورے ملک کا ایک اہم دینی مرکز ہے، جس کی طرف علمی مسائل حل کرنے کے لئے ابنائے اسلام کے ہر گوشے کا رجوع ہے، اس میں ابتدائے دارالعلوم سے آج تک جس قدر فتاوئ مختلف زمانوں میں متعدد مفتیوں نے لکھے ہیں، وہ سب کے سب ضخیم جلدوں میں محفوظ ہیں، جو ایک عظیم الشان ذخیرہ ہے، صرف میرے زمانے کے لکھے ہوئے رجسٹروں کی تیرہ ضخیم جلدیں ہیں، جن میں سے صرف ایک رجسٹر کے فتاوئ مطبوعہ فتاوئ دارالعلوم دیوبند میں بنام امداد المفتین آٹھ جلدوں میں شائع ہوا ہے، جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ کس قدر عظیم الشان علمی ذخیرہ ہے، کاش! اس کی اشاعت پوری ہوجائے تو اس زمانے کا فتاوئ عالمگیر ثابت ہو۔

کتب خانہ:...... دارالعلوم کا کتب خانہ بھی اہل علم کے لئے ایک عجیب باغ وبہار ہے، ملک کے ممتاز کتب خانوں میں سے ہے، مجھے اپنے زمانہ طالب علمی سے ہی کتب خانہ کے ساتھ شغف تھا، پھر تعلیم اور فتوئ کے زمانے میں تو یہ نوبت آئی کہ کسی علم وفن کی شاید ہی کوئی کتاب ہو، جس کو کم وبیش مطالعہ نہ کیا ہو، ذرا فرصت ملتی تو کتب خانے میں پہنچتا تھا، آج بھی یہ کشش اس طرح لے گئی، حسن اتفاق سے کتب خانے کے عملے میں اس وقت تک کوئی اہم تبدیلی نہ تھی، مولوی سلطان الحق صاحب جو میرے زمانے ہی سے ناظم کتب خانہ ہیں، اس وقت تک مصروف خدمت ہیں، آپ نے دارالعلوم کے جدید اضافوں اور نئے آئے ہوئے کتب خانوں کی اجمالی سیر کرائی، خصوصاً قلمی کتب پر قدرے تفصیلی نظر ڈالی، یہ جگہ میری دلچسپی کے لئے ایسی تھی کہ مہینوں کا قیام بھی اس کے لئے کم تھا، اس وقت اس کی اجمالی زیارت بھی بڑی نعمت معلوم ہوئی۔

دارالعلوم میں ایک درس حدیث:...... دارالعلوم کے موجودہ طلباء کی ان دیکھی محبت سے حیرت ہوگئی کہ وہ

ہر جگہ بڑی محبت سے ملتے اور جوق جوق میری قیام گاہ مولانا ظہور احمد صاحب کے مکان پر آتے تھے، مجمع کی کثرت دیکھ کر میں نے یہ معمول بنالیا کہ عصر کی نماز پڑھ کر اپنے محلے کی مسجد ہی میں بیٹھ جاتا، طلباء کی خاصی تعداد اور ان کے ساتھ بہت سے اساتذہ بھی روزانہ عصر سے مغرب تک یہاں رہتے، ایک پرلطف علمی مجلس مذاکرہ ہوجاتی تھی۔ طلباء کی اس مجلس نے عہد ماضی کی علمی مجلسوں کی یاد تازہ کردی، اب طلباء کا یہ اصرار شروع ہوا کہ دارالعلوم میں ایک جلسے کی صورت میں کوئی تقریر ہو، میرا یہ عذر کہ میں یہاں کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں اور جو کچھ لکھا پڑھا تھا، وہ بھی بڑھاپے کی نذر ہوچکا ہے، میں علماء وطلباء کے مجمع میں کیا کہوں؟ بالآخر اصرار اور انکار کی مصالحت اس پر ہوئی کہ مشکوٰۃ شریف کے ایک درس کی صورت میں کچھ معروضات پیش کردوں، اس کا بھی اعلان کرنا مجھے پسند نہ تھا، جمعرات ۶ نومبر کی شب میں دارالحدیث کے وسیع ہال میں یہ درس ہونا قرار پایا، طلباء کی زبانی ہی ایسا معلوم ہوا کہ یہ خبر پورے دارالعلوم میں پھیل گئی، عشاء کے بعد حاضر ہوا تو پورا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، دیوبند میں یہ میری حاضری اگرچہ تیرہویں سال تھی، لیکن دارالعلوم کا درس چھوڑے ہوئے اٹھارواں سال تھا۔ میں نے مشکوٰۃ کی دو حدیثیں ایک بالکل ابتدائی: انما الاعمال بالنیات اور دوسری کتاب الرقاق کی پہلی حدیث: نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحۃ والفراغ پڑھ کر اپنی اصلی برادری طلباء کو خطاب کیا کہ شاید آپ اس انتظار میں ہوں گے کہ میں کسی دقیق علمی بحث کو آپ کے سامنے پیش کروں گا اور میرے نفس کے جذبات بھی اسی طرف چل رہے ہیں، لیکن میں یہ علمی گناہ اسی جگہ پہلے بہت کرچکا ہوں، اب بحمد اللہ اس خودنمائی کے گناہ سے توبہ کرچکا ہوں، چند پھیکے پھیکے کلمات نصیحت عرض کروں گا۔ بلاشبہ علم آپ حضرات کا تازہ اور مجھ سے بہت زیادہ ہے، مگر بال میرے سفید ہیں، دنیا کی تعلیم گاہوں اور علماء وطلباء کا تجربہ مجھے زیادہ ہے، اس تمہید کے ساتھ طلباء کے مناسب حال کچھ نصائح پیش کیں۔

مسلک دیوبند کی حقیقت:...... اور آخر میں یہ عرض کیا کہ آپ حضرت کو ابھی اس نعمت خداوندی کی قدر نہیں ہے کہ اس نے آپ کا تعلیمی رشتہ دارالعلوم سے منسلک کردیا، جب اس بسم اللہ کے گنبد سے آپ باہر نکلیں گے اور کتاب وسنت اور فقہی مسائل ہی کی تعبیر میں آپ کو افراط وتفریط کا ایک بھیانک منظر سامنے آئے گا، اس وقت معلوم ہوگا کہ دیوبند اور اس کا معتدل مسلک کیسی عظیم نعمت ہے، میں بھی طالب علمی کے زمانے میں آپ کی طرح محض اپنے والد مرحوم کے حکم کی تعمیل میں دارالعلوم سے متعلق ہوا، یہاں کے اساتذہ سے اپنے حوصلے کے مطابق علم حاصل کیا اور مسلک دیوبند بھی تقلیداً اختیار کیا، لیکن دنیا کے نشیب وفراز اور سرد وگرم چکھنے، فرقہ وارانہ مباحث سے گزرنے کے بعد اپنی تحقیق سے اس مسلک اعتدال کی خوبیاں مستحضر ہوئی ہیں، وطن کے اعتبار سے تو میں دیوبندی فطرۃ تھا اور مسلک کے اعتبار سے تقلیداً، لیکن طویل غور وفکر، بحث وتمحیص اور تجربہ کے بعد مسلک دیوبند کے اتباع کا محض تقلید سے نہیں بلکہ بصیرت سے پابند ہوں، آخر میں ایک مختصر جملہ اس کے متعلق بھی سن لیجئے کہ دیوبند کوئی جداگانہ مذہب نہیں، بلکہ قرآن وسنت کی صحیح تعبیر وتعمیل کا اور رفض وخروج، اعتزال وظاہریت، تقلید وعدم تقلید، بزرگان سلف کے اتباع وانکار کے مختلف مسلکوں میں سے ایک نہایت معتدل مسلک کا نام دیوبند ہے، جس میں تقلید اور تنقید کو اپنی اپنی حد میں اختیار کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس روح دیوبند کو ہمیشہ دیوبند میں باقی رکھے اور مجھے اور آپ سب کو دیوبند کے سچے اور صحیح خادموں میں محشور فرمائے، آمین......

......(جاری ہے)



چوتھا حصہ

اماں جی

مرحومہ و مغفورہ

مولانا عبدالقیوم حقانی کی سحر انگیز قلم سے ایک حیرت انگیز، روح پرور اور ایمان افروز داستانِ عبرت جسے پڑھ کر پتھر دل نرم اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، ایک ایسی داستان، جو سبق آموزی میں سب کے لئے یکساں ہے

جب گھر میں افلاس کی بہار تھی:.......

هنيئاً لأرباب الكمال كمالهم
وللعاشق المسكين مايتجرع

یعنی اربابِ فضل وکمال کے لئے ان کے کمالات مبارک ہوں، مگر عاشقِ مسکین کو شرابِ محبت کا گھونٹ گھونٹ نوشِ جان کرنا بھی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ بھی ان دنوں کی بات ہے، جب اماں جی مرحومہ و مغفورہ اپنی اولاد کے سامنے بار بار دہرایا کرتی تھیں، فرمایا کرتیں:

جب اپنے ہاتھ خالی ہوں:......"بیٹو! اس دور میں غربت و افلاس سے بڑھ کر جرم اور کوئی نہیں، جب ہمارے ایام سخت تھے تو خیرات وصدقہ کے ایام، ماہ ربیع الاول میں، ماہ رجب میں یا ۲۷ رمضان میں جب ہمارے پڑوس بلکہ پورے شہر میں بطورِ صدقہ و خیرات کے چاول پکتے، دیگیں چڑھتیں، حلوے تقسیم ہوتے، تمام شہر میں تقسیم ہوتے، لوگ ایک دوسرے کے گھر بھیجتے، علاقائی روایات کے مطابق نماز مغرب کے بعد مسجد تھالوں، پلیٹوں اور خیرات سے بھرے برتنوں سے بھر جاتی، ایک دوسرے کے گھروں میں لے جانے اور لے آنے سے گلیاں کی گلیاں خوشبوؤں سے مہک جاتیں اور یہ تو ایسے مبارک دن اور لمحات ہوتے ہیں کہ اہل دل اور اہل خیر اس روز انسان تو انسان کتے کو بھی محروم رکھنے کی جرأت نہیں کرتے، مگر ہم تب بھی محروم رہتے، لوگ ہمارے گھر میں اپنا صدقہ و خیرات بھیجنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے کہ اصل مستحق تو ہم ہی تھے، مگر جب وسعت آئی اور اللہ پاک نے وہ دور ختم کر دیا، اب خیرات کے ایام میں گھر میں اتنا آ جاتا ہے کہ سنبھالا نہیں جا سکتا، یہ تو ہوتا ہی ہے، ان ایام کے بغیر بھی اب لوگ اتنا بھیجتے ہیں کہ اس کا بھی احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ وللہ الشکر و الحمد۔"

"بیٹو! جو مزہ تکلیف میں ہے، وہ آرام میں نہیں، مٹھاس کا حقیقی لطف لینا چاہتے ہو تو کڑوی شے بھی چکھ لو، پھولوں کی لطافت سے کھیلنا چاہتے ہو تو کانٹوں کی چبھن سے بھی پیار کرو۔"

خطر پسند طبیعت کو ساز گار نہیں
وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد

"فرمایا: اللہ نے ہمیں افلاس کی چکیوں میں پیسا ہے، آج جو تمہارا بھائی عالم، مبلغ اور مصنف و مدرس بنا پھرتا ہے، یہ تو اللہ کی عادت ہے، جس سے دین کے کام لینے ہوتے ہیں، اسے پہلے افلاس کی چکیوں میں پیس

پیس کر سنوارتے اور نکھارتے ہیں۔"

جب صراحی خالی ہو:...... اس سے قبل قریب ہی بڑی ہمشیرہ کے مستقبل، مقدموں، عدالتوں اور پیشیوں کی بات لکھ چکا ہوں، جب فریق مخالف کی طرف سے ہمارے خلاف عدالتی کارروائی اور مقدمہ بازی کا آغاز ہوا تو یہ اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے لئے ایک ہیجان، اضطراب، بے چینی اور شب بیداری اور بے قراری کا ایک اور امتحانی مرحلہ تھا، جس سے اللہ پاک نے گزارنا اور کندن بنانا تھا، اسباب کی دنیا میں رب الاسباب کے سوا کچھ نہ تھا، وسائل معدوم تھے، گھر میں کوئی مرد ایسا نہیں تھا، جو مقدموں، عدالتوں اور وکیلوں کے جھمیلوں کی تاب لا سکے، میری عمر چھوٹی اور بہت چھوٹی تھی، بظاہر اسباب کے چاروں طرف دروازے بند تھے، اماں جی مرحومہ و مغفورہ بالآخر خدا کا نام اور قرآن مجید لے کر اپنے بھائیوں کے در دولت پر حاضر ہوئیں، بہ منت و سماجت عرض کیا کہ اخراجات جیسے بھی ہوں گے اور جہاں سے بھی ہوں گے، میں خود مہیا کر لوں گی، مگر عدالتی کارروائی میں تم لوگ میرے مختار اور وکیل بن کر آگے بڑھو، اگر چہ بچی میری بیٹی ہے، مگر تمہاری بھی تو بھانجی ہے، اخلاق و شرافت، یتیموں کی سرپرستی و شفقت، انسانی ہمدردی اور اسلامی اخوت اپنی جگہ، آخر ایک خون، ایک ماں باپ کی اولاد، بہن بھائی، رشتہ اور حمیت بھی تو کوئی چیز ہے، جس کی پاسداری انسانی فطرت ہے۔

مخلوق نہیں خالق کے در دولت پر:...... مگر اماں جی کے بھائیوں نے سمجھا کہ یتیم بھانجا اور یتیم بھانجیاں اور بیوہ بہن، ان کو ایک بار اپنا لیا تو گلے لگ جائیں گے، چمٹ جائیں گے تو پھر گلو خلاصی کے امکانات معدوم ہو جائیں گے، انہوں نے ہماری اماں جی کی درد بھری درخواست اور آہ ابھری فریاد پر کان تک نہیں دھرا، ٹھکرا دیا اور ایسا ٹھکرایا، جیسے پتھر پر گیند لگے اور واپس لوٹے، اماں جی مرحومہ و مغفورہ دل برداشتہ نہیں ہوئیں، بڑی ہمشیرہ کی تسلی کے لئے ہمیں اکٹھا کر کے فرمایا: "بیٹو! ان لوگوں کا قصور نہیں، میرا قصور ہے کہ میں خالق کو چھوڑ کر مخلوق کے در دولت پر چلی گئی، یہ لوگ تو خود محتاج ہیں اور سراپا احتیاج ہیں، بھلا محتاج محتاج کی کیا بنائے گا، قصور ان کا بھی نہیں، حالات ایسے ہیں کہ اصل صراحی خالی ہے، جب صراحی خالی ہو تو پیمانہ کب نکلتا ہے۔

بوقت تنگدستی آشنا بے گانہ مے گردد
صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ مے گردد
بے کسی میں نہ کوئی جب پے امداد آیا
عقل نے راہبری کی، تو خدا یاد آیا

جب ہمارا خالق ہے، معبود ہے، وہی حی قیوم اور گرتوں کو تھامنے والا ہے، اب آئیے اسی کی بارگاہ میں سجدہ کرنا ہے اور ایسا سجدہ کہ منوا کے چھوڑنا ہے، پھر اللہ سے رجوع ہوئیں اور ایسی رجوع ہوئیں کہ منوا کے چھوڑا۔"

اور ہمیں اقبال کی تعلیمات میں "وہ سجدہ" کا عنوان یاد آ گیا:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

نظیر اکبر آبادی نے بھی خوب فرمایا ہے:

اے دل کہیں تو جا کے نہ اپنی زباں ہلائے
اور درد دل کا اپنے کسی کو تو مت سنائے
مانگ اس سے جس کے ہاتھ سے تو پیٹ بھر کے کھائے
مشہور یہ مثل ہے کہوں کیا میں تجھ سے ہائے
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے
عمدہ ہیں جتنے خلق میں کیا شاہ کیا وزیر
اللہ ہی بس غنی ہے میاں اور سب فقیر
کیا گنج و ملک و مال، مکان، تاج کیا سریر
جو مانگتا ہے اس سے ہی مانگو میاں نظیر
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

دینی اور علمی زندگی کی خشت اول:...... چاروں طرف

سے مصائب و مشکلات، دل زخم زخم، تمام راستے کانٹے ہی کانٹے مگر بایں ہمہ مجھ گنہ گار کی تعلیم، اخلاق اور تربیت کی فکر اور اس سلسلے میں بالغ نظری اور بیدار مغزی کے ساتھ حکمت و تدبیر سے موزوں اقدامات کی ممکنہ پیش رفت، سنا ہے فطرت مصائب کی بھٹی میں سنورتی ہے، اماں جی مرحومہ و مغفورہ عزیز و اقارب، بھائیوں، بہنوں، رشتہ داروں اور اہل قرابت و اہل زمانہ سے شکایت کو فضول سمجھتی تھی۔

اوروں کی عیب جوئی اپنا ہنر نہیں ہے
اپنی ہی عیب جوئی یہ ہے ہنر ہمارا

فرمایا کرتیں:

"مصیبتوں کا شکوہ، ایمان و اسلام میں پختگی، جوانمردی اور بہادری کی دلیل نہیں، زمانہ کی شکایت، اللہ کی شکایت ہے۔" ان کی زندگی آفات کو دعوت کی زندگی تھی اور وہ ہر لمحہ چشم عاشق کے مانند اس کے انتظار میں رہتی تھیں، چہرے پر تازگی، اطمینان و سکون کی بہاریں کھلی رہتی تھیں۔"

چاروں طرف کانٹوں میں ہے گھرا ہوا یہ پھول
پھر بھی کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش نصیب ہے

تبلیغی جماعت یا خضر راہ:...... اسکول کی تعطیلات کے ایام تھے، شدت کی گرمی تھی، اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے نماز مغرب کے لئے محلے کی مسجد میں بھیجا اور پھر پیچھے چھوٹی ہمشیرہ بھی لگادی کہ واقعتاً بھی میں مسجد میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں یا کوچہ گردی کی نماز پڑھ کر واپس ہوتا ہوں، میں نے مسجد میں نماز پڑھ لی، ایک صاحب نے اعلان کیا کہ بقیہ نماز کے بعد دین کی بات ہوگی، سب بیٹھ جاؤ، میں بھی بیٹھ گیا، سنت پڑھنے کے بعد دیکھا کہ ایک داڑھی منڈا، پتلون پہنے، ٹائی لگائے لوگوں کو قریب قریب آنے کی دعوت دے رہا ہے اور اسی لمحہ وہی صاحب خطبہ پڑھ کر تقریر کرنے لگے، مجھے ان کی ہیئت، صورت، حالت اور پھر دین اسلام کا بیان سن کر حیرت و استعجاب ہوا، فوراً مسجد سے باہر نکلا اور اپنے ہم عمر ساتھیوں کے سامنے اعلان کردیا کہ مسجد میں عجیب تماشا اور عجیب منظر ہے، مولویوں نے داڑھیاں منڈا ڈالی ہیں، قمیص شلوار اتار کر پتلونیں پہن لی ہیں، ٹائی لگا کر دین اسلام کا وعظ کرنے لگے ہیں۔ میرے تمام ساتھی بھاگ کر میرے گرد جمع ہوئے، اب ہم لوگ ایک جتھہ بنا کر مسجد آئے اور تماشا دیکھنے لگے، بیان ختم ہوا تو ان لوگوں کی تمام توجہ ہم پر مبذول ہوئی، یہ تبلیغی جماعت کے لوگ تھے اور غالباً یہی وہ واحد جماعت تھی جو ہمارے شہر میں پہلی مرتبہ آئی تھی، لوگوں نے باتیں سنیں، مگر سب کو شک و ارتیاب رہا، محلّہ کے مردوں اور خواتین میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ امریکی ایجنٹوں کی جماعت آئی ہے، جماعت والوں نے اس بھرے جتھے میں مجھے تاڑ لیا اور سمجھ گئے کہ سب کا سرغنہ یہی لڑکا ہے، ایک صاحب آگے بڑھے، مجھ سے محبت اور شفقت، نرمی اور ملاطفت کے ساتھ گفتگو کی اور ہدیتاً میٹھی گولیاں بھی دیں، روٹی پر بھی ساتھ بٹھایا، گھر پہنچا تو اماں جی مرحومہ و مغفورہ کو سارا قصہ سنایا:

"اماں جی نے کہا، بیٹے! لوگ تو کہتے ہیں کہ امریکی ایجنٹ آئے ہیں، وہابی لوگ آئے ہیں اور تم کہتے ہو کہ دین کی بات کرتے ہیں، میں نے تفصیلات بتائیں تو فرمایا: بیٹے! ایسے لوگ تو صدیوں میں ملتے ہیں، جاؤ! ان کی خدمت کرو، ان کے ساتھ رہو، ان کی دعائیں حاصل کرو، ان کی باتیں یاد کرو، پھر گھر میں آکر اپنی بہنوں کو بھی بتاؤ اور مجھے بھی سناؤ کہ یہی اصل دین ہے۔"

اہل محلّہ کے لئے یہ پہلی تبلیغی جماعت ایک نادر کام اور نامانوس طریقہ تھا، ڈر خوف اور ہراس طاری تھا، لوگ اپنے بچوں کو بچا بچا کر رکھتے تھے اور چھپا چھپا کر سنبھالتے تھے، وہابی لوگ اور امریکی لوگ آئے ہوئے ہیں، بچوں کو پکڑ کر لے جاتے اور گمراہ بناتے ہیں، مگر اماں جی مرحومہ و مغفورہ تاکید پر تاکید کررہی ہیں:

"بیٹے! ان لوگوں کی خدمت کرو، ان سے دین، اخلاص اور انسانی اقدار حاصل کرو۔"

یہ ان کی فکری پختگی، تعلیم و تربیت کے لئے بے چینی اور اپنی اولاد کی اصلاح میں مخلصانہ جذبہ اور جان نثارانہ ولولہ تھا، میں گنہ گار اماں جی کے اصرار پر جماعت کے ساتھ لگ گیا، جب تک وہ گاؤں میں رہے، میں ساتھ رہا، ان کی خدمت کرتا، بستر ے اٹھاتا، برتن سنبھالتا، ان کی باتیں سنتا، دعائیں سیکھتا، نماز سناتا اور ہدایات پر عمل پیرا ہوتا رہا، جتنے روز رہے، میں ساتھ رہا، الحمدللہ چند روز میں فکر، ذہن اور دل و دماغ کی کایا پلٹ گئی، میں زندگی کے اس موڑ پر انہیں خضر راہ سمجھتا ہوں، اپنے خدا کو پہچان لیا اور یہیں سے اپنی دینی اور علمی زندگی کی خشت اول رکھ دی گئی، پس منظر میں ماں کی ممتا محرک ہے۔

اس ظلم کی دنیا میں فقط پیار میری ماں
ہے میرے لئے سایۂ دیوار میری ماں
نفرت کے جزیروں سے محبت کی حدوں تک
بس پیار ہے ہاں پیار ہے بس پیار میری ماں

ایک قیامت خیز واقعہ:...... بتانا یہ تھا کہ میرے تحصیل علوم دینیہ کی مختلف ترغیبات اور محرکات کے پس منظر میں اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی دعائیں، سلامت فکر اور حسن تدبیر بھی سو فیصد شریک حال رہیں، مرحومہ کا صبر، حوصلہ، تحمل، بردباری اور تفویض و توکل کسی بھی لمحے، کسی بھی خوشی، کسی بھی غم اور کسی بھی مخالف اور ناموافق اور ہر لحاظ سے ہیجان خیز اور اضطراب انگیز حالات میں بھی مرحومہ و مغفورہ سے جدا نہیں ہوا۔

میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد اور نجم المدارس کلاچی میں داخلہ لینے سے پہلے محلے کی ایک مسجد میں قرآن مجید پڑھا کرتا تھا، قرآن کے شوق، تحصیل علم اور شوق قرأت نے ایسا کھینچا کہ مسجد کا ہو کر رہ گیا، گھر کے کام، اندرون خانہ خدمت، بیرون خانہ کے تمام امور اور خدمات چھوٹ کر رہ گئے، مگر اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے چہرے پر کبھی بل تک نہیں آیا، وہ خوش تھیں اور اس بات پر خوش تھیں کہ میرا بیٹا قرآن پڑھ رہا ہے، میں قرآن میں لگ گیا، شیطان میرے پیچھے لگ گیا، دشمنی و عداوت اور خانگی آویزشوں اور اندیشہ ہائے موت و حیات کے جن مرحلوں سے میں گزر رہا تھا، اس کی ایک جھلک قارئین دیکھ آئے ہیں۔

ایسے حالات میں ایک روز دوپہر کو قرآن کے سبق سے چھٹی ملی، میں مسجد کے قریب کی ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ ناگاہ اسی گلی میں واقع ایک گھر کا دروازہ کھلا تو ایک مضبوط اور طاقتور نوجوان میری کمر میں لگ کر مجھے اٹھا چکا تھا، جب میں نے اپنے آپ کو سنبھالا تو میں ایک بند کمرے میں پڑا تھا، میرے پیچھے دروازہ بند کردیا گیا، اس کمرے میں کھڑکی یا روشندان تو تھا نہیں، دروازہ بھی اس قدر مضبوط کہ اندر روشنی کی کوئی کرن نہیں آتی تھی، گھپ اندھیرا تھا، میں خوف زدہ تھا، خوف سے حلق خشک ہوگیا تھا کہ یا اللہ! یہ کیا ہوگیا ہے، جب قدرے ہوش ٹھکانے لگے تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ اس شخص کے ارادے خطرناک ہیں، مجھے محصور کر کے خود کچھ کرنے چلا گیا ہے اور یہ کسی بھی وقت دشمنوں کا آلہ کار بن کر کوئی بھی انتہائی اقدام کر گزارے گا۔

کمرے میں ہاتھ پاؤں مارنا شروع کئے، تلاش شروع کردی، کوئی کلہاڑا ملے، دروازہ توڑ دوں، چھری ملے نیچے سے زمین کرید کر دروازہ نکال دوں، جب کچھ بھی نہ ملا تو ایک چھوٹی سی لکڑی سے دروازے کے نیچے والی زمین کریدنا شروع کردی، لکڑی اور ہاتھ چلتے رہے، پھر فکری طور پر مجھے چند لمحے بعد موت نظر آرہی تھی، خدا جانے لکڑی اور ہاتھوں نے کیسے کام کیا، اتنا کام کیا اتنا کام کیا کہ بالآخر دروازے کو اکھیڑ ڈالا اور پھر زور لگا لگا کر نیچے کی طرف اتنا کھینچا کہ مجھے رینگ کر نکلنے کا راستہ مل گیا، کمرے سے باہر نکلا تو باہر کا دروازہ بند، چاروں طرف دیوقامت دیواریں، اب کیا بنے گا، چیخنا شروع کیا، باہر کسی بچے نے میری آواز سنی تو دوڑ کر میرے گھر اطلاع دے دی کہ عبدالقیوم فلاں گھر میں محصور ہے، اس کے رونے اور چیخنے کی آوازیں آرہی ہیں۔

اس خبر سے اماں جی مرحومہ ومغفورہ کے دل پر کیا گزری ہوگی، کیسی بجلیاں گری ہوں گی، کیا قیامت واقع ہوئی ہوگی، دیکھا چند لمحوں میں میری چھوٹی چھوٹی معصوم بہنیں پہنچ گئیں اور رونے میں گندی ہوئی آوازوں کے ساتھ ''اولالا، اولالا'' (یہ پشتو الفاظ ہیں یعنی ارے بھائی، ارے بھائی) کہہ کر مجھے پکارنے لگیں، باہر وہ روئیں اور مجھے پکاریں، اندر سے میں روؤں اور انہیں پکاروں، دیوقامت دیواروں پر چڑھ چڑھ کر گرتا رہا، ہاتھ پاؤں زخمی ہو چکے تھے، چلچلاتی دھوپ جسم جلا رہی تھی، تاہم اتنی تسلی ضرور ہوگئی تھی کہ باہر سے اپنی چھوٹی بہنیں پہنچ چکی ہیں، ان کا رونا خدا کو پسند آیا، تھک ہار کر جب میں کسی بھی صورت میں نکلنے میں ناکام ہوگیا تو میرے دل میں اللہ نے تجویز ڈال دی، گھر کے ایک کونے میں ایک لمبے درخت کا کٹا ہوا تنا پڑا تھا، اسے کب اٹھا سکتا تھا، گھسیٹ کر دیوار کے قریب لایا اور پھر دیوار کے ساتھ کھڑے کرنے کی جدوجہد میں لگ گیا، میری عمر چھوٹی تھی اور وہ بہت بھاری تھا، میں چمٹ گیا، مرتا کیا نہ کرتا، بالآخر دیوار کے ساتھ کھڑا کرنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے سیڑھی بنا کر دیوار پر چڑھ دوڑا۔

ادھر سے چھلانگ لگادی، دیوار کی بلندی اور اونچائی کے پیش نظر بظاہر اسباب کوئی بچنے کی امید نہ تھی، مگر خدا کا فضل تھا، کوئی چوٹ نہیں آئی، گھر پہنچا تو اماں جی مرحومہ و مغفورہ قرآن کی تلاوت میں مشغول تھیں، دیکھا تو یٰسین شریف پڑھ رہی تھیں، مجھے دیکھ کر بے قابو ہوگئیں، مگر جب تک یٰسین مکمل نہ فرمائی، میرے ساتھ بات نہیں کی، یٰسین شریف مکمل فرمائی، خدا کا شکر ادا کیا، مجھے بوسہ دیا، پیار کیا اور اب ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تھے، گھر میں کوئی ڈیڑھ گھنٹہ قبل اطلاع پہنچ چکی تھی جبکہ اس سے قبل تین گھنٹے تک تو میں کمرے میں بند تھا اور دروازہ اکھیڑنے میں لگا ہوا تھا، بعد میں جب اطمینان ہوا تو کئی روز بعد کسی گفتگو میں اماں جی نے فرمایا:

''بیٹا! دل نے کہا، ابھی دوڑ پڑوں اور جس گھر میں محصور ہیں، وہیں پہنچ جاؤں، پھر سوچا، میں کیا کر سکتی ہوں، بے قابو ہو جاؤں گی، آپ کو آوازیں دوں گی، منہ سے چیخیں نکلیں گی، آخر اکلوتے بیٹے ہو، شاید بے ہوشی آجائے تو بے پردگی آجائے گی، آخر عزت و ناموس بھی تو کوئی چیز ہے، میں نے صبر سے کام لیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یاد آگئی کہ ''یٰسین پہلے پڑھو اور بعد میں حاجت رکھو، اللہ کریم حاجت پوری کردیں گے۔'' میں تب سے یٰسین پڑھنے بیٹھی، قرآن نظر نہیں آتا تھا، آنکھوں میں آنسو اور اندھیرا اندھیرا تھا، آواز رندھ گئی تھی، پڑھا نہیں جاتا تھا، یاد سے پڑھنے سے بھی دماغ فیل ہوگیا تھا تو میں قرآن کے سطروں پر انگلی پھیرتی رہی، بالآخر اللہ کریم نے میرے اکلوتے بیٹے کو میری جھولی میں ڈال دیا۔ والحمدللہ علی ذالک۔''

پھر کیا ہوا؟ وہی غلام مصطفیٰ خان تھانیدار، جو ہمارے پڑوس میں کرایہ کے گھر میں رہتا تھا، اس کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو اس نے از خود اس نوجوان کے خلاف قانونی کارروائی کی جس پر اس کے پورے خاندان میں ہلچل مچ گئی، چند روز بعد وہی ظالم معززین شہر کا ایک وفد بنا کر ہمارے دروازے پر آگیا، دستک ہوئی احقر باہر آیا تو گلی معززین شہر سے بھری ہوئی ہے، میں نے اس نوجوان کو دیکھا تو رگوں میں غیرت وحمیت اور انتقام کا خون دوڑنے لگے، اماں جی مرحومہ ومغفورہ تک اطلاع پہنچانے سے پہلے پہلے اس کو خوب صلواتیں سنائیں، بچپنا تھا اور حماقتیں بھی تھیں، معززین کو کیا پہنچانتا، جو منہ میں آیا، کہہ ڈالا، اماں جی مرحومہ ومغفورہ نے میری آواز سنی تو اندر بلایا، صورت حال سے آگاہ ہوئیں، سکتے میں آگئیں، قدرے توقف کیا، وفد کے رئیس ایک بزرگ نے ڈیوڑھی میں پردے کے پیچھے تمام صورتحال کا ذکر کر کے معافی کی درخواست کی، اماں جی مرحومہ ومغفورہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، فرمایا:



ہے صبغۃ اللہ سانچہ حبیب اللہ میں ڈھل جانا

صبا یونس

معزز قارئین!!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ!

(۱)......اس تحریر کو پڑھنے سے قبل دل کی اتھاہ گہرائیوں سے کم از کم تین بار استغفار ضرور پڑھ لیں۔

(۲)......صدق دل سے کم از کم تین بار درود شریف پڑھ لیں۔

(۳)......خلوص دل سے نیت کرلیں کہ اللہ پاک اپنی رحمت کاملہ واسعہ سے اپنے حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اعمال پر تا زندگی مستقیم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۴)......اگر ممکن ہو سکے تو اپنے قیمتی وقت میں سے وقت نکال کر دو رکعت نفل برائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معمول میں شامل کرلیں، بہتر ہے کہ ساتھ ایک تسبیح درود شریف کی بھی شامل معمول ہو، خواہ وہ درود مختصر ہی ہو۔

''اس عمل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھے گی اور سب سے بڑھ کر نفع یہ ہوگا کہ سنتوں کی قدر واہمیت اور محبت بڑھے گی، ساتھ ہی عمل میں آسانی ہوگی۔''

(۵)......جو یہ سنتیں پڑھ لے، حتی المقدور آگے پہنچانے کی کوشش کرے۔

بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ تعلیم کی صورت چند سنتیں روزانہ ایک دوسرے کو بتا کر عمل کی ترغیب دی جائے، مشق کی طرح سنت پر عمل کی کوشش کی جائے، خصوصاً گھر کے چھوٹے بچوں کے ساتھ مشق کی جائے، مشق کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ عادت سنت میں تبدیل ہوجائے گی پھر ایک وقت آئے گا کہ وہی عادت عبادت بن جائے گی۔ ان شاءاللہ

(۶)......اگر کسی کو اس سلسلہ ''ہے صبغۃ اللہ، سانچہ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھل جانا'' کے ذریعے سے حقیقتاً سانچہ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھل جانے کی توفیق مل جائے تو یہ عاجزہ کے لئے عین سعادت ہے، نیز ہر قاری سے التجا ہے کہ عاجزہ کے لئے

دعا ضرور کریں کہ دربار الٰہی میں اس کاوش کو شرف قبولیت نصیب ہو اور روز محشر شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا سبب ہوجائے اور عاجزہ کو بھی حقیقی اتباع حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوجائے، آمین

آخر میں بس یہی استدعا ہے کہ عاجزہ نے اپنی مکمل کوشش کی ہے کہ جس موضوع کے تحت سنت زیر بحث ہو، اس کے متعلق تمام سنتیں یکجا کردے، لیکن ناقص العلم ہونے کے سبب کوئی سنت رہ جائے تو برضائے الٰہی وہ سنت جس کے علم میں ہو، وہ ادارے تک پہنچادے تاکہ استفادہ عام ہوجائے، اس سلسلے سے کس کو کتنا نفع ہوا، یا اگر کوئی ایسی سنت جو پہلے علم اور عمل میں نہ تھی، اب آگئی، اس کا ذکر خطوط میں ضرور کیجیے گا، ہوسکتا ہے کہ آپ کا لکھا ایک حرف تسلی یا دعائیہ جملہ عاجزہ کے پست ہوتے حوصلے کو بلند کردے، ناقص ارادے کو ارادہ کامل بنادے، یا میری ٹوٹی ہمت کو پھر سے جواں کرنے میں معاون ثابت ہو۔

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علیٰ محمد ملأ السموت وملأ الارض وملأ العرش العظیم

سنت کی تعریف:......سنت لغت میں عادت کو کہتے ہیں اور شریعت میں اسے کہتے ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا فعلاً یا تقریراً منقول ہو۔ (جامع الرموز)

محقق ابن ہمامؒ سنت کے مفہوم کو خلفائے راشدین تک وسیع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "سنت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کا طریقہ دین ہے۔"

علامہ شامیؒ بھی حضرات خلفاء کے اقوال و افعال کو سنت قرار دیتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ "جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرات خلفاء راشدین نے مواظبت فرمائی، وہ سنت ہے۔" (شامی: جلد ۱ صفحہ ۷۰)

سنت اور حدیث ایک دوسرے کے مترادف ہیں، جو مفہوم سنت کا ہے، وہی حدیث کا بھی ہے۔

علامہ عبدالحئی فرنگی محلیؒ "ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی" میں سنت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "سنت کا اطلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و عادات پر ہوتا ہے، حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ کے طریقے کو بھی سنت کہا جاتا ہے۔"

چنانچہ طحطاوی علی المراقی میں سنت کی یہ تعریف مرقوم ہے: "جو عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے کسی ایک نے بھی کیا، وہ سنت ہے۔"

طحطاوی میں ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی سنت کی اتباع کا حکم دیا ہے۔"

چونکہ وہ بھی سنت سے ہی ماخوذ ہوتے ہیں، لہٰذا اس اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا: "علیکم بسنتی" "تم پر میری سنت لازم ہے، تمام امور میں اخلاق و عادات میں بھی ہم اتباع سنت کے مکلف و مامور ہیں۔

سنت کی تعریف تو ہم نے جان لی ہے، اب ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ شریعت میں سنت کا کیا درجہ اور مقام ہے۔

سنت کی حیثیت مثل وحی:......سنت کا درجہ مثل وحی کے ہے، کلام الٰہی نے سنت کو عمل اور اتباع میں کلام اللہ کا درجہ دیا ہے، اسی وجہ سے سنت کو بھی وحی سے موسوم کیا ہے، مگر وحی غیر متلو۔

کلام اللہ کی طرح یہ بھی ادلہ شرعیہ میں سے ہے، اس کا نزول بھی مثل وحی کے ہوا، امام اوزاعیؒ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آیا کرتی تھی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی وہ سنت لے کر آیا کرتے تھے، جو اس کی تفسیر کردیتی تھی، اس طرف قرآن کریم نے اس آیت میں بھی اشارہ کیا ہے: "وما ینطق عن الھوی ان ھوالاوحی یوحی" "یعنی" آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے نہیں بولتے، وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہوتی ہے، جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔"

حضرت امام اوزاعیؒ نے حضرت مکحولؒ سے نقل کیا ہے کہ "سنت (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل) قرآن

کریم کی مراد بیان کرتی ہے۔"

امام شاطبیؒ الموافقات میں لکھتے ہیں کہ "سنت، کتاب اللہ کے احکام کے لئے بمنزلہ تفسیر و شرح کے ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے؟ تو حضرت اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ "کیا تم نے قرآن کریم نہیں پڑھا۔" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و احوال قرآن پاک کی عملی تفسیر تھے، لہٰذا محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و احوال کی اتباع گویا کلام الٰہی کی اتباع ہے، اس سے بڑھ کر سنت کی حیثیت و اہمیت اور کیا ہوگی؟

شریعت میں سنت کا مقام و مرتبہ جاننے کے بعد اب ہم اتباع سنت کی اہمیت اور تاکید پہ نظر ڈالتے ہیں۔

اتباع سنت کی اہمیت اور تاکید:......حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس نے میری سنت سے محبت کی، یعنی اس پر عمل کیا تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی، وہ جنت میں میرے ساتھ رہے گا۔" (مشکوۃ شریف صفحہ ۳۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس نے میری سنت کو فساد امت کے وقت زندہ کیا، وہ سو شہیدوں کا ثواب پائے گا۔" یعنی جس سنت کو لوگ چھوڑ چکے ہوں، اس پر عمل کرنا اور کرانا ثواب عظیم کا باعث ہے، ثواب بھی کتنا عظیم؟ سو شہیدوں کے برابر۔ (مشکوۃ شریف صفحہ ۳۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "جو حلال کھائے اور سنت پر عمل کرے اور لوگوں کو تکلیف نہ پہنچائے، وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (ایضاً)

حضرت امام مالکؒ کا قول ہے کہ "سنت مثل کشتی نوحؑ کے ہے، جو اس پر سوار ہوا، نجات پائی اور جو پیچھے رہا، غرق ہوا۔"

شرح شرعۃ الاسلام میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس نے میری سنت کی حفاظت کی تو اللہ رب العزت چار باتوں سے اس کی تکریم کریں گے:

(۱)......نیک لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کردے گا۔ (۲) فاجر لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت ڈال دے گا۔ (۳) رزق وسیع کردے گا۔ (۴) دین میں پختگی پیدا کردے گا۔"

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ "تمام خوبیوں کی جڑ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قول و فعل میں اتباع ہے۔" اتباع سنت کی اہمیت جان لینے کے بعد یہ بھی جان لینا از حد ضروری ہے کہ ترک سنت کتنی بڑی محرومی کا باعث ہے۔

تارک سنت عظیم سعادت سے محروم:......علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ "اسلام صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کا نام نہیں، جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اطاعت کا عہد نہ کرے، اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا۔" (زاد المعاد: جلد ۳ صفحہ ۵۵)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے کہ "جس نے سنت کو ہلکا سمجھا اور اس کے ادا کرنے میں سستی کی تو اس کو فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی۔" یعنی "اس کے فرائض چھوٹنے لگیں گے، انجام کار کبائر کا مرتکب ہوگا۔" (اسلام میں سنت کی عظمت صفحہ ۵۰)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: "عادات و اطوار میں سنت کا ترک سعادت عظیمہ سے محرومی کا باعث ہے۔" (اربعین صفحہ ۵۸)

امور عبادت کی سنتوں کے ترک کو امام غزالیؒ نے کفر خفی یا حماقت جلی قرار دیا ہے، اربعین میں اس کے ترک پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "بلا عذر ترک سنت کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، سوائے یہ کہ کفر خفی یا حماقت جلی کہا جائے۔"

پھر اس کی وجہ لکھتے ہیں کہ "جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز سے ۲۷ گنا

زائد ہے تو قوم کا دل بلاعذر کیسے اس کے چھوڑنے کو گوارا کرے گا، ہاں حماقت و جہالت ونادانی ہو تو دوسری بات ہے، بایں طور کہ وہ اس فرق عظیم میں غور وفکر نہ کرے اور جو شخص دوسرے کو اس وقت احمق سمجھتا ہو، جب کہ وہ ایک کو دو پر ترجیح دے تو کیسے وہ خود اپنے آپ کو احمق نہ سمجھے گا جبکہ وہ خود ایک کو ستائیس (۲۷) پر ترجیح دیتا ہو، خصوصاً ان امور میں جن کا تعلق بنیادِ دین اور سعادت ابدیہ کی کنجی سے ہو۔"

خلاصہ یہ کہ عبادت میں سنت کا ترک اس کی سستی اور غفلت دین کی غمازی کر رہا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کس قدر قبیح امر ہے۔ اللھم احفظنا

☆......☆......☆

ایک وہم کا ازالہ:...... خیال رہے کہ اتباع سنت کے متعلق یہ نہ سوچے کہ یہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ فضائل کے سلسلے میں محدثین وفقہاء کرام نے ضعیف روایتوں پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، اس میں ضعیف موثر نہیں، ضعف کا تعلق رواۃ سے ہے نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے، چنانچہ تدریب الراوی میں ہے کہ "جب تم کسی حدیث کو اسناد ضعیف کے ساتھ دیکھو تو تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اس اسناد کے اعتبار سے ضعیف ہے، لیکن یہ نہ کہو کہ یہ متن ضعیف ہے۔" (قواعد علوم حدیث صفحہ ۵۸)

امام غزالیؒ نے ایک محدث کا قصہ لکھا ہے کہ انہوں نے ہفتہ یا بدھ کے دن پچھنا لگوالیا تھا اور ایک حدیث میں جو سنداً ضعیف ہے، اس میں ہے کہ جو شخص ہفتہ یا بدھ کے دن پچھنا لگوائے اور اس کو برص کی بیماری ہو جائے تو اپنے سوا کسی پر ملامت نہ کرے، انہوں نے ضعیف سمجھ کر پرواہ نہ کی، چنانچہ ان کو برص کی بیماری ہوگئی، وہ بہت پریشان ہوئے، خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، انہوں نے اس برص کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تو نے ہفتہ دن پچھنا کیوں لگوایا تھا؟" انہوں نے جواب دیا کہ "راوی ضعیف تھا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بات تو میری نقل کر رہا تھا۔" انہوں نے کہا کہ "اے اللہ کے رسول! میں توبہ کرتا ہوں۔" چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت کی دعا فرمائی، وہ اچھے ہوگئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی حدیث کو ضعف کی بنیاد پر ترک نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ خود فقہاء کرام نے بھی بسا اوقات اسے معیار حق تسلیم کیا ہے۔

فضائل میں احادیث ضعیفہ کا حکم:...... محدثین عظام وفقہاء کرامؒ نے فضائل (جن میں سنن عادیہ اور آپ کے اخلاق وعادات بھی داخل ہیں) میں ضعیف حدیث سے استناد کیا ہے اور اس پر عمل کی اجازت دی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کا وسیع باب عمل سے خارج ہو جائے گا اور امت ایک عظیم سعادت سے محروم ہو جائے گی، خود فقہاء کرام اور ائمہ مجتہدینؒ نے بھی اس سے استناد کیا ہے اور سنن وعبادت میں بھی اس کا اعتبار کیا ہے کہ صحاح کی تعداد اس درجہ کہاں، مگر جبکہ دوسرے طرق سے قوت پیدا ہو جائے، چنانچہ ائمہ احناف نے قیاس اور رائے کے مقابلے میں ضعیف حدیث سے استناد کیا ہے۔ محدث ابن مجراح نے خیرات الحسان میں اسے ذکر کیا ہے۔ (قواعد علوم الحدیث صفحہ ۵۹)

علامہ نوویؒ "الاذکار" میں لکھتے ہیں کہ "محدثین و فقہاء وغیرہ نے کہا ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا فضائل وترغیب وترہیب میں جائز اور مستحب ہے، تاوقتیکہ موضوع نہ ہو۔ (الاذکار صفحہ ۵)

قواعد علوم حدیث میں ہے کہ "فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا۔" (صفحہ ۵۷)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں ارباب علم حدیث کا اس امر پر اجماع نقل کیا ہے کہ فضائل وغیرہ میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا درست ہے۔ (مقدمہ صفحہ ۵۸)

☆......☆......☆

انسان کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں، جس کے متعلق

حیات نبوی نے سکوت اختیار کیا ہو اور ایک مسلمان کے لئے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اسوۂ حسنہ نہیں ہے، بلکہ آپ کے اقوال، احوال، آپ کے پاکیزہ اخلاق و عادات، خواہ ان کا تعلق طبعی اور بشری امور سے کیوں نہ ہو، سب امت کے لئے اسوۂ حسنہ ہے، اس طرح فصل، خصومات، امت کے نظم ونسق اور دیگر ضروریات میں بھی اسوہ ہے، حتیٰ کہ خوش طبعی، ہنسی، مسکراہٹ کے انداز میں بھی، قرآن کریم نے کسی ادنیٰ تفصیل کے بغیر تمام امور میں آپ کی ذاتِ گرامی کو اسوہ قرار دیا ہے۔

سونا، جاگنا، کھانا، پینا غرض تمام بشری تقاضے ہر انسان کے ساتھ لاحق ہیں، زندگی جیسی نعمت سے جب اللہ العالمین نے نوازا ہے، تو کیوں نہ اس کو کامیاب بنالیا جائے، کھانا تو ویسے بھی ہر انسان نے کھانا ہی ہے، ظاہر ہے جینا ہے تو جینے کے لئے کھانا بھی ضروری ہے، لیکن اگر اس بشری تقاضے کو "اتباع سنت" کے دائرے میں پورا کرلیا جائے تو یہ عبادت بن جاتا ہے، بھلا پھر کیوں ایک ذی عقل بشر اتنی بڑی فضیلت سے محروم رہے۔

☆......☆......☆

"سنت" چونکہ تمام شعبہ ہائے زندگی پر محیط ہے، مگر مناسب یہی لگتا ہے کہ کھانے کی سنتوں کو مقدم کیا جائے، چونکہ "کھانا" فطری تقاضوں میں سے سب سے مقدم ہے اور جب کھانا، کھانا ہی ہے تو کیوں نہ اپنی ایک فطری ضرورت کو سانچہ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھال کر عبادت بنالیں۔

کھانا کھانے کی سنتیں

کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا:...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا اور بعد میں ہاتھ دھونا فقر کو دور کرتا ہے اور یہ علم نبیوں کی سنت ہے۔ (مجمع: ۵/۲۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو یہ چاہتا ہے کہ اس کے گھر میں خیر زیادہ ہو، اس کو چاہئے کہ کھانا آئے تو ہاتھ دھوئے اور جب فارغ ہو جائے تو ہاتھ دھوئے۔ (ابن ماجہ: ۳/۲۳۲)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے توراۃ میں پڑھا ہے کہ کھانے سے فراغت کے بعد ہاتھ دھونا برکت کا باعث ہے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھانے سے قبل اور بعد میں ہاتھ دھونا برکت کا باعث ہے۔ (شمائل صفحہ ۱۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ کھانے سے قبل اور بعد میں ہاتھ دھونا وسعت رزق کا باعث ہے، اس میں شیطان کی مخالفت ہے۔ (کنز العمال: ۱۹/۱۸۶)

احیاء العلوم میں ہے کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا فقر وغربت کو دور کرتا ہے۔

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا سنت ہے، اگر ہاتھ صاف ہوں، تب بھی دھونا سنت ہے، چمچوں اور کانٹوں کی صورت میں چونکہ ہاتھ دھونے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، اس لئے ان برکات وفوائد سے محرومی ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہاتھ اس لئے دیئے ہیں کہ ہاتھ دھو کر ہاتھ سے کھائے، تاکہ یہ برکات وفوائد حاصل ہوں۔

"برکت کا مفہوم یہ ہے کہ جن فوائد ومقاصد کے لئے کھایا جاتا ہے، وہ پورے ہوتے ہیں، بدن کا جز بنتا ہے، عبادت اور عمدہ اخلاق پر تقویت کا سبب بنتا ہے۔" (خصائل: ۱۱۶)

"برکت کا مطلب کھانے کا زائد محسوس ہونا بھی ہے۔ (عمدۃ القاری: ۲۱/۷۶)

انسان کو بہت سے معاملات میں ہاتھ کو استعمال کرنا ہوتا ہے، کبھی کہاں، کبھی کہاں ہاتھ لگاتا ہے تو چونکہ ہاتھوں پر جراثیم لگ جاتے ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے کا حکم فرمایا، پھر یہ بھی فرمادیا کہ کھانا کھانے کے لئے ہاتھ دھو لینے کے بعد ان کو

کپڑے وغیرہ سے صاف نہ کرو، اس لئے کہ اس کپڑے پر لگے ہوئے جراثیم پھر کہیں ہاتھوں کو نہ لگ جائیں۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس جلد اول)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل میں کتنی مصلحتیں، حکمتیں اور فوائد پنہاں ہے، ہم اس کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میرے اوپر تین سو روپیہ قرض تھا، بوجہ مفلسی کے کوئی صورت ادا کرنے کی سمجھ میں نہ آتی تھی، اتفاقاً ایک دن میں نے کسی عالم کے درس میں سنا کہ جو شخص کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں سنت سمجھ کر ہاتھ دھولیا کرے تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ چند دنوں میں اس کا قرض ادا ہو جائے گا، چنانچہ میں نے یہ عمل شروع کیا، ابھی چند روز ہی کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وعنایت سے میرے ذمہ ایک کوڑی بھی کسی کی باقی نہ رہی اور میں الحمدللہ ایک سنت نبوی پر عمل کی برکت سے قرض کے بوجھ سے سبکدوش ہوگیا۔ (شمائل کبریٰ)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جناب اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا فقر کو دور کرتا ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا بیماری یا جنوں کو دور کرتا ہے۔

(حدیث میں لفظ لـمـم استعمال ہوا ہے، اس کے دونوں معنیٰ ہو سکتے ہیں، بیماری یا جنوں، یہ حدیث ابن قدامہ نے المغنی میں ذکر کی ہے، لیکن اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی)، (اشراف التوضیح جلد ۳ صفحہ ۱۶۰)

کنز العمال میں طبرانی کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا ایک نیکی ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا دو نیکیاں ہیں۔ (ماثبت بالسنہ)

اب اگر ہم غور کریں ان احادیث مبارکہ پر، تو ایک سنت ادا کرنے سے کتنے فائدے حاصل ہوں اور سنت پر عمل کرنے کا ثواب الگ......

(۱)......کھانا کھانے سے قبل اور بعد میں ہاتھ دھونا فقر کو دور کرتا ہے۔

(۲)......تمام نبیوں کی سنت ہے۔

(۳)......گھر میں خیر کا زیادہ ہونا۔

(۴)......برکت کا ہونا۔

(۵)......رزق میں وسعت ہونا۔

(۶)......شیطان کی مخالفت ہو جانا۔

(۷)......فقر وغربت کا دور ہونا۔

(۸)......جراثیم کا دور ہونا۔

(۹)......بیماری اور جنات کا دور ہونا۔

(۱۰)......کھانے سے قبل ہاتھ دھونا ایک نیکی اور بعد میں ہاتھ دھونا دو نیکیاں۔ یعنی تین نیکیاں۔

یہ دس فائدے جو محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں، کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہو، وہ غلط ہو، یا اللہ پاک ویسا نہ کریں، جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود فرما دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی سے نہیں بولتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی کی جاتی ہے، وہی فرماتے ہیں۔

اگرچہ یہ دس فائدے بھی کم نہیں، لیکن اگر ہم ان پر بھی بحث کریں تو ناقابل فراموش فوائد سامنے آئیں گے۔

سب سے پہلے تو اگر اسی بات پر بحث کی جائے کہ "کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا تمام نبیوں کی سنت ہے۔" تو کیا ہم اس قابل ہیں کہ اللہ رب العزت کے برگزیدہ بندے، انبیاء کرام علیہ السلام وہ جن کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، ہم ان جیسا عمل کریں، کسی کو روح اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے تو کسی کو صفی اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے، کسی کو کلیم اللہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے تو کسی کے سر پر خلیل اللہ ہونے کا تاج سجا ہے، ان جیسا عمل......

پھر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع بھی نصیب ہو جائے، سبحان اللہ...... جن کی اتباع پر اللہ تعالیٰ کی محبت اور گناہوں سے معافی کا وعدہ ہے اور ہم کامل علم بھی نہیں رکھتے کہ کتنے نبی اس دنیا میں آئے، اتنی عظیم الشان سعادت جس میں ہماری اپنی ذات کے لئے بے پناہ فوائد شامل ہیں۔

دوسرا فائدہ فقر کا دور ہونا، اب فقر کا مطلب کیا ہے؟ فقر کا مطلب ہے کہ محتاجی، مفلسی، تنگی...... آج کے دور میں انسان تنگ دستی ومفلسی سے اس قدر عاجز ہے کہ اللہ کی پناہ؟؟؟......

اور یہاں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا فقر کو دور کرتا ہے۔

تیسرا فائدہ خیر کا زیادہ ہونا، خیر کی ضد شر ہے اور آج کے شر انگیز دور میں جب کہ خیر کی شدید قلت ہے تو ایک انتہائی مختصر عمل اس کو زیادہ کرنے کا باعث بنے گا تو خود بخود شر کم ہوگا، خیر سے مراد بھلائی بھی ہے تو جو کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھوئے گا تو وہ زیادہ بھلائی کے کام کرے گا اور بھلائی نیکی کو بھی کہتے ہیں، تو حدیث مبارکہ کے مطابق جو کھانے سے قبل اور بعد میں ہاتھ دھوئے گا، اس کی نیکیاں زیادہ ہو جائیں گی، تو ایک عمل سے ایک گھر میں بھلائی زیادہ ہوگی تو شر کم ہوگا، پھر جتنے لوگ عمل کریں گے، اتنے گھروں میں خیر کی کثرت ہوگی اور جتنے زیادہ گھروں میں خیر ہوگی، اتنا ہی معاشرے سے شر کم ہوگا۔

کیا یہ فائدہ کم ہے، صرف کھانے سے پہلے اور بعد میں سنت کی نیت سے ہاتھ دھولے؟

چوتھا فائدہ برکت کا باعث، برکت کا مفہوم اگرچہ ہم پیچھے پڑھ چکے ہیں لیکن غور کریں کہ ایک برکت کے تحت کتنے فوائد حاصل ہو رہے ہیں، برکت کے مفہوم میں درج ذیل چیزیں داخل ہیں:

(۱)......جس مقصد کے لئے کھایا جائے، وہ پورا ہو جانا، یعنی بھوک کا ختم ہو جانا، بھوک ختم ہو جانے سے طبیعت بھی کھانا کھا کر سیراب ہو جاتی ہے، وگرنہ یوں بھی ہوتا ہے کہ بندہ کتنا ہی کھالے، طبیعت سیر نہیں ہوتی، مزید کھانے کی چاہ باقی رہ جاتی ہے، اب جب ہاتھ دھو کر اور کھانے کے بعد ہاتھ دھولیں گے تو برکت کا باعث بنے گا، تو اسی برکت کے تحت طبیعت سیراب ہو جائے گی۔

(۲)......جسم کو طاقت کا ملنا، جسم میں جتنی طاقت ہوگی، انسان اتنا ہی ہشاش بشاش رہے گا اور عبادت کے لئے جسم چست رہے گا۔

(۳)......خوراک کا جسم کا جز بننا، اب ہم نے جو کھانا کھایا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ اندر جا کر کوئی اندرونی نقصان برپا کردے، یا الٹی ہی ہو جائے، یا پیٹ چل پڑے تو سارا کھانا ہی باہر اور مزید جسم بھی کمزور، اب کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے کا یہ فائدہ بھی برکت کے مفہوم کے تحت حاصل ہوگا کہ وہ خوراک جسم کا جز بن جائے گی اور اندر وہ عمل کرے گی جو خوراک کھانے کا مقصد ہے۔

(۴)......عمدہ اخلاق اور عبادت کا سبب بن جانا۔

......آج کے مسلمان بھی عمدہ اخلاق سے کوسوں میل دور ہیں اور پھر نفسا نفسی کا دور...... ایسے حالات میں ایک انتہائی مختصر عمل کرنے سے اخلاق عمدہ ہو جانا کسی معجزے سے کم نہیں جبکہ ہر کوئی دوسرے کی زبان کی تلخی سے نالاں ہی نظر آتا ہے، ویسے اگر ہم سوچیں کہ آج امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عمدہ ہو جائیں تو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ بھی حاصل کر سکتی ہے۔

اور یہ بات تو ہم سب ہی جانتے ہیں کہ اللہ رب العزت حقوق اللہ معاف کر دیتا ہے، مگر حقوق العباد نہیں، مشہور حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! ایک مرد بہت نیک ہے، عبادت گزار ہے، مگر اس کے اخلاق عمدہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنمی ہے، پھر پوچھا کہ ایک عورت بہت نیک ہے، مگر اس کا اخلاق عمدہ ہے، فرمایا کہ جنتی ہے۔ لیجئے صرف سنت کی نیت سے کھانے سے قبل اور بعد میں

ہاتھ دھونے سے ایسا عمل نصیب ہوجائے گا کہ جس پر جنتی ہونے کی بشارت ہے۔

پھر عبادت کا سبب بھی بن جانا، اولاً تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع بذاتِ خود عبادت ہے، پھر کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھونے کی برکت کے مفہوم کے تحت عبادت کی توفیق کا مل جانا کسی نعمت عظمیٰ سے کم نہیں، عموماً تو یوں بھی ہوتا ہے کہ ہم ارادہ کرتے ہیں کہ نماز پڑھ لیں مگر توفیق الٰہی نصیب نہیں ہوتی، اب اس عمل کے عوض اگر عبادت کی توفیق بھی مل رہی ہے تو کیا کم ہے؟

(۵)..... برکت کے مفہوم میں ہے کہ کھانے کا زیادہ محسوس ہونا ہے، اب دیکھیں کہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بظاہر انسان کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کو اتنی زیادہ بھوک ہے کہ جو کھانا اس کے سامنے ہے، وہ کم ہے، یا کھانا حقیقتاً کم ہوتا ہے، مہمان آجاتے ہیں یا وسائل کم ہونے کی بنا پر کھانا کم ہوتا ہے، افرادِ خانہ زیادہ..... قربان جائیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انتہائی آسان اور مختصر عمل میں اس کا حل فرما دیا، یہ سب کچھ ایک برکت کے مفہوم کے تحت حاصل ہوگا، کھانا خواہ کتنا ہی کم ہو، کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے کی برکت سے زیادہ محسوس ہوگا، یقیناً برکت کا مفہوم اس سے بھی زیادہ وسیع ہوگا، مگر یہاں صرف ان باتوں کو زیرِ بحث لایا گیا، جو بیان کی گئی ہیں۔

پانچواں فائدہ رزق کا وسیع ہوجانا، آج عموماً لوگ رزق کی تنگی سے عاجز ہیں اور ہم پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ ایک بزرگ کا قرض ایک اس سنت پر عمل کی برکت سے ادا ہوگیا اور جب رزق ہی وسیع ہوجائے گا تو تمام معاملات خود بخود آسان ہوجائیں گے، کیونکہ ہر طرف جو افراتفری کا عالم ہے، وہ رزق کی تنگی کے سبب ہی ہے، اسی رزق کو زیادہ سے زیادہ کمانے کے لئے جائز و ناجائز کی پرواہ کیے بغیر کمانے کے پیچھے امت دوڑ رہی ہے تو جب رزق ہی وسیع ہوگا تو کیونکر کوئی بھٹکے گا۔

چھٹا فائدہ شیطان کی مخالفت کا ہوجانا، یہ بات کون نہیں جانتا کہ ہمارا سب سے بڑا اور کھلا دشمن شیطان ہے، اب اگر ایک عمل سے ہمیں اپنے سب سے بڑے دشمن کی مخالفت کا موقع مل رہا ہے تو ہم کیونکر ضائع کریں؟

ساتواں فائدہ فقر و غربت کا دور ہوجانا، فقر کا مطلب تو ہم پیچھے پڑھ چکے ہیں اور غریب کے بارے میں ہم میں سے کون نہیں جانتا کہ غریب کون اور کیسا ہوتا ہے اور عموماً غریب کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا ہے، جس کے پاس سامانِ زندگی نہ ہو، کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھونے سے فقر و غربت کا دور ہوجانا، یہ میں خود سے نہیں کہہ رہی ہوں، یا کسی عام انسان کی بات نقل نہیں کر رہی ہوں، بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تو یقین کیجئے، ایسا ہی ہوگا، جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، بس عمل مستقیم شرط ہے۔

آٹھواں فائدہ جراثیم کا دور ہوجانا، اب ہم لوگ نہیں جانتے کہ کب ہمارے ہاتھ کو کون سے اور کیسے جراثیم لگے، سنت نبوی اور جدید سائنس میں کھانے سے قبل ہاتھ دھونے کی حکمت کے تحت لکھا ہے کہ ایک ٹرک ڈرائیور نے کھانے کے لئے ایک ہوٹل کے قریب اپنا ٹرک کھڑا کیا، نیچے اتر کر اس نے ٹرک کے ٹائر چیک کیے اور پھر کھانا کھالیا، کھانا کھاتے ہی ڈرائیور مر گیا، حالانکہ اسی ہوٹل سے اور لوگوں نے بھی کھانا کھایا، لیکن انہیں کچھ نہ ہوا، بہت سوچ و بچار اور کھوج کے بعد معلوم ہوا کہ مرحوم نے ٹائروں کو چیک کرنے کے لئے ان پر ہاتھ لگایا تھا، وہاں ایک زہریلا سانپ کچلا ہوا تھا اور اس کا تازہ زہر ٹائر پر لگا ہوا تھا اور وہی زہر ہاتھوں پر لگ گیا، ہاتھ نہ دھونے کی وجہ سے زہر کھانے میں شامل ہوکر اس کی موت کا سبب بن گیا۔

نواں فائدہ بیماری اور جنوں سے محفوظ ہونا، ماقبل میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ کھانے سے پہلے ہاتھ نہ دھونے کی وجہ سے ایک شخص کی موت واقع ہوئی، اسی طرح قیاس کیا جائے تو ہمارے ہاتھوں پر کس قدر جراثیم لگے ہوتے ہوں گے، جو ہاتھ دھونے سے اتر جاتے ہوں گے اور ہم نامعلوم کتنی زیادہ اور کتنی بڑی بیماری سے بچ جاتے ہوں گے، نیز یہ بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے قبل ہاتھ دھوتے تھے اور کپڑے سے یا تولیے سے صاف نہیں کرتے تھے، کیونکہ ہاتھوں کو دھونے سے جراثیم اتر جاتے ہیں اور اگر ان ہاتھوں کو گندے تولیے یا رومال وغیرہ سے صاف کیا جائے تو ہاتھ جراثیم آلود ہوجانے سے خوراک بھی صاف نہیں رہتی، یوں بیماریوں کا باعث بنتی ہے اور اگر جنات کسی انسان کے پیچھے پڑ جائیں تو ایک تو اس انسان کی عقل متاثر ہوتی ہے، اس کی عقل وہ کام نہیں کرتی، جو ایک عام انسان کی عقل کرتی ہے اور وہ انسان سست ہوجاتا ہے، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ایسا انسان جس کے پیچھے جنات پڑ جائیں، بیمار رہتا ہے، ایسے انسان پر زیادہ تر نیند غالب رہتی ہے اور یادداشت کام نہیں کرتی، دو منٹ پہلے کی بھی بات ایسے انسان کو یاد نہیں رہتی، اب ہمیں خود غور کرلینا چاہئے کہ ایک عمل جو بالکل آسان ہے، صرف اس کی بدولت ہمیں کیا مل رہا ہے؟؟؟

دسواں فائدہ، کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے پر ایک نیکی اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے پر دو نیکیوں کا ملنا، بغیر کسی مشقت کے تین نیکیاں، انسان سے دن بھر میں کوئی نہ کوئی گناہ یا لغزش صادر ہو ہی جاتی ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ تین نیکیاں بغیر کسی مشقت و ارادے کے مل رہی ہیں اور ہوسکتا ہے کہ قیامت کے دن یہی تین نیکیاں جنت میں جانے کا سبب بن جائیں، ہوسکتا ہے کہ نیک اعمال کا پلڑا بھاری ہونے کا سبب بن جائیں اور یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ قیامت کے دن یہی عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا بن جائے۔

ہاتھ دھونے کا مسنون طریقہ:..... دونوں ہاتھ گٹے تک دھونا سنت ہے، اگر صرف ایک ہاتھ دھویا اور صرف انگلیاں دھوئیں، یا صرف انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی دھوئی، گٹوں تک نہ دھویا تو بھی سنت ادا نہ ہوگی، یاد رہے کہ دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا مسنون عمل ہے۔

☆.....☆.....☆

ہاتھ کے ساتھ کلی کرنا یا منہ دھونا سنت نہیں ہے، لیکن سنت نبوی اور جدید سائنس میں ہے کہ "حکم ہے کہ کھانے سے قبل کلی بھی کی جائے، سارا دن ہوا اور سانس کے ذریعے گرد و غبار اور جراثیم اندر جاتے رہتے ہیں، اب اگر نوالہ نگلیں گے تو ان جراثیموں کو بھی نگل جائیں گے، اس لئے کلی کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے، تاکہ منہ صاف ہوجائے۔" (حکم سے مراد شرعی مسائل کی تشریح ہے، مصنف "سنت نبوی اور جدید سائنس" نے حکم سے مراد قرآن، حدیث اور فقہ تینوں مطالب لئے ہیں، کہیں حکم قرآن کا، کہیں حدیث کا، کہیں فقہ کا)۔ (جلد اول صفحہ ۹۰)

بہشتی زیور میں کھانے پینے کے بیان میں ادب نمبر ۸ یہ ہے کہ "کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھولو اور کلی بھی کرلو۔ (ساتواں حصہ صفحہ ۳۳۵)

حاصل یہ کہ کھانے سے قبل گٹوں تک دونوں ہاتھ دھونا سنت ہے اور کلی کرنا ادب ہے اور جدید سائنس کے مطابق انسان کے حق میں بہتر بھی ہے۔

کھانے سے قبل ہاتھ دھونے کے بارے میں چند فقہی مسائل:

(۱)..... کھانے کے لئے جب ہاتھ دھوئے تو ہاتھ دھونے کے بعد پونچھنا نہیں چاہئے۔ (البحر الرائق: ۸/ ۱۸۴)، (۲)..... جنابت کی حالت میں بغیر ہاتھ منہ دھوئے کھانا مکروہ ہے۔ (شامی)، (۳)..... حائضہ کے لئے بغیر ہاتھ منہ دھوئے کھانا بلاکراہت درست ہے۔ (بحر: ۸/ ۱۸۳)، (۴)..... گٹوں تک ہاتھ دھونا سنت ہے۔ (نفع المفتی صفحہ ۱۰۸)، (۵)..... ہاتھ خود دھونا بہتر ہے، دوسرے سے مدد لینا بہتر نہیں۔ (ایضاً)، (۶) کھانے کے لئے دونوں ہاتھ دھونا سنت ہے، ایک ہاتھ دھونے سے سنت ادا نہ ہوگی۔ (شامی: ۵/ ۲۱۶، نفع المفتی صفحہ ۱۰۸)

☆.....☆.....☆

سفر حرام کے تاثرات

ڈاکٹر گوہر مشتاق



عمرے کے لئے احرام باندھ کر مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں کفن میں ملبوس ہو کر اپنے رب سے ملنے جارہا ہوں، کیونکہ احرام ہماری فطرت (Primordial Nature) یعنی گناہوں سے پاک حالت کی طرف واپسی ہے، کعبے پر پہلی نظر پڑتے ہی میری جو کیفیت ہوئی، وہ دنیا کی کسی دوسری عمارت کو دیکھ کر کبھی نہیں ہوئی، آخر کیوں نہ ہو کہ یہ اس رب ذوالجلال کا گھر ہے، جس کی تعریف لکھنے کے لئے پوری دنیا کے درخت قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائیں تو پھر بھی وہ اس ذات کی تعریف کا حق نہیں ادا کر سکتے۔

کعبے کے گرد طواف:...... کعبے کے گرد مسلمانوں کو والہانہ طواف کرتے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے سورج کے گرد سیارے گھوم رہے ہیں، جرمن نو مسلم محمد اسد کے الفاظ میں:

"جب ہم کسی چیز کے گرد دائرے میں چکر لگاتے ہیں تو ہم اسے اپنے اعمال کا مرکز تسلیم کر لیتے ہیں۔"

کعبہ، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا مظہر ہے، حاجیوں کا طواف کرنا دراصل انسانی زندگی کی حرکت کا مظہر ہے، طواف یہ ثابت کرتا ہے کہ نہ صرف ہماری مذہبی رسومات بلکہ ہماری عملی زندگی اور کاوشوں کا محور خدا کی وحدانیت کا نظریہ ہے، جو قرآن کے مطابق ہے:

وماخلقت الجن والانس الالیعبدون O

"ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے تخلیق کیا ہے۔"

طواف اور سعی کے دوران تمام لوگوں کو بہ یک وقت اللہ سے دعائیں اور التجائیں کرتے دیکھ کر مجھے سورہ الرحمٰن کی وہ آیت یاد آ گئی:

یسئلہ من فی السموات والارض کل یوم ھو فی شان O

"زمین اور آسمانوں میں جو بھی ہیں، سب اپنی حاجتیں اسی سے مانگ رہے ہیں، ہر آن وہ نئی شان میں ہے۔"

کعبہ، مسلمانوں کی نگاہوں کا مرکز و محور:...... آج ہم بیت اللہ میں دیکھتے ہیں کہ وہاں موجود تمام مسلمانوں کی نگاہوں کا مرکز و محور (Cynosure of Eyes) کعبہ ہوتا ہے، وہاں لوگ اگر نماز نہیں پڑھ رہے ہوتے یا طواف نہیں کر رہے ہوتے تو صرف کعبے کی طرف نظریں

جمائے بیٹھے ہوتے ہیں، نگاہیں کعبے کو مسلسل دیکھتے رہنے سے اکتاتی نہیں، گویا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی تعبیر ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں:

فاجعل افئدۃً من الناس تھوی الیھم

"لہٰذا تو (اے اللہ) لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔"

اور آخر یہ کیوں نہ ہو کہ سطح زمین پر خدا کی عبادت کے لئے سب سے پہلا گھر جو تعمیر کیا تھا وہ یہی بیت اللہ ہے:

ان اول بیت وُضِعَ للناس للذی ببکۃ

"بلاشبہ سب سے پہلا عبادت کا گھر جو انسانوں کے لئے تعمیر کیا گیا، وہ وہی مکے میں ہے۔"

مورخین نے لکھا ہے کہ مکے کی وادی کو بسانے والی عظیم خاتون حضرت ہاجرہؓ کا زندگی کے آخری برسوں میں یہی معمول تھا کہ وہ کعبہ کے سامنے بیٹھے ہوئے مسلسل اللہ کے اس گھر کو دیکھتی رہتی تھیں، آج حضرت ہاجرہؓ کی معنوی اولاد یعنی امت مسلمہ کی نگاہوں کا مرکز بھی کعبہ ہی ہے۔

کعبہ کی شکل مکعب (Cube) جیسی ہے اور تمام جیومیٹری کی شکلوں میں سب سے مضبوط شکل، جدید سائنس کے مطابق مکعب (Cube) کی شکل ہوتی ہے، کعبہ اندر سے خالی ہے جو کہ اسلام میں اللہ کے Abstract تصور کی علامت ہے، یعنی:

لیس کمثلہ شئی

"کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں۔"

کعبے کی شکل مکعب کی ہے، جو سب سے قدیم عمارتی ڈھانچہ ہے، برطانوی نو مسلم متکلم اور اسکالر شیخ عبدالحکیم مراد (T.J. Winter) کہتے ہیں کہ "کعبے کی عمارت کے چار کونے دراصل دنیا کی چار سمتوں کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ گھر پوری دنیا کے لئے منبع ہدایت ہے۔"

کعبۃ اللہ، اسلام کی جائے پیدائش:...... دین اسلام کا آغاز کعبے کی آغوش میں ہوا، اسی کعبے کے سائے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت فرمایا کرتے تھے، اسی کعبے کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوتے تھے تو کفار مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمسخر اڑاتے تھے، بلکہ ظالموں نے ایک مرتبہ جب کہ آپ سجدے میں تھے تو آپ پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی، جسے حضرت فاطمہؓ نے آکر روتے ہوئے ہٹایا، اسی کعبے کی غلاف کے پیچھے چھپ کر مکہ کے کافر سردار راتوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب صورت آواز میں قرآن کی تلاوت سنتے تھے، مگر آپس میں اس بات کو ایک دوسرے سے چھپاتے تھے۔

اسی پُر ہیبت گھر کو یمن کے حاکم ابرہہ نے گرانے کی کوشش کی تو اللہ کی بھیجی ہوئی ابابیلوں نے (جو آج کے دور کے ایف سولہ سے بھی زیادہ طاقت ور تھیں) عبرت ناک موت سے دوچار کیا، آج بھی اگر کوئی کعبے کی طرف بری نظر اٹھا کر دیکھے گا تو اس کا وہی حشر ہوگا، جو ابرہہ کا ہوا۔

کعبے کے گرد طواف کے ہجوم کو دیکھ کر میں نے تصور کی آنکھ سے دیکھا کہ اسی طرح کعبے کے گرد ہجوم میں سے لوگ امام مہدی کو ڈھونڈ نکالیں گے اور اللہ کے گھر میں ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، جیسا کہ متعدد احادیث مبارکہ میں بیان ہوا ہے، اس وقت مسلمانوں میں خلافت دوبارہ واپس آ جائے گی۔

کعبے میں مسلمانوں کا عظیم اجتماع:...... کعبے میں مسلمانوں کا عظیم اجتماع بالخصوص رمضان المبارک میں اور حج کے موقع پر ایک ایسی چیز ہے، جس کی دنیا کے کسی دوسرے مذہب یا خطے میں آج بھی مثال نہیں ملتی، اتنے بڑے ہجوم کا کعبے کے گرد والہانہ طواف کرنا ایک ایسا نظارہ ہوتا ہے جو مغربی میڈیا، مغربی ممالک میں اپنے عوام کو وہ دکھانے سے کتراتے ہیں کہ کہیں لوگ یہ دیکھ کر اسلام نہ قبول کر لیں۔

سوڈان کے ماہر نفسیات اور اسلامی عالم ڈاکٹر مالک بدری اپنی کتاب Crises Sociocultural an Islamic Study The Aids میں ایک ماہر نفسیات کی حیثیت سے عمرہ اور حج کرنے والے مسلمانوں کے متعلق اپنے تجزیے میں لکھتے ہیں کہ "ہر سال عمرے اور حج کے لئے کئی ملین مسلمان سفر کے تمام اخراجات اپنی مرضی سے خرچ کر کے مکے پہنچتے ہیں، ہجوم کی مشکلات، سخت گرمی، لق و دق صحرا اور کالے پہاڑ جو ایک بڑے چولہے کی طرح حرارت خارج کر رہے ہوتے ہیں، ان تمام مشکلات کے باوجود عمرے اور حج کا تجربہ روحانی لحاظ سے اتنا موثر ہوتا ہے کہ اکثر حجاج کرام اپنے ممالک واپس لوٹتے ہیں تو ان کی شخصیت بدل چکی ہوتی ہے، نمازیں نہ پڑھنے والے اب نماز پنج گانہ شروع کر دیتے ہیں اور دیگر گناہوں کے کاموں سے بھی وہ باز آجاتے ہیں، بے پردہ عورتیں شرعی پردہ شروع کر دیتی ہیں، البتہ کچھ بدقسمت مسلمان حضرات ایسے بھی ہوتے ہیں جو ہر سال بہ طور پکنک منانے کے عمرے یا حج کے لئے بھاگے چلے جاتے ہیں، لیکن ان کے کردار پر اس کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا، مرد حضرات اللہ کے گھر کے چکر لگانے کے باوجود حرام کی کمائی کے پیشوں سے منسلک رہتے ہیں، کعبے کا والہانہ طواف اور عمرے کرنے والی خواتین اللہ کے گھر میں مسلم خواتین کا شرعی پردہ دیکھ لینے کے باوجود اپنے ممالک واپس جا کر پھر وہی بے پردگی، چست لباس، نامکمل کپڑے اور فیشن پرستی جاری رکھتی ہیں تو دیکھنے والے کو اندازہ ہوتا ہے کہ ایسے خواتین وحضرات عمرہ یا حج کرنے نہیں بلکہ پکنک منانے گئے تھے۔"

بہر حال اس میں شک نہیں کہ اللہ کے گھر کی حاضری میں مسلمانوں کا تزکیہ کرنے کی بے پناہ طاقت موجود ہے۔

کالا برقعہ اور کعبے کا کالا غلاف:...... کعبے کا طواف کرتے ہوئے ایک ایک مشاہدہ یہ سامنے آتا ہے کہ آج طواف کرنے والی خواتین کی اکثریت کالے برقعے اور نقاب میں ملبوس نظر آتی ہے، دل چسپ بات یہ ہے کہ نقاب کرنے والیوں کی اکثریت نوجوان لڑکیوں کی ہے جن کے ساتھ ان کے نوجوان خاوند طواف کر رہے ہوتے ہیں، مزید برآں ان کا تعلق صرف سعودی عرب سے نہیں بلکہ پوری دنیا کے مختلف ممالک بشمول پاکستان سے ہے، یہ مسلم نوجوانوں میں مذہبی بے داری کی اٹھتی ہوئی لہر کی نشانی ہے۔

چوں کہ بخاری ومسلم میں یہ بیان ہوا ہے کہ احرام کی حالت میں عورت چہرہ کھلا رکھے (اگر مرد اسے دیکھ نہ رہے ہوں) تو بعض علماء نے عورتوں کو احرام میں چہرہ کھلا رکھنے کا فتویٰ دے دیا، لیکن آہستہ آہستہ اب نئی مذہبی بے داری کے ساتھ ان تھوڑے سے علماء کو اب سمجھ آرہی ہے کہ طواف کے ہجوم میں جب کہ مرد اور عورت اتنے قریب قریب طواف کر رہے ہوتے ہیں تو ایسے میں عورت کا چہرہ کھلا رہنا فتنے کو دعوت دینے والی بات ہے۔

کنا نغطی وجوھنا من الرجال و کنا نمتشط قبل ذلک فی الاحرام

"ہم مردوں سے اپنے چہروں کو ڈھانپتی تھیں اور ہم حالت احرام میں کنگھی بھی کر لیا کرتی تھیں۔"

حضرت اسماءؓ، حضرت عائشہؓ کی بہن تھیں، آپ کا یہ بیان ثابت کرتا ہے کہ پردے کا حکم صرف ازواج مطہرات کے لئے خاص نہ تھا، علامہ البانی نے اس روایت کو جلباب المرأۃ المسلمہ ص ۱۰۸ پر صحیح کہا ہے۔

عن فاطمہ بنت المنذر انھا قالت: کنا نخمر وجوھنا ونحن محرمات ونحن مع اسماء بنت ابی بکر الصدیق

"حضرت فاطمہ بنت منذرؒ سے روایت ہے کہ ہم حالت احرام میں اپنے چہروں کو ڈھانپ لیتی تھیں اور

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ ہمارے ساتھ ہوتی تھیں۔"

یہ روایت صحیح ہے، علامہ البانی نے بھی اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

اسماعیل بن ابی خالد اپنی والدہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

کنا ندخل علی ام المومنین یوم الترویۃ فقلت لھا: یا ام المومنین ھنا امرأۃ تابی ان تغطی وجھھا وھی محرمۃ فرفعت عائشۃ خمارھا من صدرھا فغطت بہ وجھھا

"ہم (خواتین) ۸ ذی الحجہ کو ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس آتی تھیں تو میں نے کہا: اے ام المومنین! یہاں ایک عورت ہے جو کہ اس بات سے انکاری ہے کہ حالت احرام میں اپنا چہرہ ڈھانپے، تو حضرت عائشہؓ نے اس کی چادر اس کے سینے سے اٹھائی اور اس کے ساتھ اس کے چہرے کو ڈھانپ دیا۔"

یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن قدامہ حالت احرام میں عورت کے پردے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"پس جب عورت مردوں کے قریب سے گزرنے کی وجہ سے اپنے چہرے کو چھپانے کی ضرورت محسوس کرے گی تو اپنے سر سے کپڑا اپنے چہرے پر لٹکا لے گی اور ہمارے علم کی حد تک اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

برطانوی نومسلم اسکالر عبدالحکیم مراد کے مطابق عورت کے برقعے اور نقاب کا کالا رنگ دراصل کالے رنگ کے غلاف کعبہ کی طرح تقدس کا پہلو رکھتا ہے۔

طواف کے دوران جب ہم ملتزم (دیوار کعبہ) پر کعبے کے غلاف سے چمٹ کر لوگوں کو دعائیں مانگتے دیکھتے ہیں تو ہمیں کعبے کا غلاف ماں کے دامن کی طرح لگتا ہے، جسے پکڑ کر بچہ سب دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے، گویا کہ وہ ماں کی آغوش میں چلا گیا ہو۔

جب میں طواف کرنے کے بعد کعبے کے سامنے بیٹھ جاتا اور کعبے کی طرف مسلسل دیکھتا رہتا تو کعبے کے جلال کو دیکھ کر مجھے روس کے جدید آرٹ کے عظیم مصور کازی میر مالی وچ (Kasimir Malevich) یاد آجاتا کہ جب اس نے اپنی مشہور پینٹنگ (Black Square) بنائی جو دراصل کعبے کی تصویر تھی اور غالباً کازمیر کو خود بھی علم نہیں تھا کہ یہ کعبے کی تصویر ہے، یہ تصویر اس نے اپنے وجدان سے بنائی اور اسے جدید دور کی انتہا (Absolute Symbol Of Modernity) قرار دیا بلکہ کہا کہ یہ سب کہانیوں کی انتہا (The End Of All Stories) ہے، یہی نہیں بلکہ اس روسی مصور نے بتایا کہ (Black Square) کی پینٹنگ بناتے ہوئے اس پر عجیب قسم کی ہیبت طاری ہو گئی تھی لیکن جب وہ اس پینٹنگ کے اختتام پر پہنچا تو اسے ایک عجیب قسم کے سکون کا احساس ہوا اور اس احساس کو اس نے اپنی زندگی کا حاصل قرار دیا۔

مالیوچ کے انہی احساسات پر تبصرہ کرتے ہوئے برطانوی سیاح اور مفکر بروس چیٹ ون (Bruce Chatwin) اپنی کتاب (What am I Doing here) میں لکھتا ہے:

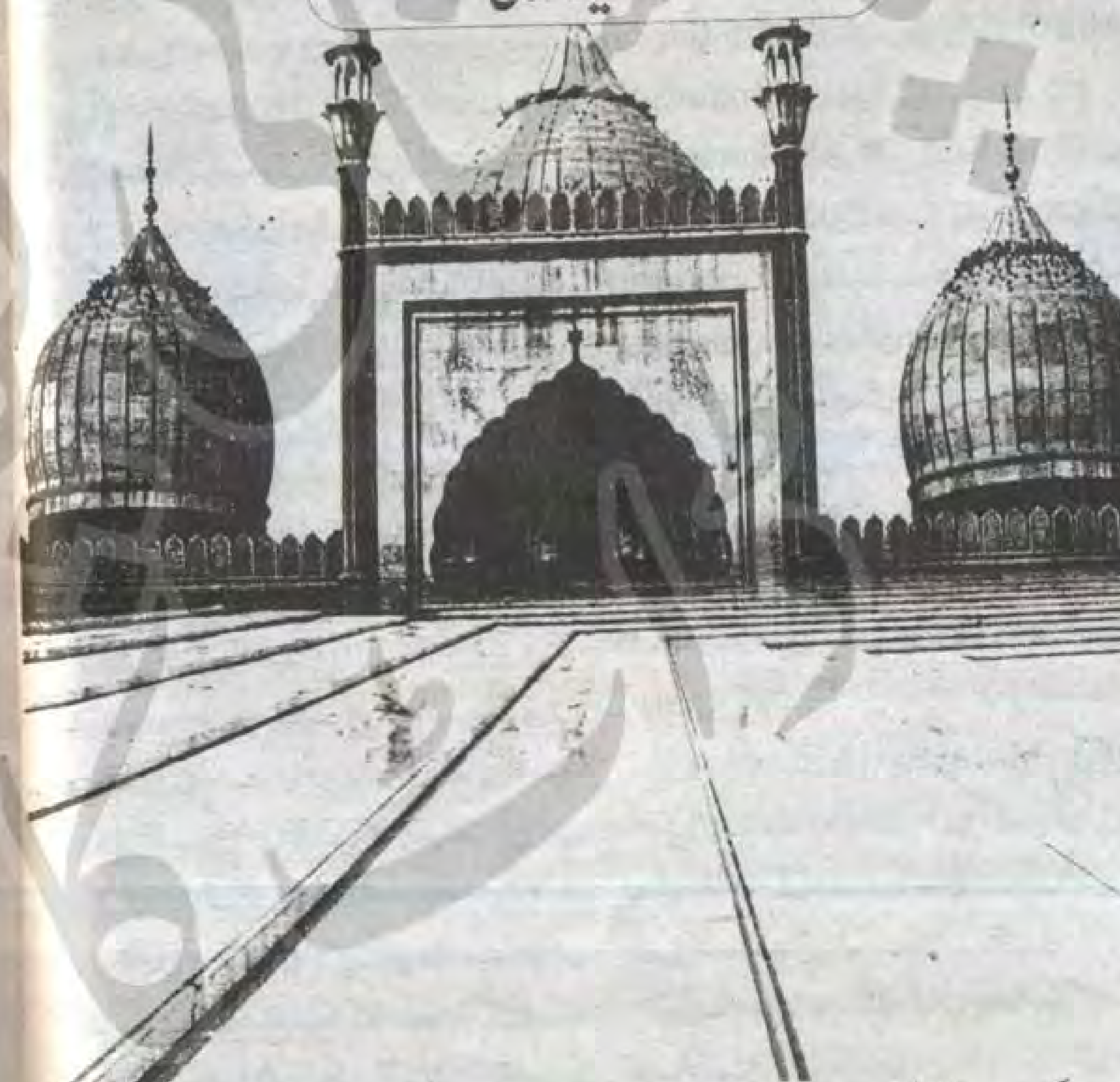
روسی مصور مالیوچ (Malevich) کی کالے مکعب (Black Square) کی پینٹنگ، اس کی جدید دور کی انتہا، دراصل کعبے میں کالے غلاف میں ملبوس کعبے کی پینٹنگ کے مترادف ہے۔ بنجر زمین کی وادی میں واقع ایک مقدس عبادت گاہ جہاں پر خدا کے حضور میں سب لوگ برابر ہوتے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

☆......☆......☆

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

محمد سعید علوی



وہ پاکیزہ رو، خوش شکل، لاغر اندام اور سبک رفتار شخصیت کے مالک تھے، انہیں دیکھ کر آنکھوں کو راحت ملتی اور ان سے مل کر روح کو سکون اور دل کو قرار میسر آتا تھا، علاوہ ازیں بے حد خوش اخلاق منکسر المزاج اور شرم وحیا کے پیکر تھے، لیکن جب کوئی سخت معاملہ پیش آتا یا کوئی کٹھن گھڑی سامنے آتی تو وہ ایک بپھرے ہوئے شیر کی مانند نظر آتے، وہ رونق وصفائی اور تیزی اور کاٹ میں تلوار کی دھار کے مشابہ تھے۔ یہ امت محمدیہ کے امین حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح فہری قریشی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''قریش کے تین آدمی سب سے زیادہ درخشندہ رو، سب سے زیادہ خوش اخلاق اور سب سے زیادہ باحیا ہیں، اگر وہ تم سے بات کریں گے تو کبھی جھوٹ نہیں بولیں گے اور اگر تم ان سے بات کروگے تو کبھی تمہاری تکذیب نہیں کریں گے، وہ ہیں ابوبکر صدیق، عثمان بن عفان اور ابوعبیدہ ابن جراح رضوان اللہ علیہم۔''

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ السابقون الاولون (یعنی ابتدائی مسلمانوں) میں سے تھے، وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلمان ہونے کے دوسرے دن انہی کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت ابوبکر ان کو، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو، حضرت عثمان بن مظعون کو اور حضرت ارقم بن ابی ارقم کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لوگوں نے آپ کے روبرو کلمہ حق کا اعلان کیا، یہ لوگ بنیاد کی وہ خشت اولین تھے جس پر اسلام کی عظیم الشان عمارت تعمیر کی گئی، اگرچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ میں رہتے ہوئے شروع سے آخر تک ان شدید ترین آزمائشوں کو برداشت کرتے ہوئے زندگی گزاری جن میں مسلمانوں کو مبتلا کیا گیا، انہوں نے ابتدائی مسلمانوں کے ساتھ مصائب وآلام کی جو سختیاں جھیلیں، روئے زمین پر کسی دین کے متبعین نے نہ جھیلی ہوں گی، انہوں نے بڑی پامردی اور عزم وحوصلہ کے ساتھ ان ابتلاؤں کا مقابلہ کیا اور ہر موقع پر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچی محبت کا ثبوت دیا، لیکن غزوۂ بدر کے موقع پر وہ جس آزمائش میں مبتلا ہوئے، اس کی سختی ہر خیال وتصور سے بالاتر تھی، وہ جنگ بدر میں صفوں کے درمیان اس طرح بڑھ بڑھ کر اور پینترے بدل بدل کر حملے کررہے تھے، جیسے ان کو نہ تو موت کا کوئی ڈر ہے، نہ ہلاکت کا کوئی اندیشہ، ان کے حملوں نے مشرکین پر ان کی ہیبت طاری کردی اور قریش کے بڑے بڑے سورما ان کا سامنا کرنے سے کترانے لگے، لیکن ان میں سے ایک شخص ایسا تھا جو ہر وقت ان کا سامنا کرنے کی کوشش کرتا اور ہر موقع پر ان کے بالمقابل آجاتا، مگر وہ اس کے راستے سے ہٹ جاتے اور اس کے ساتھ مقابلہ کرنے سے پرہیز کرتے، وہ شخص بار بار ان کے اوپر حملہ آور ہوتا اور وہ ہر بار کترا کر دوسری طرف نکل جاتے، آخر کار اس نے ان کے سارے راستے مسدود کردیئے، ان کے سامنے آکھڑا ہوا اور ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان حائل ہوگیا، جب اس کی یہ حرکتیں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوت برداشت سے باہر ہوگئیں تو انہوں نے اس کے سر پر تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مارا، اس کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے ہوگئے اور وہ بے جان ہوکر زمین پر گر پڑا۔ قارئین کرام یہ اندازہ لگانے کی کوشش نہ کریں کہ یہ مرنے والا شخص کون ہوگا، میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا یہ امتحان ہر قسم کے خیال و گمان سے بلند تھا اور آپ پر حیرت طاری ہوجائے گی، جب یہ بات آپ کے علم میں آئے گی کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا جانے والا شخص کوئی اور نہیں خود ان کے والد عبداللہ بن جراح تھے، انہوں نے اپنے والد کو نہیں، ان کی شخصیت میں پائے جانے والے کفر کو قتل کیا تھا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد کے متعلق قرآن نازل کرتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: ''تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں، وہ ان لوگوں سے

محبت کرتے ہوں، جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت کردیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے، وہ ان لوگوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، وہ اللہ کی جماعت کے لوگ ہیں، خبردار رہو، اللہ کی جماعت والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔"

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے اس بات کا صادر ہونا کچھ حیرت انگیز اور تعجب خیز نہ تھا، وہ اپنی قوت ایمانی، دینی خیر خواہی اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لئے امانت داری کے اس مقامِ بلند پر فائز تھے کہ بہت سے لوگوں کی رشک آمیز نگاہیں ان کی طرف اٹھتی رہتی تھیں، محمد بن جعفر نے بیان کیا ہے کہ ایک بار نصاریٰ کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ "ابوالقاسم! آپ ہمارے ساتھ اپنے اصحاب میں سے کسی ایسے شخص کو بھیجئے جس کو آپ ہمارے لئے پسند کرتے ہوں تاکہ وہ ہمارے درمیان ان جائیدادوں کا فیصلہ کرے جن کے بارے میں ہمارے اندر اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دن کے وقت مجھ سے ملو، میں تمہارے ساتھ ایک قوی امین کو روانہ کروں گا۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں ظہر کی نماز کے لئے بہت سویرے پہنچا، اس روز کی طرح میرے دل میں امارت کی کبھی خواہش نہیں پیدا ہوئی تھی اور امارت کی یہ خواہش میرے دل میں صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ وصف کا میں ہی مصداق ٹھہروں،

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر اپنے دائیں بائیں دیکھنے لگے تو میں اچک اچک کر خود کو نمایاں کرنے لگا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میرے اوپر پڑ سکے، لیکن آپ میری طرف متوجہ ہونے کے بجائے اپنی نگاہوں کو مجمع کے درمیان گردش دیتے رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متجسس نظریں ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جا کر ٹک گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس بلایا اور اہل وفد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے درمیان پیدا شدہ نزاعی معاملے کا برحق اور مبنی برانصاف فیصلہ کردو۔" یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا: "ابوعبیدہ اس فضیلت کو لے اڑے۔"

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف صفت امانت ہی سے متصف نہ تھے، وہ امانت داری کے ساتھ ساتھ زبردست قوت ایمانی کے مالک بھی تھے اور بہت سے مواقع پر ان کی اس قوت کا اظہار ہو چکا تھا، اس قوت کا اظہار خاص کر اس وقت ہوا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایک دستہ قریش کے تجارتی قافلے سے تعرض کرنے کے لئے روانہ فرمایا اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا امیر مقرر کیا تھا، روانگی کے وقت آپ نے کھجوروں سے بھری ہوئی ایک تھیلی ان کے حوالے کی تھی، انہیں زادِ سفر کے طور پر دینے کے لئے اس وقت اس کے علاوہ دوسری کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر نہ تھی، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں میں سے ہر ایک کو روزانہ ایک ایک کھجور دیتے اور ہر شخص اس کھجور کو اس طرح چوستا، جس طرح شیر خوار بچہ ماں کی چھاتیاں چوستا ہے اور اوپر سے پانی پی لیتا تھا اور یہی اس کی پورے ایک دن کی خوراک ہوتی تھی، ان کی قوت ایمانی کا

اظہار اس وقت بھی ہوا تھا جب غزوہ احد کے موقع پر مسلمانوں کو شکست اور ان کے میدان چھوڑ کر بھاگ جانے کے بعد مشرکین پیہم آوازیں لگا رہے تھے۔" ہمیں بتاؤ! محمد کہاں ہے؟ بتاؤ ہمیں کہاں ہے محمد؟؟..... تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دس افراد میں سے ایک تھے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے ان کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھنے والے مشرکین کے نیزوں کو اپنے سینوں پر روک لیں، جنگ ختم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دو دانت شہید ہو چکے تھے، پیشانی مبارک زخمی ہوگئی تھی اور رخسار مبارک میں خود کی کڑیاں چبھ گئی تھیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو رخسار مبارک سے نکالنا چاہا تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں قسم دے کر کہا کہ یہ کام آپ میرے لئے چھوڑ دیں اور انہوں نے چھوڑ دیا کہ ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خدمت انجام دیں، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر وہ ان کڑیوں کو ہاتھوں سے کھینچ کر نکالتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوگی، اس لئے انہوں نے ایک کڑی کو دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑا اور زور لگا کر کھینچا تو وہ باہر آگئی مگر ساتھ ہی ان کا ایک دانت بھی ٹوٹ گیا، پھر انہوں نے دوسری کڑی کو بھی اپنے دانتوں کی مضبوط گرفت میں لے کر زور لگایا، کڑی پیشانی مبارک سے نکل گئی، مگر ان کا دوسرا دانت بھی ٹوٹ کر الگ ہوگیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ "ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں سب سے اچھے ہیں، جن کے آگے کے دانت ٹوٹے ہوئے ہوں۔"

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شروع سے آخر تک تمام غزوات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے اور جب سقیفہ بنی ساعدہ کا موقع آیا (جس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک پر خلافت کی بیعت کی گئی تھی) تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ "اپنا ہاتھ بڑھایئے، آپ کی بیعت کروں، اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے یہ کہتے سنا ہے کہ ہر امت کا امین ہوتا ہے اور ہماری امت کے امین تم ہو۔" تو انہوں نے جواب دیا کہ "میں اس شخص سے آگے بڑھنے کی جرات کیسے کرسکتا ہوں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم مسلمانوں کا امام بنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک وہ ہماری امامت کرتا رہا۔" اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستِ مبارک پر خلافت کی بیعت ہوگئی تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق وصداقت کے معاملے میں ان کے بہترین خیر خواہ اور خیر وفلاح میں ان کے قابل اعتماد و معاون ثابت ہوئے، پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے خلافت کی وصیت کی اور اس کی ذمہ داریاں ان کے سپرد کیں تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکمل طور پر ان کی اطاعت کی اور ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی ان کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی، وہ کون سا موقع تھا جب حضرت ابوعبیدہ نے خلیفۃ المسلمین کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی؟......

ہوا یہ کہ جس زمانے میں شام کے علاقے میں لشکر مجاہدین کی قیادت فرما رہے تھے اور یکے بعد دیگرے فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑتے ہوئے پورے علاقے کو فتح کرتے ہوئے ایک طرف مشرق میں دریائے فرات اور دوسری جانب شمال میں ایشیائے کوچک تک پہنچ گئے تھے۔ شام میں اچانک

طاعون کی زبردست اور غیر معمولی وبا پھوٹ پڑی جس نے بے شمار انسانوں کو اپنے بھیانک خونی پنجوں میں جکڑ لیا اور دیکھتے دیکھتے انگنت انسان لقمۂ اجل بن گئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا علم ہوا تو وہ سخت تشویش میں مبتلا ہوگئے اور انہوں نے ایک قاصد کو اس پیغام کے ساتھ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا کہ ''اچانک مجھے ایک ضرورت پیش آگئی ہے جس میں میرے لئے آپ سے مشورہ کرنا ناگزیر ہے، میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ اگر میرا خط آپ کے پاس رات کے وقت پہنچے تو صبح کا انتظار کئے بغیر عازم سفر ہو جائیے اور اگر دن کو ملے تو شام ہونے سے پہلے رخت سفر باندھ لیجئے۔'' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خط ملا تو انہوں نے فرمایا: ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ امیر المومنین کو مجھ سے کیا ضرورت ہے، وہ ایک ایسے شخص کو بچانا چاہتے ہیں جو بچنے والا نہیں ہے۔'' پھر انہوں نے ان کے جواب میں لکھا: ''امیر المومنین میں سمجھ گیا کہ آپ کو مجھ سے کیا ضرورت ہے، میں مسلمانوں کے لشکر میں اور اپنے دل میں اس قسم کی کوئی خواہش نہیں پاتا کہ میں اپنے آپ کو اس وبا سے محفوظ کرلوں، جس میں یہ سب لوگ مبتلا ہیں، میں اس وقت تک ان سے الگ نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے بارے میں اپنا فیصلہ نافذ نہیں کر دیتا، اس لئے جب میرا یہ خط آپ کو ملے تو آپ مجھے اپنی قسم سے بری کر دیجئے اور مجھے یہاں ٹھہرنے کی اجازت مرحمت فرما دیجئے۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خط پڑھا تو رونے لگے اور ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے، حاضرین نے ان کی شدتِ گریہ کو دیکھ کر پوچھا کہ کیا ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوگیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ''نہیں، ان کا انتقال نہیں ہوا ہے مگر موت ان سے زیادہ دور نہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اندیشہ غلط نہیں تھا اس لئے کہ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد وہ طاعون میں مبتلا ہوگئے اور جب ان کی موت کی گھڑی قریب آگئی تو انہوں نے اپنی فوج کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ''میں تم لوگوں کو ایک وصیت کر رہا ہوں، اگر اس پر عمل کرو گے تو ہمیشہ خیر و فلاح پر قائم رہو گے، دیکھو! نماز قائم کرو، ماہ رمضان کے روزے رکھو، صدقہ و خیرات کرتے رہو، حج اور عمرہ ادا کرو، آپس میں ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کیا کرو، اپنے امراء کے ساتھ خیر خواہی کرو، ان کے ساتھ خیانت اور فریب سے کام نہ لو اور دنیا تم کو دھوکے میں نہ ڈالے، اس لئے کہ اگر آدمی کو ہزاروں سال کی طویل زندگی بھی مل جائے، تب بھی اس کے لئے اس انجام سے دوچار ہونا ضروری ہے، جس سے اس وقت میں دوچار ہوں، والسلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔''

پھر انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا: ''معاذ! میرے بعد لوگوں کو نماز تم پڑھاؤ گے۔'' اور تھوڑی دیر بعد طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ انتقال کے بعد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگوں تم ایک ایسے شخص کی موت کے صدمے سے دوچار ہو کہ بخدا میں نے آج تک کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اس سے زیادہ مخلص و پاک طینت اور اس سے زیادہ شر و کینہ سے دور رہو، نہ میں نے کسی ایسے شخص کو دیکھا جو اس سے زیادہ آخرت سے محبت کرنے والا اور مسلم عوام کا خیر خواہ ہو، اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحم کی دعا کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحم فرمائے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورضواعنہ

☆......☆......☆



میری جڑیں یوں تو مشرق سے پیوستہ ہیں، لیکن میرا تعلق مغرب کے بے پناہ آزاد ماحول سے ہے، کیونکہ میرے والدین پاکستان سے ہجرت کر کے تیس سال سے امریکہ میں ہی رہائش پذیر گرین کارڈ ہولڈرز میں شمار ہوتے ہیں، ہم تین بہن بھائی ہیں، دو میرے بڑے بھائی اور ایک میں خود اکلوتی بہن، میرے والدین کو مذہب سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی، انہوں نے ہمیشہ اپنے کو مذہب کی بندشوں سے آزاد رکھا اور ایک بھرپور آزادانہ زندگی گزاری، پاپا کا تو یہی کہنا تھا کہ زندگی ایک بار ملتی ہے، اس لئے خوب انجوائے کر کے گزارو، مما بیچاری کو اپنی مشرقی روایت اور اپنے مذہب سے تھوڑی، بہت دلچسپی تھی اور پاپا کے انتقال کے بعد مما تو بہت ٹوٹ کر بکھر گئیں تو اپنی تنہائی سے گھبرا کر انہوں نے بے حد اصرار سے میری نانو کو پاکستان سے اپنے پاس امریکہ بلا لیا، نانو کو تو اس مغربی ماحول سے سخت نفرت تھی، وہ مما کو اکثر ڈانٹتی رہتیں کہ تمہاری اولاد کے رنگ ڈھنگ نرالے ہیں، تمہارے نانا دادا کا شمار تو عالموں اور مفتیوں میں ہوتا ہے، افسوس ان کی اولادیں بے دین اور بے راہ، نہ نماز روزے کی پابند، نہ اللہ رسول کو ماننے والی، مظہر میاں کو تو میں کیا کہوں، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، پر عطرت تجھے کبھی احساس نہیں ہوا کہ تو گمراہی کے راستے پر سفر کر رہی ہے، آخر تو کیا منہ لے کر اللہ کے پاس جائے گی، مجھے تو تم سے زیادہ تمہارے بچوں کی فکر کھائے جا رہی ہے کہ ان کا مستقبل کیا ہوگا؟ نانو کے روکنے ٹوکنے سے میں اور مما تو مسکرا کر چپ ہو جاتے، لیکن میرے دونوں بھائیوں کو اپنی زندگی میں نانو کی مداخلت بہت ہی ناگوار لگتی تھی، صائم اور ندیم کا مما سے ہر

روز یہی جھگڑا رہنے لگا کہ نانو کو واپس پاکستان بھیج دو، پہلے تو میری نانو امریکہ آنے کو تیار نہ تھیں اور جب یہاں آ گئیں تو ہم سب کو سدھارے بغیر جانے کو تیار نہ تھیں، وہ بہت محبت کرنے والی جہاں دیدہ خاتون ہیں، انہوں نے ہم سب کو قرآن شریف پڑھانا شروع کیا، آہستہ آہستہ نماز سکھائی میں اور مما تو نانو کی محبت میں سب کچھ کرنے پر تیار ہو جاتے، مگر صائم اور ندیم نے ایک دن بھی نانو کی کسی بات کو نہ مانا، وہ دونوں یونیورسٹی سے آنے کے بعد بھی اپنا زیادہ وقت باہر ہی گزارتے، اسی دوران مما کے بھائی کا ایک بیٹا نبیل ماسٹرز کرنے نانو کے پاس آ گیا، نانو اپنے پوتے کو دیکھ کر خوشی سے نہال رہتیں، نبیل ہوسٹل میں رہنا چاہتا تھا، مگر نانو اور مما کسی طرح اسے ہوسٹل میں رہنے نہیں دینا چاہتیں تھیں، آخر اس نے مما اور نانو کی محبت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور نانو کے کمرے کو اپنی رہائش گاہ بنا لی، میں نے تو اپنی زندگی میں اتنا شریف النفس لڑکا نہیں دیکھا تھا، ایک تو وہ مجھ سے مخاطب ہی کم ہوتا اور اگر کسی وجہ سے مخاطب ہو تو بالکل نیچی نگاہ کئے وہ بات کرتا، میں شروع شروع میں اکثر سوچتی کہ اس لڑکے میں کس قدر خود اعتمادی ہے کہ اسے بات کرنے میں جھجک ہوتی ہے، یہ بھلا یہاں کی یونیورسٹی میں کیسے ماسٹرز کی ڈگری لے سکتا ہے، لیکن جب میں اسے مما اور نانو کے ساتھ خود اعتمادی سے باتیں کرتے، بات بات پر قہقہے لگاتے دیکھتی تو حیران ہو جاتی، ایک دن میں نے اس کا سبب پوچھ لیا تو اس کے جواب میرے لئے اور حیران کن تھا کہ مما اور نانو تو اس کے لئے محرم ہیں، مگر میں اس کے لئے نامحرم ہوں، خیر میں نے تو اس فلسفہ میں پر بات کرنا مناسب نہ سمجھا اور میں نے بھی اس سے بات کرنا اپنی خود داری کی وجہ سے چھوڑ دی کہ ایک شخص جب بات کو ہر طریقے سے اللہ اور اس کے راستے پر جلانے کی کوشش میں رہیں، نہ جانے اللہ نے میری کیا بات پسند فرمائی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے نانو کے بہت قریب کر دیا جبکہ صائم اور ندیم نے نانو سے فاصلہ اور بڑھا لیا، صائم نے نوکری ملتے ہی اپنے رہنے کے لئے ایک الگ فلیٹ لے لیا، وہاں کی سوسائٹی میں تو یہ قابل فخر بات تھی، مگر میری مما صائم کی جدائی پر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں، کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ پودے سے ایک بار پھول ٹوٹ کر الگ ہو جائے تو دوبارہ پیوست نہیں ہو سکتا، اب صرف کرسمس کے تہوار، مدرڈے پر ہی صائم کی شکل نظر آئے گی، یا اس کا خوب صورت لفظوں سے لکھا ہوا کارڈ مل جایا کرے گا، ابھی صائم کی ہی جدائی کا غم تازہ تھا کہ مما اور نانو کو محسوس ہوا کہ ندیم کے کمرے میں سے عجیب سے دھوئیں کی بو آتی ہے، نانو نے سختی سے پوچھا تو وہ چیخ پڑا، اولڈ وومین، تم کون ہوتی ہو مجھ سے پوچھنے والی، میری زندگی میں دخل دینے والی؟ نانو تو حیرانی سے ندیم کو تکے جا رہی تھیں، نبیل نانو کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گیا، پوری رات نانو نبیل کو اپنے سینے سے لپٹائے روتی رہیں، میں ایک دو دفعہ ان کو پانی پلانے، کھانا کھلانے ان کے پاس گئی، لیکن ان کے دل پر ایسی چوٹ تھی کہ ان سے کچھ کھایا پیا نہیں گیا، ایک دن ندیم کے کمرے کی صفائی کے دوران مما کو دو تین ڈسپوزیبل انجکشن بھی مل گئے، جو انہوں نے میرے کالج سے آنے کے بعد مجھ کو دکھائے، اب ہمیں پورا یقین ہو گیا کہ ندیم نشے کا عادی ہوتا جا رہا ہے، جب ہی وہ اس قدر ہائپر ہو جاتا ہے، مما نے رات کو اس کے کمرے میں جا کر بہت پیار سے سمجھایا، مگر پہلے تو وہ کسی طرح ماننے کو تیار نہ ہوا اور جب مما نے ذرا سختی کا رویہ اختیار کیا تو اس نے دھمکی دی، وہ اپنے رہنے کا کسی دوست کے یہاں انتظام کر لے گا، مما بیچاری پپا کو یاد کر کے آنسو بہاتیں رہتیں، اگر پپا زندہ رہتے تو یہ سب کچھ نہ ہوتا، مگر نانو یہی سمجھاتیں کہ یہ سب کچھ مظہر میاں کی زندگی میں بھی ہوتا، اس لئے کہ تم لوگوں نے اپنے بچوں کو جب مغرب کی تہذیب کے حوالے کر دیا ہے تو انجام تو یہی ہونا ہے، نہ یہ دین کے رہیں گے، نہ دنیا کے، بس اب اپنے دل و دماغ کو سنبھالو، اللہ سے لو لگاؤ،

وہی تمہاری نیا پار لگا سکتا ہے، نانو اب پاکستان واپس جانا چاہتی تھیں، انہیں اپنا دیس اور اولادیں بہت یاد آتی تھیں، مگر مما ان کی جدائی کا سوچ کر ایسا روتیں کہ وہ بیچاری چپ ہو جاتیں، پھر مما نے یہ طے کیا، چھ ماہ بعد جب نبیل ماسٹرز کر کے جائے گا تو ہم سب مل کر پاکستان گھوم کر آئیں گے، نانو نے مجھے نماز اور قرآن کا ایسا عادی بنا دیا کہ مجھے بے پناہ روحانی سکون ملنے لگا، نانو نے میری تربیت کے دوران مجھے میرے رب سے ایسا قریب کر دیا کہ میں نے اپنے لباس، اپنے رہن سہن، اپنی سوچ میں ایسی تبدیلی پیدا کر لی کہ مما بھی مجھے دیکھ کر خوشی کے ساتھ حیران بھی ہو جاتی تھیں، خاص کر جب میں نے اسکارف باندھ کر یونیورسٹی جانا شروع کیا تو مما نے بے اختیار میری پیشانی چوم لی، ادھر مما کے خوش ہونے کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ نبیل نے ندیم کے اوپر نہ جانے کیسا جادو کیا تھا کہ آہستہ آہستہ وہ بھی ہدایت کی طرف آنے لگا تھا، بلکہ نبیل کو کئی دفعہ اپنے ساتھ اسلامک مشن سینٹر بھی لے گیا، پھر میں نے بھی ندیم کے ساتھ باقاعدگی سے اسلامک مشن سینٹر جانا شروع کر دیا تھا، وہاں مذہب اسلام کے بارے میں مکمل معلومات کی، ایسے لٹریچر ہمیں مل گئے کہ ہم پر آگہی کے در وا ہو گئے کہ ہم حیران تھے کہ اتنے برسوں سے اسلامک مشن سینٹر کے اتنے قریب رہے، جانے کے باوجود ہم اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے، شاید اس کی وجہ نانو اور نبیل کی آمد کے ساتھ اللہ بزرگ و برتر کی توفیق تھی، چھ ماہ بعد جب نبیل اور نانو واپس پاکستان جا رہے تھے تو مما نے ایک عجیب اور انوکھی سی تجویز ہمارے سامنے رکھ دی کہ اب ہم لوگوں کو بھی پاکستان میں سیٹل ہو جانا چاہئے، کیونکہ ہمارا اصل وطن تو وہی ہے، ہماری پہچان تو پاکستان ہی ہے اور یہیں ہماری جڑیں پیوستہ ہیں، تمہارے پپا کے انتقال کے بعد اب مجھے یہاں کی زندگی میں مزا نہیں آ رہا ہے، لیکن تم لوگوں پر کوئی زور زبردستی نہیں ہے، اگر تم لوگوں کو پاکستان میں رہنا اچھا لگے اور دل لگ جائے تو پھر ہم یہ فیصلہ کریں گے، ورنہ ہم اپنا فیصلہ بدل کر واپس آ جائیں گے اور انہوں نے اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کیا، ندیم کے لئے وہ وہاں اپنے بہن بھائیوں کی بچیوں میں کسی بہت سمجھدار پیاری لڑکی کو چن لیں گی اور میرے لئے تو نبیل بہت اچھا رہے گا، لیکن مما آپ کے کہنے سے کیا ہوتا ہے، ہو سکتا ہے نبیل کسی اچھی مسلم پاکستانی کلچرڈ لڑکی سے شادی کرنا چاہ رہا ہو، مما نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا، میں نہیں، مگر اس کو تو تمہاری نانو ضرور راضی کر لیں گی، کیونکہ وہ ان کی کوئی بات نہیں ٹالتا ہے، میں نے بہت آہستگی سے کہا، مما مجھے تو زبردستی کے رشتے پسند نہیں، آپ لوگ اس سے زبردستی ہاں مت کروا دیجئے گا، نانو ہمارے پاکستان جانے کے فیصلے سے بہت ہی خوش تھیں، میں اپنے کمرے میں سوٹ کیس کی پیکنگ میں مصروف تھی کہ نبیل کی آواز پر چونک اٹھی، جو اندر آنے کی اجازت مانگ رہا تھا، میری ہلکی سی ہاں کہنے پر وہ اندر آ گیا، بغیر کسی تمہید کے گویا ہوا، کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی، میں نے نظریں جھکائے جھکائے کہا، نبیل میں اس وقت آپ سے شادی کروں گی، جب یہ فیصلہ صرف اور صرف آپ کا اپنا ہو، مما اور نانو کے اصرار پر زندگی کے اتنے اہم فیصلے نہیں کئے جاتے، اس فیصلے سے دو زندگیاں وابستہ ہوتی ہیں، اسی لئے ہمارے مذہب نے لڑکے اور لڑکی دونوں کے اقرار پر نکاح کی اجازت دی ہے، اگر میں آپ کے معیار، آپ کی پسند کے مطابق نہیں ہوئی تو؟ تو میں جب بھی آپ کو گوارا کر لیتا، کیونکہ آپ بہت خوبصورت ہیں، میری پہلی اور آخری محبت بھی، ویسے قطع کلامی معاف، آپ بہت ذہین ہیں، یہ سوال آپ اس لئے کر رہی ہیں کہ میں اظہار محبت کر سکوں، نبیل کی پیار بھری نگاہوں کی تپش سے اس کا چہرہ گلنار ہونے لگا، میں ادھ کھلی کلی کی طرح مسکرا اٹھی۔

☆......☆......☆



عاملوں کے ہیر پھیر اور دوسروں کو بے وقوف بنانے اور سودہ لوح اہل ایمان کے ایمان پر ڈاکہ

"کاروبار میں ترقی، پسند کی شادی، جادو کا علاج، بندش کا خاتمہ، اولاد کا نہ ہونا، ہر پریشانی، ہر مشکل کا فوری حل، ہر تمنا پوری ہوگی، اپنی قسمت بدلئے 100 فیصد گارنٹی کے ساتھ۔"

اریبہ مسکان 2nd Year کا آخری پیپر دینے کے بعد گھر آنے کے لئے گاڑی میں سوار ہوئی تو سیٹ پر پڑے چھوٹے سے پمفلٹ کو اٹھا کر پڑھنے لگی، پھر دل ہی دل میں کہنے لگی، "یہ پمفلٹ امی کو دوں گی" اور پمفلٹ اپنے بیگ میں رکھ لیا۔

☆......☆......☆

اریبہ کا تعلق ماڈرن فیملی سے ہے، اریبہ کے دو بھائی ہیں، ایک بھائی جس کا نام محمد علی ہے، شادی شدہ اور ڈاکٹر ہے جبکہ دوسرا بھائی جس کا نام محمد حسنین ہے، غیر شادی شدہ، ایم بی اے کی تعلیم سے آراستہ ہے۔ محمد علی کی شادی کو عرصہ 5 سال ہوگئے، مگر اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے محروم رکھا ہے، محمد حسنین کو ایم بی اے مکمل کئے سال ہوگیا، تلاش کے باوجود مطلوبہ job (نوکری) نہیں ملی اور خود اریبہ کے اچھے اچھے رشتے آئے، مگر کہیں بات پکی نہیں ہوئی اور اریبہ کے والد جو ایک نامی گرامی بزنس مین ہیں ان کا بزنس بالکل ٹھپ ہوگیا، ان مسائل کی وجہ سے اریبہ کا پورا گھرانہ خصوصاً اریبہ کی والدہ زرینہ حیات انتہائی پریشان ہیں۔

☆......☆......☆

صائمہ، اریبہ کے گھر داخل ہوئی وہ بہت جلدی میں تھی، جلدی سے اریبہ کو آواز لگائی، جلدی جلدی تیار ہو کر آجانا، شائستہ کی شادی پر ملتے ہیں۔

اریبہ، جو فنکشن کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھیں، نے منہ کڑوا کر کے کہا، تمہیں جانا ہو تو چلی جانا، مجھے نہیں جانا۔

کیوں؟ کیا ہوا؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟

صائمہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

ہاں ٹھیک ہے میری طبیعت، شائستہ کا نام نہ لیا کرو میرے سامنے، اریبہ نے جواباً کہا، نامعلوم کیوں اتنی نفرت ہوگئی اسے شائستہ سے، اس کا تو کوئی لمحہ شائستہ کے بغیر گزرتا نہیں تھا، صائمہ نے دل ہی دل میں کہا۔

کوئی بات نہیں، جب غصہ ٹھنڈا ہوگا تو خود ہی چلی آئے گی، صائمہ نے سوچا اور کچھ کہے بغیر چلی گئی۔

☆......☆......☆

شائستہ، صائمہ اور اریبہ تینوں بچپن کی دوست تھیں اور تینوں ہم پیالہ، ہم نوا تھیں، شائستہ نے میٹرک تک دونوں کے ساتھ پڑھا، مگر گھریلو حالات کی تنگی کے باعث آگے نہ پڑھ سکی، مگر تینوں ایک دوسرے سے اکثر ملا کرتی تھیں، کبھی تو صائمہ کے گھر، کبھی اریبہ کے گھر، کبھی شائستہ کے گھر اور کبھی کسی فنکشن میں، گزشتہ دو ماہ سے اریبہ اور شائستہ کی ملاقات نہیں ہوئی تھی، شائستہ کی شادی کی تاریخ طے ہوگئی، اریبہ کو پتہ بھی چلا مگر اس نے کوئی دلچسپی نہ لی، جس کی وجہ سے شائستہ پریشان تھی۔ صائمہ نے جلدی جلدی تیاری کی اور اپنی والدہ سکینہ کے ہمراہ شادی کی تقریب میں پہنچ گئی، کافی وقت گزرنے کے باوجود اریبہ نہ پہنچی، شائستہ بھی بار بار اریبہ کے متعلق پوچھتی رہی تو صائمہ یہ جواب دیتی رہی کہ آ رہی ہوگی یا پھر طبیعت خراب ہوگی اس کی۔ جب شائستہ اریبہ کی آمد سے ناامید ہوگئی تو صائمہ کو دکھی لہجے میں کہا کہ اریبہ گزشتہ دو ماہ سے اس کے ساتھ ایسا کر رہی ہے، شائستہ نے یہ بھی بتایا کہ اس نے اریبہ کے گھر کے دو تین چکر اس عرصے میں لگائے، مگر اریبہ اپنے گھر میں نہیں تھی، خالہ کے گھر تھی، آخر شائستہ کی رخصتی ہوگئی، مگر اریبہ نے نہ آنا تھا سو وہ نہ آئی۔

☆......☆......☆

شائستہ کا گھر پہلے اریبہ کے گھر کے قریب تھا، چھ ماہ ہوئے شائستہ کے ابو نے دوسرے محلے میں گھر خریدا تھا اور پورا گھرانہ وہاں منتقل ہو چکا تھا، مگر شائستہ اریبہ سے اکثر اس کے گھر ملنے آجایا کرتی تھی اور اریبہ بھی ہفتے میں دو چکر لازمی شائستہ کے گھر کے لگاتی، مگر پچھلے دو ماہ سے اریبہ اور شائستہ کی ملاقات نہیں ہوئی، جس کی بنا پر شائستہ کافی پریشان تھی، اس نے اریبہ کے گھر کے چکر بھی لگائے مگر اریبہ کو جونہی خبر ہوتی کہ شائستہ اس کے گھر آئی ہے، وہ گھر میں کہیں چھپ جاتی یا پھر خاموشی سے خالہ کے گھر کی طرف نکل جاتی، شائستہ کا خیال تھا کہ شادی پر تو ملاقات ہو ہی جائے گی، مگر اریبہ شادی پر بھی نہ آئی، جس کی وجہ سے شائستہ کی پریشانی مزید بڑھ گئی۔

صائمہ کو بھی بہت دکھ ہوا کہ اریبہ شائستہ کی اتنی پرانی دوست ہونے کے باوجود شائستہ کی شادی میں شریک نہیں ہوئی، اگر کوئی ناراضگی تھی تو کم از کم مجھے تو بتلا دیتی، صائمہ نے دل ہی دل میں کہا، صائمہ نے یہ ٹھان لی تھی کہ وہ اریبہ سے وجہ ضرور معلوم کرے گی کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔

☆......☆......☆

چھٹیاں ختم ہونے کے بعد دونوں کی ملاقات کالج کی کینٹین میں ہوئی تو صائمہ نے اریبہ سے پوچھا، شائستہ کی شادی میں کیوں نہیں آئی؟ کیا وجہ تھی؟ جبکہ اس کی نظریں تمہیں ڈھونڈ رہی تھیں۔ اریبہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں، منہ دوسری طرف پھیر کر آنکھیں صاف کرلیں، مگر کوئی جواب نہ دیا، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد صائمہ دوبارہ بولی، آخر اتنی کون سی بڑی بات ہوگئی، جس کو تم اپنی فرینڈز سے شیئر نہیں کرسکتی؟ اریبہ نے آہستہ سے کہا کہ ہمارے پیر صاحب نے روکا تھا شائستہ سے ملنے اور اس کی شادی پر جانے سے۔ کون سے پیر صاحب؟ کس پیر کی تم بات کر رہی ہو؟؟؟...... صائمہ نے حیران ہو کر پوچھا۔ اریبہ نے جواب دیا: وہ پیر صاحب جو وحید آباد میں پٹڑی کے پار ایک چھپر کے نیچے بیٹھتے ہیں۔ تو کیا کہا اس نے؟ صائمہ نے پھر سوال کیا۔ اس نے کچھ لوگوں کے گھر جانے سے منع کیا اور بہت زیادہ احتیاط

کرنے کو کہا، اتنے میں گھنٹی بجی، صائمہ نے کہا، چلو مس سمیہ آگئی ہوں گی، پھر بات کریں گے۔

☆......☆......☆

صائمہ بیٹا، کھانا آپ کا انتظار کر رہا ہے؟ صائمہ کی امی سکینہ نے آواز لگائی۔ ابھی آئی امی، صائمہ نے جواباً کہا، صائمہ ہاتھ دھو کر دستر خوان پر آبیٹھی۔ کھانے کے دوران صائمہ نے اپنی پریشانی اپنی والدہ کو بتلائی تو اس کی والدہ نے کہا: بیٹی یہ پیر نہیں، یہ لٹیرے ہوتے ہیں، جو لوگوں کے مال کے ساتھ ساتھ لوگوں کا نظریہ بھی لوٹ لیتے ہیں، سادہ لوگ ان نام نہاد پیروں کے ہتھے چڑھ کر بے چینی، مایوسی، ڈپریشن جیسی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں، پھر مستقل پریشانیوں کے باعث نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں، ایسے لوگ اللہ رب العزت کے مضبوط سہارے کو بھول جاتے ہیں۔

☆......☆......☆

صائمہ کی والدہ عالمہ، فاضلہ تو نہیں تھیں، پر حافظ اور عالم دین کی بیٹی تھیں اور دینی کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کرتی تھیں، جس کی وجہ سے ان کے نظریات و عقائد بہت مضبوط تھے اور ہر کام کو شرعی طریقے پر سر انجام دینے کی پوری کوشش کرتی تھیں، صائمہ کے گھر دینی رسائل و جرائد باقاعدگی سے مسلسل ہر ماہ آتے تھے، جس کی وجہ سے گھر کا سارا ماحول دین کی خوشبوئیں بکھیرتا تھا، صائمہ کی والدہ اور اریبہ کی والدہ دونوں کزن تھیں، صائمہ کی والدہ سمجھ گئی کہ زرینہ حیات پیروں کے چکر میں آگئی ہے۔ اچھا بیٹی! کل زرینہ باجی کے گھر اکٹھے جائیں گے، ذرا جلدی جلدی میرے ساتھ گھر کے کام کرالینا، صائمہ کی والدہ نے کہا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن صائمہ کی چھٹی تھی، 11 بجے تک گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر وہ اپنی والدہ کے ساتھ اریبہ کے گھر کو چل دی۔ اریبہ کے گھر کی گھنٹی بجی، تھوڑی دیر بعد صائمہ اپنی والدہ کے ساتھ اریبہ کے گھر میں تھی، اریبہ صائمہ کی آواز سن کر نہ چاہتے ہوئے بھی T.V کو OFF کیا اور اپنے کمرے سے باہر آگئی، زرینہ حیات اپنی کزن سکینہ سے کافی دنوں بعد ملاقات کر کے کافی خوش نظر آرہی تھی، رسمی دعا سلام اور کافی دیر تک آپس کی گفتگو کے بعد سکینہ نے کہا: آج کل ہمارے اوپر عجیب و غریب حالات ہیں، ہر ایک اپنے آپ کو غیر محفوظ خیال کرتا ہے، ہر شخص عجیب و غریب وسوسوں کا شکار ہے، خوف، ڈر اور اندیشوں نے ہمارے گھروں کی رونقیں چھین لی ہیں، زرینہ نے کہا، ہاں ہاں واقعی یہی حالت ہے بہن، تم تو جانتی ہو حسنین کے پاس ڈگریاں ہونے کے باوجود نوکری نہیں مل رہی، محمد علی اور اس کی بیوی کا چیک اپ کرایا تو ڈاکٹروں نے کہا، دونوں میں کوئی نقص نہیں، مگر پانچ سال ہوگئے، دونوں اولاد کی نعمت سے محروم ہیں اور میری اپنی طبیعت بھی کافی دنوں سے خراب ہے اور اریبہ کے ابو کا بزنس بالکل ٹھپ ہوگیا اور اریبہ کے اچھے رشتے آنے کے باوجود کہیں دل نہیں جم رہا۔ میں تو بہت پریشان ہوں، کچھ دن پہلے اریبہ ایک پمفلٹ لے کر آئی، اس پر ایک پیر صاحب کا پتہ وغیرہ لکھا ہوا تھا، تو میں اپنی بہو اور اریبہ بیٹی کو فوراً اس کے پاس لے کر گئی تو پیر صاحب نے کہا کہ ان کا حساب کرنا پڑے گا اور 5 ہزار خرچہ لگے گا، مرتے کیا نہ کرتے، 5 ہزار اس کو دیے، اس نے تسبیح پر موکلات کو حاضر کیا، پھر کہا کہ میرے موکلات یہ بتاتے ہیں کہ تیری بہو پر تعویذ ہیں اور اریبہ کی بندش ہے اور تمہارے پورے گھرانے پر کالا جادو ہے، اب شکر ہے پیر صاحب نے موکلات کے ذریعے سب چیزیں ختم کردیں، اب ان شاء اللہ ہمارے حالات جلد بدل جائیں گے، زرینہ نے پوری اسٹوری سنادی۔

اچھا پیر صاحب نے یہ بتایا کہ یہ تعویذ وغیرہ کئے کس نے ہیں؟ اور کیوں کئے ہیں؟ سکینہ نے پوچھا (اریبہ اور صائمہ بڑی دلچسپی سے دونوں کی باتیں سن رہی تھیں)

زرینہ بولی، ہاں میں نے پیر صاحب سے پوچھا تو پیر صاحب نے کہا، ہم لوگ یہ نہیں بتاتے کہ کس نے کیا ہے، اتنا کر دیتا ہوں کہ تمہیں جن پر شک ہو، ان کے نام بتاؤ، اگر ان میں سے کوئی ہوا تو اتنا بتاؤں گا کہ ہاں، ان میں سے ہے، اگر نہیں ہوا تو کہوں گا نہیں ہے۔

تو میں نے کچھ نام بتائے تو پیر صاحب نے کہا، ہاں، ان میں سے ایک ہے اور پیر صاحب نے کہا کہ جن ناموں کے شروع میں "ش" آتا ہے، ان کا خصوصی خیال رکھنا، زیادہ میل جول نہ رکھنا اور ان کے گھر کی کوئی چیز نہ کھانا۔

اچھا، یہ تو بتاؤ پیر صاحب کی وضع قطع کیسی تھی؟ سکینہ نے پھر ایک سوال کیا تو زرینہ بولی، چھپر کے نیچے بیٹھا تھا، چھپر بھی ایسا تھا کہ اس کی چارپائی پر آدھا سایہ تھا، آدھی دھوپ، اس نے بنیان اور دھوتی پہنی ہوئی تھی، اس کے سر کے بال بڑے اور بکھرے ہوئے تھے، سر پر میلی سفید رنگ کی ٹوپی تھی، اس کے گلے میں بڑے دانوں والی تسبیح تھی اور ایک ہاتھ میں چھوٹی تسبیح تھی، جس پر اس نے کچھ پڑھ کر موکلات کو حاضر کیا اور اس نے موکلات سے ساری بات پوچھی، ہم گناہ گار ہیں، اس وجہ سے ہم موکلات کی بات تو نہ سن سکے مگر پیر صاحب نے ان کی بات سنی اور ہمیں بتایا، پیر صاحب کی داڑھی فیشنی تھی (درمیانی، چھوٹی تھی) اور پیر صاحب کے چھپر میں حقے کی بو بہت زیادہ تھی۔

سکینہ نے کہا، بڑی عجیب بات ہے لوگوں کی قسمت بدلنے والوں کی اپنی قسمت خراب ہے، خود چھپر کے نیچے بدحال مگر دوسروں کے حالات بدلنے کے دعوے دار ہیں۔

بہن اگر یہ حالات نہیں بدل سکتا تو پھر میں ایسا پیر کہاں سے تلاش کروں جو خود خوشحال ہو اور ہمارے حالات بدل دے؟ زرینہ نے پوچھا۔

سکینہ نے زرینہ کو سمجھاتے ہوئے کہا: میری بہن، حالات کا بدلنا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، ان پیروں ویروں کے ہاتھ میں کچھ نہیں، قرآن مجید کی آیت کا ترجمہ ہے: "اگر اللہ تعالیٰ تمہیں تکلیف دیں تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی بھی اس تکلیف کو دور نہیں کرسکتا اور اگر اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرنا چاہیں تو اس کے فضل کو کوئی ٹال نہیں سکتا"۔ ہمارے حالات کے خراب ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا، اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چھوڑ دیا، جبھی تو طرح طرح کے وسوسوں میں گھرے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فاذکرونی اذکرکم﴾ "تم مجھے یاد کرو گے تو میں تمہیں یاد کروں گا"۔ جب اللہ تعالیٰ یاد کرنے پر آئے تو دشمن کے گھر میں بھی ہماری حفاظت ہوسکتی ہے، دشمن کے حصار میں بھی ہم محفوظ رہ سکتے ہیں۔

ہمیں بجائے جعلی پیروں کے ٹونے ٹوٹکے کرنے کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے وظیفے پر عمل کرنا چاہئے جو ایسا وظیفہ ہے کہ جادو، بندش کا علاج ہے اور رکاوٹیں ساری زائل ہو جائیں گی اور کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔

اچھا ایسا وظیفہ کیا ہے؟ ذرا بتانا، زرینہ چہکی۔

سکینہ بولی: وہ یہ ہے کہ "احفظ الله یحفظک" تم اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی حفاظت میں لے لے گا، اللہ تمہاری ضروریات پوری کرے گا۔

بہن ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنی رکاوٹیں اللہ تعالیٰ سے دور کرانے کی بجائے ایسوں کے پاس جاتے ہیں جن کے سامنے خود رکاوٹیں کھڑی ہوتی ہیں، تب ہی تو وہ سڑکوں، موڑوں، چھپروں کے نیچے کسی کو پھنسانے کے چکر میں ہوتے ہیں، ان قسمت کا حال بتانے والوں کی اپنی قسمتیں خراب ہیں، خود بدحال مگر دوسروں کو خوش حال کرنے کے دعوے دار ہیں، ہمیں ان کی بجائے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی جبین جھکانی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے کئی مرتبہ دعا تو کی مگر قبول ہی نہیں ہوئی، تب ہی تو پیر صاحب کا سہارا لیا؟ زرینہ نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ سکینہ نے جواباً کہا: بہن اگر ناراض نہ ہوتو ایک بات کہوں؟

ہاں، ہاں، کہو، میں کیوں ناراض ہوں گی؟ زرینہ نے کہا تو سکینہ بولی۔ بہن ہماری زبانوں پر یہ شکوے تو ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہماری سنی نہیں جاتی، لیکن یہ خیال نہیں آتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی کتنی سنتے ہیں، یہ شکایت تو ہے کہ ہماری مانی نہیں جاتی، لیکن یہ خیال نہیں آتا کہ ہم اس کی کتنی مانتے ہیں۔

جتنا ہر آدمی پریشان ہے اگر نصف پریشانی اس کی ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑ رہے ہیں تو نہ بیٹی نہ بیوی، نہ بہو نہ شوہر، کوئی پریشان نہ ہوتا، یقیناً ہمارے سارے مسائل حل ہو جاتے۔

جب ہمارے اوپر کوئی پریشانی آئے تو ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہمیں کسی گناہ کی سزا تو نہیں مل رہی، کیونکہ قرآن مجید میں ہے: "من یعمل سوءً یجز بہ" یعنی گناہ کی سزا مل کر رہتی ہے خواہ وہ کتنی ہی کامیابی سے کیوں نہ کیا ہو۔

ہمارے ایمان کی کمزوری تو یہ ہے کہ اگر کوئی ہمیں کہے کہ قمیص چھوٹی ہوگئی؟ یا دھبے پڑ گئے، یہ جادو کی وجہ سے ہے تو ہم فوراً اس کا یقین کر لیتے ہیں، لیکن قرآن کریم جیسی سچی کتاب کی تعلیمات پر ہمارا یقین پختہ نہیں ہے۔

ہاں، واقعی یہ تو انتہائی خطرناک ہے کہیں ہم ایمان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں، زرینہ پریشان ہو کر بولی۔

سکینہ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولی، میری بہن دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں کسی پر بدگمانی نہیں کرنی چاہئے، قرآن مجید میں ہے: "ان بعض الظن اثم" کہ بدگمانی گناہ ہے، اگر کسی کے متعلق بدگمانی ہوئی فوراً اس سے بات کرکے دل کو صاف کر لینا چاہئے اور اگر واقعی کسی سے تکلیف پہنچے تو یوں سوچیں کہ فلاں سے جو تکلیف پہنچ رہی ہے یا تو یہ میرے کسی گناہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہے یا پھر درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے یا پھر امتحان ہے...... کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد سکینہ نے اجازت چاہتے ہوئے کہا:

اچھا، میں چلتی ہوں، پھر آئیں گے کسی وقت، اریبہ جو کافی دیر سے بت بنی بیٹھی تھی، بولی، آنٹی آپ نے تو ہماری سوچ کا زاویہ ہی بدل دیا۔ زرینہ بولی، ارے بہن بیٹھیں، ابھی تو آئی ہیں کھانا کھا کر جایئے گا۔

نہیں، میں چلتی ہوں، صائمہ کے ابو دفتر سے آنے والے ہی ہوں گے، پھر آؤں گی، سکینہ نے جواب دیا۔ دونوں ماں بیٹی نے عبایا لیا اور نکل گئیں۔ مگر جاتے جاتے زرینہ کی سوچوں کا زاویہ بدل گئیں، وہ کافی دیر تک سوچوں میں ڈوبی رہی اور اپنی کزن پر رشک کرنے لگی، اتنے میں اذان کی آواز آئی تو وضو بنانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ادھر اریبہ بہت پریشان ہوئی کہ خواہ مخواہ شائستہ کے بارے میں بدگمانی کی، کافی دیر سوچنے کے بعد شائستہ کو منانے کا فیصلہ کر لیا۔

☆......☆......☆

صائمہ عشاء کی نماز سے فارغ ہوئی تو موبائل کی گھنٹی بجی، دیکھا تو اریبہ کی کال تھی، السلام علیکم صائمہ نے فون آن کرکے کہا۔

وعلیکم السلام، کیسی ہو؟ اریبہ کی آواز آئی۔

بالکل ٹھیک، خیر تو ہے آج اس وقت یاد فرمایا، صائمہ بولی۔ اریبہ نے جواب دیا، ہاں، خیر ہے، صبح میرے ساتھ چلنا شائستہ کے گھر جانا ہے، میں نے معافی مانگنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ٹھیک ہے، لیکن کہیں وہ پیر صاحب ناراض نہ ہو جائیں، صائمہ نے شرارت سے کہا۔

گولی مار پیر صاحب کو، اریبہ نے شرما کر ہنستے ہوئے کہا اور فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

فلم یا مذاقِ دین

رابعہ اہلیہ عرفان

اف خدایا! اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا، یہ...... یہ کیا؟...... کیا ہم اس قدر اخلاقی طور پر گر گئے ہیں کہ اسلامی تعلیمات پر عمل تو درکنار...... اس کا کھلے عام مذاق اڑا رہے ہیں۔ ہاں! ایسی فلمیں بنانا، اس کو ذوق وشوق سے دیکھنا اور ایک دوسرے کے سامنے تعریفوں کے پل باندھنا دین کا مذاق اڑانا نہیں تو اور کیا ہے، اگر ہماری یہ سوچ ہے کہ ایسی فلمیں بنانے سے ہماری ملکی معیشت کو سہارا ملے گا تو پھر ہمیں خانہ جنگی کی کیفیت کے لئے ہردم تیار رہنا چاہئے جو کہ ایک بدترین عذاب ہے...... کس منہ سے...... کس منہ سے ہم اغیار کی توہین رسالت، توہین صحابہ یا توہین امہات المومنین کے خلاف احتجاج کر سکتے ہیں کہ جب یہاں اپنے ہی اُن کا کام اُن سے بہتر انداز میں کر رہے ہیں، خدا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم، رزق، تقدیر غرض کس چیز کا مذاق اڑانا رہ گیا تھا، واہ رے سیکولرازم واہ...... یہ ہے تیری پہچان۔

☆......☆......☆

"ہاں تو مہ جبیں...... کیسی لگی فلم...... اے ون، شاندار یہی کہو گی ناں تم" ہادیہ نے مہ جبیں سے جیسے ہی استفسار کیا تو وہ چلا اٹھی۔

"شٹ اپ! تم میں ذرا بھی دینی غیرت ہے کہ نہیں، تم نے شاید فلمی ڈائیلاگ کے پیچھے چھپے ہوئے دین پر طنز و تیر کو محسوس نہیں کیا، جب کہ تم اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو۔"

"اوہو مہ جبیں، ٹھیک ہے بندے کو حساس ہونا چاہئے، مگر ایسا بھی کیا کہ انسان انٹرٹینمنٹ کو بھی جذباتی طور پر پرکھنے لگے، Its Just Enjoyment dear۔"

"تمہارے لئے یہ صرف تفریح ہوگی، مگر میرے لئے نہیں!!!" ...... ہادیہ کا لاپرواہ انداز مہ جبیں سے برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا، وہ مزید بولی کہ "میرا بھلے ہی مذہب سے نماز، روزے کی حد تک ہی لگاؤ ہے، مگر میں دین اسلام کے بارے میں لغویات قطعی طور پر ناپسند کرتی ہوں اور مجھے خوشی ہوگی اگر تم بھی اسے ناپسند کرو۔"

"ٹھیک ہے جناب، اس پر پھر کبھی بات کریں گے۔" ہادیہ نے بات ٹالنے والے انداز میں کہا۔

"فی الحال تو پریکٹیکل ٹائم ہو رہا ہے، کہیں باتوں میں کلاس مس نہ ہو جائے۔" اس نے گھڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو مہ جبیں بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

ایک معروف نجی چینل پر چلائی جانے والی فلم کا ہر سو ڈنکا بجا ہوا تھا، گویا فلم نہ ہوئی کوئی بڑا کارنامہ سرانجام ہوا ہو، ہادیہ کے توجہ دلانے پر مہ جبیں نے خصوصی توجہ کے ساتھ فلم دیکھنی شروع کی، ماڈرن لوگوں کے ساتھ ہلکے پھلکے مذہبی لوگوں کے نزدیک بھی فلم بینی گناہ ہے کا تصور تقریباً ماند پڑ گیا ہے، بالکل یہی حال مہ جبیں کا بھی تھا، مگر اس کا یہ مطلب بھی نہ تھا کہ وہ فلم میں دین کی مضحکہ خیزی ہضم کر جاتی، چنانچہ جیسے جیسے وہ فلم دیکھتی گئی، اسے ایسا لگنے لگا کہ یہ فلم مسلمانوں کے چہروں پر طمانچہ ہے، خود کو مسلمان کہلانے والے لوگ اسلام کا تعارف بدہیبت اور خوف ناک مذہب کے طور پر کروا رہے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟؟ مہ جبیں سکتے کی سی کیفیت میں تھی، کیا ہمارے نزدیک دین کھیل بن کر رہ گیا ہے؟ کیا ہمیں کفریہ باتیں کہنا اور سننا زیب دیتا ہے؟ ایسی کفریہ ڈائیلاگ پر مشتمل فلموں کی ہمسایہ ملک کے اداکار تو تعریف کریں گے ہی اور اسے فلم انڈسٹری کی بڑی کامیابی قرار دیں گے ہی، وہ سوچوں کے بھنور میں پھنستی چلی جارہی تھی اور پھر بے اختیار اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

☆......☆......☆

پریکٹیکل اٹینڈ کرنے کے بعد پریکٹیکل روم سے نکلتے ہوئے اس کی کلاس فیلو مائرہ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''ارے مہ جبیں، تم نے وہ نئی پاکستانی فلم دیکھی، کیا زبردست فلم ہے یار۔'' ......ابھی وہ مزید کچھ کہتی کہ ہادیہ نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا کہ اسے وہ فلم بالکل پسند نہیں آئی۔ ''مگر کیوں؟؟؟'' مائرہ ایک دم بول اٹھی۔ جس پر مہ جبیں کو اپنی دلی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا، اس نے کہا: ''مجھے ایک بات بتاؤ، کیا قرآن عالیشان میں اس بات کا تذکرہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ پتھر کے اندر کے کیڑے کو بھی رزق پہنچاتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا رزق مقرر نہیں کیا ہوا؟ کیوں پھر اولاد کی زیادتی پر منہ بسور کر رزق کی تنگی کا شکوہ کیا جاتا ہے؟ اس فلم میں واضح طور پر اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ کم بچے ہوں گے تو ماحول خوش گوار ہوگا، بچوں میں تمیز اور سلیقہ ہوگا اور رزق کی بہتات ہوگی، اس کے برعکس اگر اولاد زیادہ ہوگی تو رزق کی تنگی ہوگی، اس فلم میں حکیم صاحب کی بیٹی (اداکارہ) یہ کہتی ہے کہ رزق پہنچانے والے فرشتے کے پاس ہمارا غلط ایڈریس ہوگا۔ (نعوذ باللہ) گویا فرشتہ نہ ہوا ڈاکیہ ہوگیا۔ (استغفر اللہ) اور تو اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جس کا مفہوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بروز قیامت امت کی کثرت پر فخر کریں گے کی من چاہی تشریح کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ترقی اور رتبے کی وجہ سے فخر کریں گے، اس کا یہ مفہوم نہیں کہ گدھوں کو جمع کرکے یا فاقوں میں مرنے والوں کی کثرت پر فخر کریں گے اور تو اور (نعوذ باللہ) خدا بننے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہتی ہوئی بھی نہ جھجکی کہ اگر میں خدا ہوتی تو ایک بچہ ہی سب سے جنواتی اور تو اور اپنے باپ کو یہ کہتے ہوئے بھی نہ شرمائی کہ بیٹیوں کی قطار آپ نے لگائی ہے نہ کہ اللہ نے، گویا انسان کو پیدا کرنا مکمل انسان کے اختیار میں ہے، اللہ تو استغفر اللہ نعوذ باللہ تماش بین ہے اور تو اور اس نے دعائیں کرنے کی بھی مذمت کرتے ہوئے یہ باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ دعائیں مانگ کر ہم (نعوذ باللہ) اللہ کو مصیبت میں ڈال دیتے ہیں، گویا اللہ کے اس فرمان کی مکمل نفی ہے کہ ''مجھ سے مانگو، میں عطا کروں گا۔''

اداکاروں اور اداکاراؤں کے نام مصطفیٰ، عائشہ اور امہات المومنین کے نام رکھ کر اس فلم میں ان مقدس ناموں کی حرمت کو پامال کرنے کی کوشش کی گئی ہے، نامرد بچے کا قتل کرتے ہوئے حکیم صاحب کو یہ کہتے ہوئے ذرا بھی عار نہ آئی کہ اس نے اللہ کی غلطی کو قتل کرکے درست کردیا، قرآن کے وقار کو ٹھیس پہنچائی گئی ہے، غرض کہاں تک سنو گی اور کہاں تک سناؤں، اگر اتنی ہی عداوت ہے دین و شریعت اور اللہ کے نبی اور ان کے صحابہ سے تو ایسے لوگ مسلمانوں کے لئے سنگین خطرہ ہیں، ان کا مسلمان کہلانا اسلام کی پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے، ارے اس فلم کو ہی چھوڑو، اگر کوئی عورت خوشی بہ خوشی اسلام قبول کرتی ہے تو یہ Statement دی جاتی ہے کہ عورتیں ہی اسلام کیوں قبول کرتی ہے، مرد کیوں نہیں، اس بچی کی چیخیں نہیں سنی جاتی جو اپنی غیر مسلم ماں کے ساتھ اس ملک سے جانا نہیں چاہتی...... کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں ہم دنیا کو کہ جو شریعت پر عمل کرتا ہے وہ اس قابل ہے کہ زندہ درگور ہوجائے یا یہ لوگ دنیا کے منہ پر کالک مل رہے ہیں...... سوچو اس بارے میں ضرور سوچو، ایک بار پھر اس فلم کو میرے نکتہ نظر سے دیکھو، تم سب کو میری باتیں سچ لگیں گی، بس دین کی محبت کو اپنے دل میں تھوڑی سی جگہ دے دینا، اس کی بھرائی ہوئی آواز کی گونج سے ایک مجمع اس کے اردگرد جمع ہوگیا تھا، اور بے خیالی میں بولی چلی جارہی تھی...... آخر اپنی بات کو ختم کرکے وہ نڈھال سی کالج گیٹ کی طرف چل پڑی۔

☆......☆......☆

وہ گھر پہنچی تو اس کے دماغ سے دھند چھٹ چکی تھی، وہ مطمئن تھی کہ ایک چھوٹے پلیٹ فارم پر ہی سہی، وہ اپنا احتجاج ریکارڈ کروانے میں پیچھے نہیں ہٹی تھی۔ دوسرے دن اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ جب ایک بڑی تعداد لڑکیوں کی اس کی حامی نظر آئی اور پھر ان سب نے مل کر ایک چارٹ کالج گیٹ پر لگایا جس میں بڑے واضح الفاظ میں درج تھا: ''ہم نئی پاکستانی فلم جس میں اللہ، رسول، رزق، تقدیر وغیرہ کا مذاق اڑایا گیا ہے، اس کی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔'' اور صائمہ جسے یہ امید نہ تھی کہ اس کے جذبے کی صداقت اتنی ساری لڑکیوں کو اپنا ہم نوا بنا دے گی، بے اختیار کہہ اٹھی کہ ''حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی۔''

☆......☆......☆

اللہ اللہ کئے جاؤ!

ایک شخص اللہ کا ذکر کرتا تھا، تہجد کو اٹھتا تھا، شیطان نے کہا:

''ارے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے، اللہ اللہ کرنے کے لئے تو نے اتنا اللہ اللہ کیا، کیا فائدہ ہوا، دماغ خراب کیا، مغز مارا، مگر وہاں سے کوئی رسید ہی نہیں ملتی۔''

بس وہ شخص مایوس ہوکر آرام سے مکان میں سو گیا اور سوتے وقت ہی نیت کرلی کہ تہجد کو نہ اٹھوں گا، فائدہ کیا، جب اتنے دن محنت کی، کچھ نہ ہوا تو آگے کیا ہوگا، بس وہ کام سے رہ گیا اور یہ نیت کرکے سو گیا کہ تہجد میں نہ اٹھوں گا، خواب میں فرشتے کے ذریعے اس کو تنبیہ کی گئی، اس نے تو ذکر کرنا چھوڑنا چاہا، مگر حق تعالیٰ نے نہ چاہا کہ اس کو اس طرح چھوڑیں، فرشتے نے کہا:

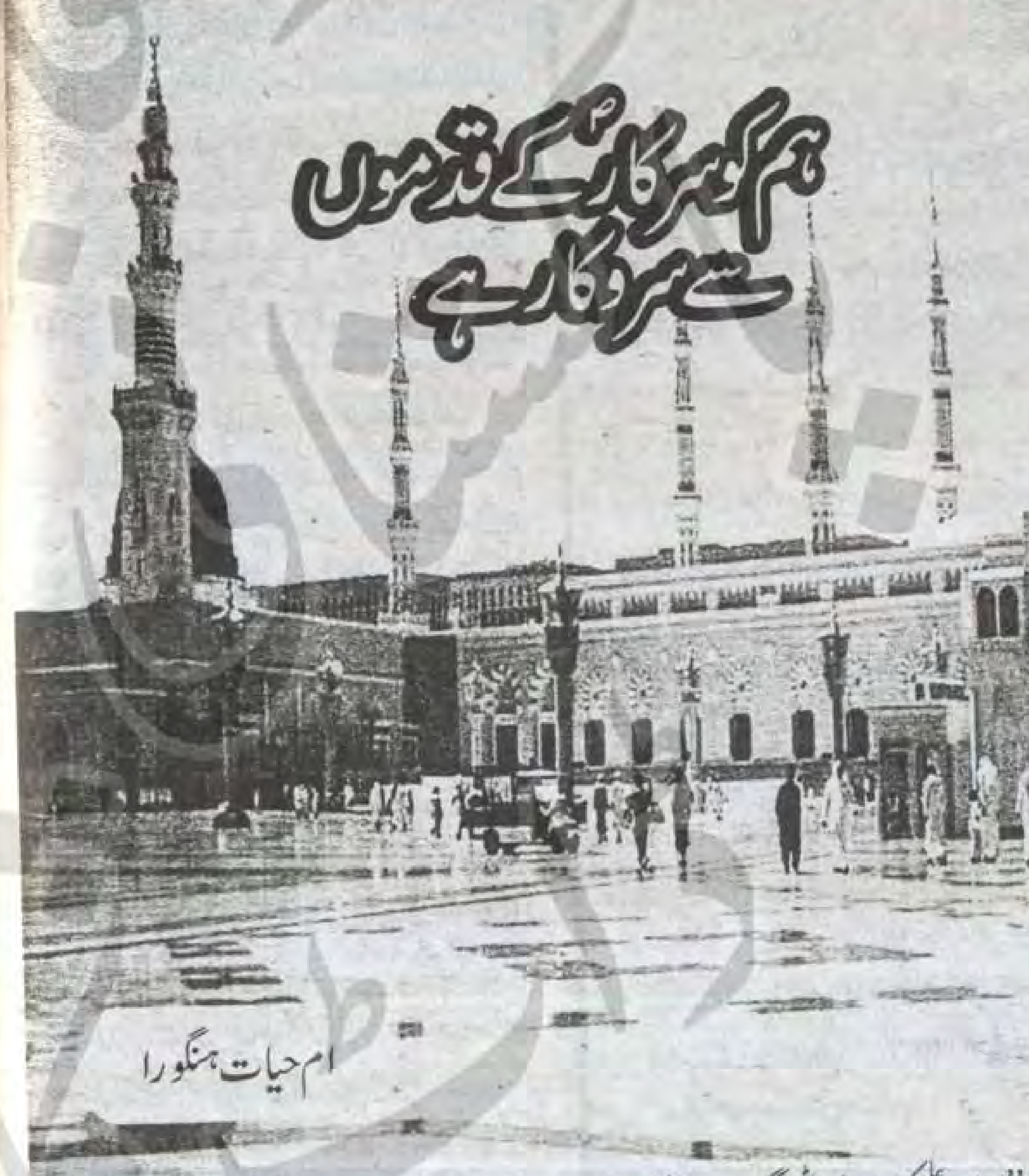
''بھائی حق تعالیٰ شانہٗ یوں فرماتے ہیں کہ آج تو نے میرا نام کیوں نہیں لیا۔'' کہا: ''میں عرصہ سے نام لیتا تھا، مگر ادھر سے کچھ جواب ہی نہیں ملتا، یہ سمجھا کہ میرا عمل قبول ہی نہیں ہوتا، جب عمل قبول نہیں ہوتا تو اس کا کرنا فضول ہے، میں پکارتا ہوں، مگر ادھر سے نہ سلام ہے، نہ جواب، بس میری ہمت ٹوٹ گئی۔''

جواب میں ارشاد ہوا، جس کو مولانا نقل فرماتے ہیں: ''وہ تیرا اللہ اللہ کہنا ہی ہمارا جواب ہے، اگر ہم کو تیرا اللہ اللہ کہنا پسند نہ ہوتا تو دوبارہ تجھے اللہ کی توفیق ہی نہ ہوتی۔ تمام عالم بھرا پڑا ہے، اللہ اللہ کون کرتا ہے، سوائے اس کے، جس کو ہم توفیق دیں، جب ہم نے توفیق دی تو سمجھ لینا کہ ہم کو تمہارا عمل پسند ہے۔''

(بنت حافظ عبدالوحید، مدرسہ فیض القرآن للبنات

☆......☆......☆

ایک زندگی ایک کہانی



ہم کو سرکار ﷺ کے قدموں سے سروکار ہے

ام حیات ہنگورا

''اسلام وعلیکم! یہ میری بیٹی شگفتہ ہیں۔'' ایک اڈھیر عمر خاتون نے اپنی بیٹی کا تعارف کرایا۔

''وعلیکم السلام! جی کس سلسلے میں آنا ہوا۔'' میں نے دریافت کیا۔

''میرا نام صبیحہ ہے، ڈاکٹر صاحبہ، میری بیٹی کی بڑی مشکلوں سے شادی ہوئی ہے اور اب یہ اپنے گھر اور بچوں سے روٹھ کر میکے آگئی ہے۔''

''امی جان، جب میں آپ کی بات؟''......

''تم چپ رہو۔'' خاتون اپنی بیٹی کو ٹوکتے ہوئے آگے کہنے لگیں۔

''یہ بہت ڈسٹرب ہے، نفسیاتی مریض بن گئی ہے، بات بات پر چیخنا چلانا شروع کر دیتی ہے، حالانکہ شادی سے پہلے ایسا نہیں تھا، اس کی شادی کو بمشکل دو سال ہوئے ہیں، قاسم کی پہلی بیوی سے چار بچے ہیں، اس کی

بیوی کے انتقال کے بعد انہوں نے شگفتہ سے دوسری شادی کی ہے۔'' صبیحہ جی بولیں۔

''ٹھیک ہے، آپ باہر بیٹھیں، میں شگفتہ سے کچھ دیر بات چیت کروں گی۔'' میں نے صبیحہ جی سے کہا تو وہ بہتر کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''شگفتہ جی، مسئلہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''مسئلہ کچھ بھی نہیں ہے، میں ان جنگلی بچوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی، آپ نے سنا نہیں، ان جنگلی بچوں نے مجھے بھی جنگلی بنا دیا ہے، ان کی طرح میں بھی اب چیختی چلاتی ہوں، سوتیلی ماں سونے کی بھی بن جائے، سوتیلی ہی رہتی ہے، جب یہ گاڑی چل ہی نہیں سکتی تو میں کیوں چلاؤں، میری اتنی پُرسکون زندگی تھی، پڑھا رہی تھی، کوئی ٹینشن نہیں تھی اور اب مجھے دکھوں کے دریا میں دھکیل دیا، آپ کچھ بھی کہہ لیں، میں واپس نہیں جاؤں گی اور نہ ہی مزید میں اس موضوع پر بات کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ تلخ لہجے میں تیز تیز بولی۔

''شگفتہ جی، آپ کی باتیں سن کر ہوسکتا ہے، میں آپ کی امی کو آپ کے حق میں قائل کر لوں۔'' میں نے سمجھایا۔

''اچھا، مگر میں اُن کو سب کچھ بتا چکی ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا ہوتا رہا ہے، اس کے باوجود وہ مجھے کہتی ہیں کہ گھر بساؤ تو وہ آپ کی باتیں کیسے مانیں گی۔'' وہ بے یقینی سے پوچھنے لگی۔

''شگفتہ جی، میں ایک سائیکاٹرسٹ ہوں، میرا طریقہ سمجھانے کا کچھ اور ہے، جس کا آپ کو اندازہ ہوجائے گا۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''سائیکاٹرسٹ؟'' وہ بول کر سوچنے لگی۔

''ڈاکٹر جی، میرا تو یہ حال ہوگیا ہے:

کسی کو گھر سے نکلتے ہی مل گئی منزل
کوئی ہماری طرح عمر بھر سفر میں رہا''

''اچھا، تو آپ یہ ذوق بھی رکھتی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں جی، اردو ادب کی لیکچرار رہی ہوں، اُف کتنی پُرسکون زندگی تھی، ۲۲ سال کی عمر میں ایم اے کر کے لیکچرار بن گئی تھی، بس اب کچھ عرصے میں پرنسپل بننے والی تھی، مگر میری قسمت......'' وہ پھر تلخی سے بولیں۔

''شگفتہ جی، کیا گھر میں صرف بچے ہی ہیں؟''

''کیا مطلب؟'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''میرا مطلب ہے، جن صاحب سے آپ کا نکاح ہوا ہے، کیا ان کی کوئی حیثیت آپ کی نگاہ میں نہیں؟''

''نہیں۔'' وہ قطعی لہجے میں بولیں۔

''وہ پہلے چار بچوں کے باپ ہیں، پھر میرے شوہر۔'' اب وہ غصے سے بولیں۔

''میرے بچے، میرے بچے، کبھی انہوں نے ہمارے بچے......'' وہ یہ کہہ کر پھر رونے لگیں۔

''شگفتہ جی، پلیز۔'' میں نے ٹشو پیپر ان کی طرف بڑھایا۔

''کتنے بیٹے اور بیٹیاں ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک بیٹا ہے اور تین بیٹیاں ہیں۔'' وہ جواباً بولیں۔

''عمریں کیا ہیں؟'' میں نے مزید پوچھا۔

''سب سے چھوٹی شاہین چھ سال کی ہے، پھر ماہین نو سال کی ہے، عرفان بارہ سال کا ہے جبکہ بیین پندرہ سال کی ہے۔'' انہوں نے نام کے ساتھ عمریں بتادیں۔

''یعنی جب ان کی والدہ کا انتقال ہوا تو یہ سب بہت چھوٹے ہوں گے؟'' میں نے کہا۔

''چند ماہ میں دوسرا بیاہ کر لیا، ویسے یہ مرد لوگ بڑے بے وفا ہوتے ہیں، تیسری بھی مل جائے گی قاسم صاحب کو۔'' وہ غصے میں بولیں۔

''بچے کس طرح تنگ کرتے ہیں آپ کو؟'' میں نے موضوع تبدیل کیا۔

''دو سالوں میں دو سو قصے تو ہوں گے، کیا سب سنیں گی۔'' وہ چڑ کر بولیں۔

"آپ کو سب یاد ہیں؟" میں نے کہا۔

"میری یادداشت بہت اچھی ہے، میں کچھ بھی نہیں بھولتی۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولیں۔

"اچھا، پہلے اپنا مکمل تعارف کرائیے، آپ کتنے بہن بھائی ہیں؟" میں نے نوٹ پیڈ کھولنے کے ساتھ ساتھ پلییئر بھی آن کر دیا۔

"ہم تین بہن بھائی ہیں، میں اکلوتی ہوں اور میرے دو بھائی ہیں، میں ایم اے کر رہی تھی کہ والد صاحب کا انتقال ہوگیا، اس وقت منیر میٹرک میں اور بشیر آٹھویں جماعت میں تھا، میں نے ایم اے میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی تھی، مجھے اچھے گورنمنٹ کالج میں نوکری مل گئی، بھائیوں کی پڑھائی کی وجہ سے میں اچھے رشتے ٹھکراتی رہی، جب بھائی کسی قابل ہوگئے تو میری عمر پینتیس سے متجاوز ہوچکی تھی اور پھر بچوں والوں کے رشتے آنے لگے، بھائیوں کی شادی کے بعد قاسم صاحب کا رشتہ آیا، قاسم صاحب بھائی کے دوست کے دوست ہیں، امی کے بہت سمجھانے پر میں نے شادی تو کرلی، مگر یہ تو نری بربادی نکلی۔" شگفتہ نے مختصر الفاظ میں تمام حالات بیان کردیئے۔

"آپ کے اس فیصلے پر صرف آپ کی امی کو اعتراض ہے یا بھائی بھابھی کو بھی؟" میں نے پوچھا۔

"نہ جانے کیوں، امی یہ بھائی، بھابھیوں سے چھپا رہی ہیں کہ میں اب واپس نہیں جاؤں گی، قاسم صاحب بھی ہر دوسرے روز مجھے سمجھانے آرہے ہیں، مگر میں نے کہا ناں کہ میں اب اس جہنم میں واپس نہیں جاؤں گی۔" وہ قطعی لہجے میں بولیں۔

"اچھا شگفتہ، تم کچھ دیر باہر بیٹھو، جب تک میں تمہاری امی سے بات کرتی ہوں، پھر تم اگلے ہفتے میرے پاس آؤ، ہم اس پر مزید بات کریں گے، کیونکہ ہم ابھی اصل موضوع پر تو آ ہی نہیں سکے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر امی؟" وہ بولی۔

"سب بہتر ہوجائے گا، ان شاء اللہ۔" میں نے کہا۔

"صبیحہ صاحبہ، آپ نے گھر میں اس بات کو کیوں چھپایا ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"منہ سے نکلی بات اور کمان سے نکلا تیر کبھی واپس نہیں آتا۔" وہ بولیں۔

"مگر کچھ حقیقتوں کو واضح کرنے کے لئے کچھ باتوں کو کہہ دینا چاہئے، جب ان کے بھائی، بھابھیوں کے علم میں آئے گا کہ یہ اب واپس نہیں جائیں گی تو ہوسکتا ہے ان کے رویے شگفتہ کو اپنا گھر بسانے پر مجبور کریں گے۔" میں نے سمجھایا۔

"ضروری تو نہیں، ہوسکتا ہے وہ لوگ اس کے گھر کے اجڑنے سے خوش ہوں، بچوں کو پڑھانے والی ٹیوٹر اور اگر جاب کرلے تو پھر کمانے والی مشین بن جائے گی۔"

"آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں، یقیناً ان کے بھائی ہرگز یہ نہیں چاہیں گے کہ ان کی بہن کا گھر اجڑ جائے، ابھی تک وہ لوگ اس کو مہمان سمجھ کر ہینڈل کر رہے ہیں، ہوسکتا ہے، حالات سے آگاہی کے بعد ان کے رویوں کو دیکھتے ہوئے شگفتہ اپنا فیصلہ بدل لے، کیونکہ مہمان اور گھر میں ہمیشہ ساتھ رہنے والے کے رویوں میں فرق ہوتا ہے، چند پیسوں کی خاطر وہ ہمیشہ شگفتہ کو اپنی جان پر نہیں رکھیں گے، اگر ایسا ہوتا تو وہ پہلے ہی اس کی شادی نہ ہونے دیتے۔" میں نے سمجھایا۔

"ہوں۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ بات آپ آج ہی گھر میں کردیں اور اگلے ہفتے ان کو میرے پاس لے کر آئیں، شگفتہ جی خود کو حق بجانب سمجھ رہی ہیں، ہوسکتا ہے، وہ حق پر ہوں؟" میں نے کہا۔

"لیکن عورت کے لئے شادی کے بعد اس کا گھر شوہر کا ہوتا ہے، بچے کب تک ساتھ رہیں گے۔" صبیحہ جی بولیں۔

"اچھا، یہ بتائیے، بچوں نے اس کو قبول نہیں کیا تو کیا اس نے بچوں کو قبول کیا ہے؟" میں نے نوٹ پیڈ پر نوٹ کیا۔

"اگر قبول کیا ہوتا تو آج یہ صورتحال ہوتی؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی ان بچوں کے رویوں نے شگفتہ کو بے حد دلبرداشتہ کردیا ہے؟" میں نے نوٹ پیڈ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"تالی ہمیشہ دو ہاتھوں سے بجتی ہے۔" وہ جبراً مسکراتے ہوئے بولیں۔

"پھر آپ ایسا کریں، منگل کو صرف آپ آئیں، میں پہلے آپ سے ساری تفصیل جاننا چاہوں گی، پھر میں آپ کو بتاؤں گی، شگفتہ کو کب لانا ہے۔" میں نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا، تو وہ "ٹھیک ہے" کہہ کر جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆......☆......☆

"کیا شگفتہ بچپن سے ضدی تھی؟" میں نے صبیحہ بیگم سے بات کا آغاز کرتے ہوئے پوچھا۔

"ضدی تو نہیں، مگر لاڈلی ضرور تھی، اپنے باپ کی موت کا اس نے بہت گہرا اثر لیا اور اپنے باپ کی ذمہ داری کو اچھی طرح نبھایا۔" انہوں نے جواب دیا۔

"یعنی شادی کے بعد اس کی طبیعت میں منفی اثرات پیدا ہوئے، جو پہلے اس کی طبیعت میں نہیں تھے، یعنی ضد اور چیخنا، چلانا اور کیا یہ شادی کے لئے بخوشی رضا مندی ہوئی یا؟......"

"نہیں، بہت مشکلوں سے منایا تھا۔" وہ بات کاٹ کر بولیں۔

"اب تفصیل سے یہ جو کچھ شادی کے بعد کا بتاتی رہی ہیں، وہ مجھے بتائیے؟" تو وہ صبیحہ بیگم کہنے لگیں۔

☆......☆......☆

"شگفتہ یہ کیا، تم بچوں کو ساتھ نہیں لائیں؟" شادی کے چوتھے روز جب شگفتہ اپنی امی کے گھر میں داخل ہوئیں تو صبیحہ بیگم نے قاسم اور شگفتہ کو اکیلا آتے دیکھا تو سوال کیا۔

"امی جان، آپ بھی ناں، نفیسہ آپا تھیں ناں ان کے پاس۔" شگفتہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مگر بیٹا، بچے چھوٹے اور پھر اکیلے؟"

"امی جان، آپ بھی ناں۔" شگفتہ نے مسکرا کر بات ٹالی جبکہ قاسم صاحب اُداسی سے مسکرا دیئے۔

"پھر صرف دو دفعہ بچوں کو ساتھ لے کر آئی اور ہمیشہ اکیلی ہی آتی رہی، قاسم نے بھی پھر آنا چھوڑ دیا، جب بھی آتی، ایک ہی بات کرتی، بچوں نے یوں تنگ کیا، یوں ستایا، یوں بدتمیزی کی، میرے بارہا سمجھنے سمجھانے کے باوجود وہ کوئی بات سمجھنے کو تیار نہیں تھی اور پھر قاسم نے بچوں کو وقت زیادہ دینا شروع کردیا، جس کی وجہ سے وہ اور چڑچڑی ہوگئی، ورنہ بچے اتنے چھوٹے تھے، اس کے لئے ان کی ماں بننا چنداں مشکل نہ تھا، مگر افسوس، شاید میری تربیت میں کمی تھی، اب ان کے گھر میں ہر وقت جنگ کی فضا چھڑی رہتی ہے، قاسم دوسری شادی کرکے الگ پریشان ہے، شگفتہ کو مسلسل سمجھا رہا ہے کہ وہ آکر گھر سنبھالے، وہ سارا قصور شگفتہ پر نہیں رکھتا، مگر مجھے لگتا ہے، میرا سکہ ہی کھوٹا ہے، کیونکہ بچے دل دیکھتے ہیں جبکہ بڑے چہرے۔" وہ مایوسی سے بولیں۔

"شگفتہ کو تو علم تھا کہ وہ چار بچوں کی ماں بن کر جارہی ہے، پھر اس کے اس رویے کی وجہ کیا صرف بچے ہیں یا کوئی اور وجہ بھی ہے، جو آپ کے علم میں نہیں یا آپ نے مجھے ابھی تک بتائی نہیں؟" میں نے ان کی بات سن کر کہا۔

"دراصل قاسم کا بہت اچھا اور وسیع کاروبار ہے جبکہ ہم متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، قاسم کی بیوی کے انتقال کے بعد چند ماہ تک اس کی بڑی بہن نفیسہ بیگم گھر چلاتی رہیں، قاسم کو اس وقت اندازہ ہوا کہ پیسہ کتنی

بری شے ہے، ان کی بہن نے ان چند مہینوں میں ان کے گھر کا سارا انتظام درہم برہم کردیا بلکہ گھر کے اخراجات کی مد میں اضافی پیسے بھی لیتی رہیں، ان کی بہن بچوں کو بھی بخوبی سنبھالنے کو تیار ہیں، قاسم کو سمجھ میں آ گیا تھا کہ گھر سنبھالنے کے بہانے انہوں نے مختلف حیلوں سے پیسے بٹورنے شروع کردیئے ہیں اور ساتھ ہی بچوں کی تربیت پر بھی اثر پڑ رہا تھا، گھر میں ہر وقت لنگر کا سماں بھی رہنے لگا، کیونکہ ان کی بہن کے گھر والے بھی آئے دن یہیں پر موجود ہوتے، حقیقت کو سمجھتے ہوئے قاسم نے اپنی دوسری شادی اپنے دوست کے توسط سے، جو کہ میرے بیٹے کا بھی دوست ہے، کرلی، نفیسہ بیگم نے جب ہاتھ سے بساط جاتی دیکھی تو انہوں نے بچوں کو ورغلانا شروع کردیا، میں مانتی ہوں کہ بچوں کے رویے دلبرداشتہ ہیں، مگر اس نے بھی تو میدان مارنے کی کوشش نہیں کی، سارے بچے اسی پھوپھی کے زیر اثر ہیں، جو نہ صرف ان کو بدتمیز بنا رہی ہیں بلکہ ہر طرح سے ان کی شخصیت بگاڑ رہی ہے۔“

”اوہ!“ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”آپ کو یہ سب کس نے بتایا؟“ میں نے پوچھا۔

”شادی کے بعد کے حالات تو ظاہر ہے، شگفتہ ہی نے بتائے ہیں، مگر ان کے گھر کے حالات کا ذکر قاسم کے دوست نے میرے بیٹے سے کیے تھے، اس وقت شگفتہ کو میں نے اس لئے نہیں بتایا کہ اگر یہ پہلے سے نفیسہ بیگم کے لئے دل میں کوئی بات رکھ لیتی تو اس کو مشکل ہوتی، مگر مجھے شاید بتا دینا چاہئے تھا، تاکہ وہ شروع ہی سے معاملات سمجھ جاتی، نفیسہ بیگم، شگفتہ کو کہتی، تمہاری تو پہلی شادی ہے، تم تو وقت کو انجوائے کرو، تمہارے تو ابھی گھومنے پھرنے کے دن ہیں، میں جہاں اتنا عرصہ سنبھالتی رہی ہوں، وہاں کچھ اور دن بھی سنبھال لوں گی، ادھر بچوں کے دماغ میں غلط باتیں بٹھا دیں کہ انہوں نے تم سے تمہارا ابا بھی چھین لیا، اسی لئے میں تمہارے ابا کی شادی کے خلاف تھی، شروع میں قاسم صاحب نے دبے لفظوں میں شگفتہ کو سمجھانے کی کوشش کی، اس وقت اس کو نفیسہ اپنی ہمدرد نظر آتی تھی، جب تک اس پر حقیقت عیاں ہوئی، تب تک بچے اس سے نہ صرف دور ہو چکے تھے، بلکہ بدتمیز اور منہ پھٹ بھی بن چکے تھے، کاش! میں شروع ہی میں شگفتہ کو سمجھا دیتی تو کم از کم یہ صورتحال تو نہ ہوتی۔“ یہ کہہ کر انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔

”دیکھئے صبیحہ صاحبہ، اگر آپ نے نیک نیتی سے کسی کی برائی نہیں کی تو اب افسوس مت کریں، زندگی تو نام ہی اونچ نیچ کا ہے، اچھا اور برا وقت بہرحال گزر جاتا ہے، نماز پڑھ کر دعا کریں، ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ حالات میں بہتری پیدا فرمائیں گے، نماز تو پڑھتی ہیں ناں؟“ میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”جی، الحمدللہ“

”اور شگفتہ؟“ میں نے پوچھا۔

”وہ پابند نہیں ہے۔“ وہ بولیں۔

”ان دو دنوں میں آپ دونوں کی مزید بات چیت ہوئی؟“ میں نے پوچھا۔

”کل رات بھی قاسم آیا تھا، وہ سخت پریشان ہے، چھوٹی والی بیٹی شاہین کو بہت سخت بخار ہے، اس کی بے توجہی کی وجہ سے اسے کاروبار میں بھی نقصان ہو رہا ہے، ہم دونوں نے مل کر کل بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہی اس کی مرغے کی ایک ٹانگ۔“ وہ اب قدرے غصے میں آ گئیں۔

”اچھا ایسا کریں، آپ کل ہی شگفتہ کو میرے پاس لے آئیں۔“ میں نے ان کی باتیں سن کر ان کو اگلا اپائنٹمنٹ دے دیا۔

☆......☆......☆

”السلام علیکم! کیسی ہو شگفتہ؟“ میں نے شگفتہ سے حال دریافت کیا۔

”وعلیکم السلام! آپ نے امی کو سمجھا دیا کہ یہ روگ میرے بس کا نہیں۔“ وہ جواباً غصے سے بولیں۔

”شگفتہ جی، آپ ہمیشہ غصے کی تیز ہیں؟“ میں نے ان کا رویہ دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”نہیں۔“ اب وہ تھوڑی شرمندہ ہوئیں۔

”پھر اتنا غصہ کیوں؟“ میں نے پوچھا۔

”ان بدتمیز بچوں نے مجھ سے جس طرح بدتمیزیاں کی ہیں، اگر کوئی اور ہوتا ناں تو شاید ان کی خوب دھنائی کرتا، میری برداشت ختم ہو چکی ہے، مجھ میں اب مزید ذلت سہنے کی ہمت نہیں، ورنہ شاہین سخت بیمار ہے، میں جب بیاہ کر گئی تو اس چار سالہ بچی کے پیمپر بندھا ہوا تھا، میں نے اس کی اس گندی عادت سے جان چھڑوائی، آپ سوچ سکتی ہیں، کسی کے بچے کا یہ کام کرنا کتنا دشوار ہوتا ہے، میں نے یہ بھی کروایا، مجھے اس بچی پر بڑا ترس بھی آتا ہے، مگر میں کیا کروں، وہ تینوں آفت کے پرکالے اس کو بھی الٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتے ہیں، ورنہ وہ تو مجھ سے اچھی خاصی مانوس ہو گئی تھی اور میری امی سمجھتی ہیں کہ میں نے ان کو اپنا بنانے کی کوشش ہی نہیں کی۔“ اب اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

”ایسا کریں، شاہین کو اپنے پاس بلوا لیں؟“ میں نے مشورہ دیا۔

”میں نے کہا تھا قاسم صاحب سے کہ اسے میرے پاس چھوڑ دیں، مگر بڑے تینوں نہیں مانتے۔“ وہ چڑ کر بولیں۔

”ان بڑوں کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”کیا مسئلہ نہیں ہے، شاید میں سانس بھی لیتی ہوں تو ان کو برا لگتا ہے۔“ وہ غصے سے بولیں۔

”پھر بھی بدتمیزی کی ابتداء کیسے ہوئی، اس وقت آپ نے ان کو سمجھایا کیوں نہیں؟“ میں نے کہا۔

”دراصل ایسی سچویشن ہو جاتی تھی، اس وقت کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا۔“ وہ گڑبڑائی۔

”مثلاً؟“ میں نے سوال کیا۔

”مثلاً!“ وہ جواباً گویا ہوئیں۔

☆......☆......☆

”یہ ہاف فرائی ہے۔“ ماہین غصے سے چیخی۔

ڈائنگ ٹیبل پر سب ناشتہ کر رہے تھے، ماسی خیراں سب کے آگے چیزیں رکھ رہی تھی، ماہین نے پلیٹ کو دھکا مارا۔

”میں ایسا ہاف فرائی نہیں کھاتی۔“

”کیوں ماہین بیٹا، کیا ہو گیا۔“ قاسم صاحب نے اخبار سے نظریں ہٹاتے ہوئے کہا۔

”یہ انڈا بنایا ہے۔“ ماہین غصے سے بولی۔

”میں بنا کر لائی ہوں میری بیٹی کے لئے۔“ شگفتہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

”یہ ہاف فرائی ہے یا فل۔“ سبین، شگفتہ کے بنائے ہوئے انڈے کو دیکھ کر بولی۔

”وہی اچھا تھا۔“ ماہین نے دونوں کا موازنہ کیا۔

”یہ سنی سائیڈ اپ (Sunny side up) کا تو سن ہی نہیں ہے۔“ عرفان نے ٹوسٹ اٹھاتے ہوئے کہا تو شگفتہ جھینپ گئی۔

”وہ میری کوکنگ کی اتنی عادت نہیں ہے۔“

”اوہ! پاپا اب تو سب کچھ چلے گا، سن (SUN) کی جگہ اسٹار (star) بھی۔“ سبین نے لقمہ دیا۔

”bad guys، چلو جلدی کرو، دیر ہو رہی ہے، شگفتہ چائے دو پلیز۔“ قاسم صاحب نے مسکرا کر بات ختم کی۔

”یہ بچے میری کوکنگ پر ہنستے، میری ڈریسنگ پر ہنستے، اس پر کمنٹس (Comments) دیتے۔“ شگفتہ یہ کہہ کر آگے بتانے لگیں۔

☆......☆......☆

”مما، آپ نے ٹراؤزر پہنا ہے، واؤ۔“ سبین نے شگفتہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”مما، ینگ (Young) ہیں ابھی، بس آپ سب

کو بتایا کریں، شاہین میری بیٹی ہے اور یہ تینوں میرے؟......'' عرفان بدتمیزی سے بولا۔

''عرفان۔'' شگفتہ کو غصہ آگیا۔

''میرے، بہن بھائی ہیں۔'' عرفان جملہ مکمل کرکے ہنسنے لگا۔ شگفتہ غصے سے جانے لگی۔

''پھوپھو، کیا کہہ رہی تھی سبین۔'' عرفان نے معصومیت سے پوچھا۔

''وہ شاید بڈھی گھوڑی لال لگام۔'' سبین نے کہہ کر قہقہہ لگایا تو شگفتہ نے پلٹ کر غصے سے دیکھا اور کمرے سے نکل گئی۔

☆......☆......☆

''پہلے تو میں اگنور کرتی رہی، مگر اکثر و بیشتر ان کی حرکتیں مجھے رلا دیتیں اور اس دن نفیسہ آپا آئیں تھیں، مجھے اچھی طرح یاد ہے۔'' شگفتہ جی تفصیل سے بتانے لگیں۔

☆......☆......☆

''نفیسہ آپا، آپ اس وقت؟'' شگفتہ اپنی نگرانی میں ڈائننگ ٹیبل لگوا رہی تھی، جب نفیسہ بیگم گھر میں داخل ہوئیں۔

''اس طرف بازار آئی تھی، سوچا بچوں سے بھی ملتی چلوں، تم ٹھیک ہو۔'' نفیسہ آپا نے غور سے شگفتہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی، اللہ کا بڑا شکر ہے، آپ بیٹھیں، بس کھانا ہی تیار کروا رہی تھی، ابھی بچے اسکول سے آئے ہیں، ماسی خیراں دیکھو، بچوں نے چینج (Change) کرلیا اور یہ شاہین کہاں گئی، ابھی تک تو یہیں کھیل رہی تھی۔''

''باجی، وہ سبین بی بی کے ساتھ اوپر کمرے میں چلی گئی ہے۔'' ماسی نے بتایا۔

''اچھا۔'' شگفتہ جواباً اتنا ہی بولی۔

''ٹھہرو، میں ہی بچوں کو بلا لاتی ہوں۔'' نفیسہ آپا نے ماسی کو جاتے ہوئے روکا۔

''یہ تم لوگوں کے کمروں کا کیا حال ہے، تمہارے سارے کھلونے وغیرہ کہاں گئے۔'' نفیسہ آپا بچوں کے کمرے میں داخل ہوئیں تو کمرے پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

''پھوپھو، یہ میرا کمرہ ہے۔'' عرفان باتھ روم سے نکلتے ہوئے بولا۔

''اچھا، میں بھی اس عمر میں، مگر ہائیں یہ تمہارے کمرے کو کیا ہوگیا، دیواروں پر سے تصویریں کہاں گئیں، تمہارا ڈیک، سی ڈی پلیئر اور پلازمہ کہاں گیا۔''

''تصویریں تو ماما نے اتروا دیں کہ رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوں گے اور باقی چیزیں کامن روم میں رکھوا دیں کہ جو بھی دیکھے گا، باہر سب کے ساتھ بیٹھ کر دیکھے گا، اکیلے کمرے میں کوئی نہیں دیکھے گا۔'' عرفان کندھے اچکاتا ہوا بولا۔

''ہائے ہائے، بن ماں کے بچوں پر ظلم تو دیکھو، ہائے ہائے کیسے مرجھا گئے۔''

''مگر پھوپھو، یہ سب تو آپ نے کیا تھا، ورنہ ہماری مما کو بھی یہ سب پسند نہیں تھا۔'' سبین عرفان کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

''اپنے لئے نہیں رکھوایا تھا، بلکہ تم لوگوں کے لئے رکھوایا تھا کہ ماں کے بغیر ہر وقت اداس رہتے ہو، قاسم کا کیا ہے، اس کو تو بیوی مل گئی، بچے تو اکیلے ہوگئے، ہائے میرے بچے۔'' نفیسہ آپا چمک کر بولیں۔

''چھوڑیں پھوپھو، بھوک لگ رہی ہے، چلیں کھانا کھاتے ہیں۔'' اب ماہین نے مداخلت کی، جو ساتھ ہی دروازے پر کھڑی تھی۔

''ٹھہرو، میں ذرا تمہارا کمرہ بھی دیکھ لوں۔'' نفیسہ آپا نے تمام کمروں کا اچھی طرح معائنہ کیا اور پھر نیچے آگئیں۔

''یہ تم نے کیا کیا؟'' نفیسہ بیگم نے پلیٹ کو پلاؤ سے بھرتے ہوئے کہا۔

''خیریت آپا، کیا ہوگیا؟'' شگفتہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

''عرفان کا کمرہ کیسا خالی کردیا اور چھوٹی کے بھی گڑیا، بھالو سب کہاں غائب کردیئے۔'' وہ نوالے لیتے ہوئے بولیں۔

''کہیں نہیں، کھلونے میں نے الماری کے ایک پورشن میں رکھ دیئے ہیں، سب میں تصویریں یا شکلیں ہیں، کھیلتے وقت نکال لیتے ہیں، اسی طرح......''

''رہنے دو، اتنی محنت سے میں نے بچوں کے کمرے سجائے تھے، سب ویران کردیئے تم نے۔'' نفیسہ بیگم نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''تو کیا، یہ سب ان کی مما نے نہیں کیا تھا۔'' شگفتہ چونکی۔

''اس بیچاری کو کہاں ان سب چیزوں کی خبر تھی، گھر کا سودا وغیرہ بھی میرے ساتھ ہی چل کر لیتی، ہر کام میں مجھ سے پوچھتی، مجھے بڑا بنا کر رکھا تھا۔'' نفیسہ بیگم جب تک بیٹھی رہیں، شگفتہ کو احساس دلاتی رہیں کہ وہ سب کچھ غلط کررہی ہیں اور پہلی والی بھابھی ان کی کتنی فرمانبردار تھی، بچے بھی سب بیٹھے سن رہے تھے اور خاموش تھے اور پھر کھانے پر تنقید کرتی رہیں، شگفتہ پھر بھی جواباً کچھ نہ بولیں۔

☆......☆......☆

''پرسوں شاہین کی سالگرہ ہے، ایسا کرو، تم ایک فنکشن ارینج کرلو۔'' نفیسہ بیگم فون پر بولیں۔

''فنکشن مگر؟'' شگفتہ بولتے بولتے رک گئی۔

''بن ماں کے بچوں کو خوش رکھنے کے لئے کچھ تو کرو شگفتہ اور ہاں میری بچیاں اور داماد بھی ہوں گے، تم اپنی امی اور بھائی بھابھی کو بلوا لو، بلکہ کھانے کا بھی انتظام کرلینا۔'' نفیسہ بیگم نے حکم دے کر فون رکھ دیا۔

''آپا کہہ رہی ہیں کہ پرسوں شاہین کی سالگرہ پر دعوت کرلیتے ہیں۔'' رات کو شگفتہ نے قاسم سے کہا۔

''دعوت، مگر ہم نے پہلے کبھی ایسی کوئی دعوت نہیں کی، یہ سب فضولیات ہیں اور آج کل کاروبار کے حالات بھی خراب ہیں، ان فضول خرچوں کی میرے پاس کوئی گنجائش نہیں۔'' قاسم صاحب غصے میں آگئے۔

''مگر وہ آپا؟''...... شگفتہ بولی۔

''شگفتہ بیگم، یہ آپ کا گھر ہے، دوسروں کی باتوں پر کان دھرنا چھوڑ دیں، وہی کریں جو آپ اور بچوں کے لئے بہتر ہو، ویسے بھی پرسوں میں کام کے سلسلے میں چند روز کے لئے ایبٹ آباد جاؤں گا۔'' قاسم صاحب نے کہہ کر بات ختم کردی۔

☆......☆......☆

''شاہین، یہ تم کیا کررہی ہو؟''

''آج میری سالگرہ ہے مما۔'' شاہین توتلی آواز میں بولی۔

''مگر یہ لالی، یہ سب؟'' شاہین شگفتہ کے کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل کے آگے چھوٹے اسٹول پر کھڑی ہوکر ساری کاسمیٹک درہم برہم کرچکی تھی، چہرے، ہاتھوں پر نقش و نگار بنے تھے۔

''بدتمیز، کیا کیا ہے تم نے؟'' شگفتہ نے اردگرد نظر دوڑائی تو پورا قالین اور فرنیچر، لپ اسٹک اور نیل پالش، مسکارا کے نشانات سے بھرا ہوا تھا تو شاہین سہم کر رونے لگی۔

''اچھا، آؤ میں تمہیں تیار کردوں۔'' شگفتہ نے پھر بہلا پھسلا کر شاہین کو چپ کرایا، گھنٹوں صفائی کے بعد اس کے جسم پر سے نشانات کم ہوئے، مسکارے اور نیل پالش نے اس کی جلد کو بے حد خراب کردیا تھا۔

☆......☆......☆

''آپ نے شاہین کو مارا ہے؟'' دوپہر کو اسکول سے آکر سبین نے جب سوتی ہوئی شاہین کا چہرہ دیکھا تو بھاگتے ہوئے شگفتہ کے پاس آئی۔

''سبین کس طرح بات کررہی ہو؟'' شگفتہ سبین کے لہجے پر چونکی۔

''آپ بتایئے، آپ نے کیا میری بہن کو مارا ہے؟''

اب سبین شگفتہ کے سامنے آ کر بدتمیزی سے پوچھنے لگی تو شگفتہ نے غصے سے سبین کو تھپڑ کھینچ کر منہ پر مارا۔

"جب بات کرنے کی تمیز سیکھ لو، پھر بات کرنا۔" شگفتہ یہ کہہ کر بچوں کے کمرے کی طرف بڑھی تو دیکھا شاہین ابھی تک سو رہی تھی اور اس کے چہرے پر سرخ نشانات تھے اور دوبارہ سبین کی طرف پلٹی، ادھر آؤ اور اسے کھینچ کر اپنے کمرے میں لے کر آئی، ڈریسنگ اور کارپٹ کا حشر دکھاتے ہوئے کہنے لگی۔

"اس کے باوجود بھی میں نے اسے نہیں مارا۔"

"مائنڈ اٹ اینڈ گو ناؤ (Mind it and go now)" اور سبین کا بازو چھوڑ دیا۔

☆......☆......☆

"ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو نفیسہ آپا آگ لگا کر مزید پھلجڑیاں چھوڑتیں۔" شگفتہ جی نے بات مکمل کی۔

"بچوں کے ساتھ غلط ہو رہا ہے، اس کا یہ مطلب ہے؟" میں نے کہا۔

"ہوں۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

"پھر بھی آپ ان کو آپا کے رحم و کرم پر چھوڑنا چاہتی ہیں، کیونکہ وہ آپ کے بچے نہیں ہیں، اس لئے ناں؟" میں نے کہا۔

"سوتیلی ماں صرف محبت کرسکتی ہے، لاڈ اٹھا سکتی ہے، غصہ اور مار نہیں سکتی، اس طرح تربیت نہیں ہوسکتی، میں نے بچوں کو اپنانے کی کوشش کی، مگر وہ مجھے نہیں اپناتے، کیا ماں سے اس طرح تفتیش کی جاتی ہے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولیں۔

"شگفتہ جی، ایک ماں اپنے بچوں کے لئے بہت ساری چیزیں سہتی ہیں، وہ کچھ اور طرح کی ہوتی ہیں اور آپ جو کچھ سہہ رہی ہیں، وہ کچھ اور طرح کی ہیں، مگر نتیجے میں دونوں کو وہی عزت اور مقام ملتا ہے، جو ایک ماں کو اللہ تعالیٰ نے ودیعت کیا ہے، آپ کی انہیں سخت ضرورت ہے، ورنہ خونی رشتے ان کو کاٹ کھائیں گے، تین تو بچیاں ہیں اور تینوں۔" میں رکی تو وہ کہنے لگیں۔

"تینوں کو منہ پھٹ اور زبان دراز بنا دیا ہے، خاص طور پر سبین اور ماہین کو، شاہین تو ابھی بہت چھوٹی ہے، مگر وہ بھی جو دیکھتی ہے، وہی کرتی ہے۔"

"شگفتہ جی، یہ کچی مٹی ہے، ان کو جو شکل دی جائے گی، وہ بن جائے گی اور پھر گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں، آپ نے ابھی بتایا کہ آپ تصویریں وغیرہ بھی بچوں کو سامنے نہیں رکھنے دیتیں، کیونکہ اس سے رحمت کے فرشتے گھر میں داخل نہیں ہوتے، ورنہ اچھے خاصے دیندار گھرانوں میں اس بات کا اہتمام نہیں ہوتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے سمجھایا۔

"مگر آپ جتنا آسان سمجھ رہی ہیں، یہ اتنا آسان نہیں ہے، میں آپ کو کیا بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا کیا ہوتا رہا ہے۔" اب وہ قدرے چیخ کر بولیں۔

"شگفتہ جی، اتنا چیخنے، میرا مطلب ہے، زور زور سے بولنے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے ٹوکا۔

"یہ بچے میری کوئی بات نہیں سنتے، ورنہ امی جان سے پوچھئے گا، بھائیوں کے ساتھ رہ کر بھی میری آواز کبھی اونچی نہیں ہوئی۔" وہ شرمندہ سی بولیں۔

"جی آپ کی والدہ نے بتایا تھا، مگر کیا یہ مسئلے کا حل ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مسئلے کا حل میرا علیحدہ ہو جانا ہے، ان کو کوئی جلاد قسم کی ماں ملے گی تو ساری شوخیاں بھول جائیں گے۔" وہ چڑ کر بولیں۔

"یہ آپ سے کس نے کہا کہ یہ مسئلے کا حل ہے، شگفتہ جی ٹھنڈے دل سے اس پر غور کریں، پھر ہم پرسوں مزید بات کریں گے۔" میں نے وقت کے ختم ہونے پر ان کو اگلا اپائنمنٹ دے دیا۔

☆......☆......☆

"آپ کو کس نے احساس دلایا کہ یہ مسئلے کا حل ہے۔" میں نے بات کا آغاز کرتے ہوئے وہیں سے شروع کیا، جہاں پر آخری دفعہ ہماری بات ختم ہوئی تھی۔

"احساس، مجھے خود ہی ایسا لگا۔" وہ بولیں۔

"کبھی نفیسہ آپا نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ آپ کو طلاق لے لینی چاہئے۔" میں نے پوچھا۔

"کبھی ایسا کہا تو نہیں، مگر ہر وقت یہ احساس تو انہوں نے مجھے دلایا ہے کہ یہ میرے بچے نہیں۔" وہ بولیں۔

"بچوں کو بھی وہ یہی باور کراتی رہتی ہیں۔" میں نے جواباً کہا۔

"ہاں اور پھر اس دن کے واقعے کے بعد تو وہ مجھ سے بات بھی کرنا گوارا نہیں کرتیں۔" اب شگفتہ جی یہ کہہ کر رک گئیں۔

"کیوں؟ کیا ہوا تھا؟" میں نے سرسری لہجے میں دریافت کیا۔

☆......☆......☆

"میں تم کو گھر خرچ کے لئے جو پیسے دیتا ہوں، تم اس میں سے اچھے خاصے بچا لیتی ہو، کمال ہے! نفیسہ آپا کو تو مجھے اوپر سے اتنے دینے پڑتے تھے اور عاصمہ کو۔" قاسم یہ کہہ کر سوچ میں پڑ گئے، پھر آگے بولنے لگے۔

"عاصمہ کو تو بہت کم موقع ملا، امی جان ہی دیکھتی تھیں، چند ماہ ہی تو ہوئے تھے امی جان کے انتقال کو کہ عاصمہ بھی چل بسی۔" قاسم یہ کہہ کر افسردہ ہو گئے۔

"اچھا۔" شگفتہ نے اتنا ہی کہا، آج پہلی بار اس کے سامنے قاسم صاحب اپنی پہلی بیوی کو نام لے کر یاد کر رہے تھے۔

"کہیں تم بچوں کے معاملے میں پیسے تو نہیں بچا رہیں۔" قاسم صاحب چونک کر بولے۔

قاسم صاحب کی اس بات پر شگفتہ کو افسوس تو ہوا، مگر اس نے ایک چھوٹی ڈائری قاسم صاحب کی طرف بڑھا دی اور جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ابھی بیٹھو۔" قاسم صاحب نے اسے جاتے دیکھا تو روکا تو وہ واپس بیٹھ گئی۔

"ہر روز تم بچوں کو خرچی کے لئے پیسے دیتی ہو، ان کی شاپنگ کے الگ، گروسی کے الگ، گھر کے لئے الگ۔" قاسم صاحب حیران ہو کر دیکھتے رہے۔

"اور پھر بھی تم ڈنر پر اہتمام کرلو، مجھے نفیسہ آپا سے کام ہے۔" قاسم صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے، تو شگفتہ ناسمجھی کے انداز میں کچن کی جانب چل پڑی۔

☆......☆......☆

"خیریت، تم نے اچانک بلوالیا۔" نفیسہ نے اچانک بلوانے پر حیرت کا اظہار کیا۔

"شگفتہ ذرا وہ اپنی ڈائری لانا۔" قاسم صاحب نے ڈائری منگوا کر اپنے پاس ٹیبل پر رکھ لی۔

"آپی، وہ میں کہہ رہا تھا کہ آپ کو تو آج کل بہت پریشانی ہوتی ہوگی۔" قاسم صاحب نے تمہید باندھی۔

"کیوں؟" وہ حیرت سے بولیں۔

"امی جان شاید آپ کو خرچی دیتی تھیں ابھی تک۔"

"خرچی! کیسی خرچی؟" نفیسہ آپا چونکی۔

"اچھا مجھے تو۔" قاسم صاحب کہہ کر رکے۔

"دماغ خراب ہے تمہارا، گھر کا راشن لے کر آجاتی تھی، عاصمہ کے ساتھ مل کر بچوں اور عاصمہ کو خریداری کروا دیتی تھی، کبھی اپنی خدمتوں کا معاوضہ نہیں لیا اور جب تمہاری بیوی مرگئی اور تمہارے بچوں کو اتنا عرصہ سنبھالا، اس کا بھی کوئی معاوضہ نہیں لیا، اپنا سمجھ کر یہ سب کیا ہے میں نے، مگر احسان فراموش ہو تم اور یہ سارا کیا دھرا، اس تمہاری بیگم کا ہے، جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے نہیں، حکمرانی کا شوق ہوا ہے۔"

"مگر آپا، میرا کیا قصور ہے؟" نفیسہ آپا کے کہنے پر شگفتہ بول اٹھی۔

"کبھی اتنے سالوں میں اس بندے کو خیال نہ آیا اور اب مجھ پر الزام لگوانے کے لئے بلوالیا۔" نفیسہ آپا غصے سے چیخیں۔

"آپا، آپ بھی کمال کرتی ہیں، الٹا چور کوتوال کو

ڈانٹئے۔'' قاسم صاحب کو بھی غصہ آگیا۔
''تم نے مجھے چور کہا، تم کو تو رشتوں تک کا پاس نہیں رہا، امی بھی جل کڑھ کر ختم ہوگئیں، بیویاں کیا آجاتی ہیں، سارے رشتے ناطے ایک طرف رکھ دیتے ہو تم لوگ، عاصمہ ہو یا شگفتہ، تم تو کٹھ پتلی کی طرح ان کے اشاروں پر ناچتے رہو، تمہاری اپنی عقل اور کوئی سوچ تھوڑی ہی ہے۔'' نفیسہ آپا کی توپ کا رُخ مکمل طور پر قاسم کی طرف ہوگیا۔
''آپا، مجھے ان مہینوں کا حساب چاہئے، جب آپ نے عاصمہ کے بعد؟......''
''اچھا تو اب تم مجھ سے حساب لوگے۔'' نفیسہ بیگم قاسم کو ٹوکتے ہوئے کھڑی ہوگئیں۔
''آپا، گھر خرچ کے لئے میں شگفتہ کو جتنے پیسے دیتا ہوں، وہ مجھے آدھا واپس کر دیتی ہے جبکہ مجھے آپ کو اس کے علاوہ بھی دینے پڑتے تھے، میرے مالی حالات انتہائی خراب ہیں، مجھ پر قرضوں کا بوجھ بڑھتا جا رہا ہے، میں اپنے پیسے واپس لینے پر حق بجانب ہوں اور نہ جانے کتنے سالوں سے میرے پیسوں پر آپ اپنا گھر چلاتی رہی ہیں۔'' اب قاسم شدید غصے میں تھا۔
''یہ جو میرا بنگلہ ہے ناں! میں نے تمہارے پیسوں پر کھڑا کیا ہے۔'' نفیسہ بیگم چمک کر بولیں۔
''ہوسکتا ہے، میں یقین کرسکتا ہوں۔'' قاسم جواباً غصے میں بولا۔
''حرام ہے اس کا گھر کا پانی، جواب دوبارہ قدم رکھوں۔'' قاسم کا جواب سن کر نفیسہ بیگم رکے بغیر دروازے سے نکلتی چلی گئیں۔
''اُف انسان کسی پر بھروسہ نہیں کرسکتا، سگی بہن بھائی کو لوٹ کر کھا گئی۔'' قاسم نے کہتے ہوئے ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔
''آپ کو ہوسکتا ہے شبہ ہوا ہو، ایسا کچھ نہ ہوا ہو۔'' شگفتہ نے قاسم صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
''تمہارا کیا مطلب ہے، میں جھوٹا الزام لگا رہا ہوں یہ لو۔'' قاسم صاحب نے ایک چھوٹی کاپی شگفتہ کی طرف بڑھائی۔
''نفیسہ کو گھر کے لئے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے، میں نے اپنے کڑے اور اپنی بچت اس کو دے دی، قاسم کے پاس تو بہت ہے، اللہ تعالیٰ اسے اور دے دے گا، ابھی میرے بچے پریشان ہیں۔''
''نفیسہ کو آمنہ کی شادی کے لئے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے، قاسم تو تحفہ دے ہی رہا ہے، میں نے بھی اپنے کچھ پیسے نفیسہ کو دے دیئے، تین مہینے سے جمع کر رہی ہوں، سوچا تھا عاصمہ کے لئے، خیر اگلی دفعہ بنوادوں گی عاصمہ کو چوڑیاں۔''
''یہ کاپی قاسم کی والدہ کی تھی، وہ اس طرح کئی مقامات پر ذکر کر رہی تھی کہ وہ گھر کے پیسے اور اپنے زیور وغیرہ وقتاً فوقتاً میری نند کو دے دیتیں، نفیسہ آپا کی یہ پرانی اور پختہ عادت بن چکی تھی کہ وہ اپنی والدہ سے پیسے لیتی رہتیں۔'' شگفتہ نے یہ کہہ کر ٹھنڈی آہ بھری۔
''ماں بیٹوں کی شادی کے بعد سب کچھ بیٹیوں کو کیوں دے دیتی ہے، تحائف میں بیٹا ہو یا بیٹی، دونوں برابر ہوتے ہیں۔'' وہ شکوہ کرتے ہوئے بولی۔
''ہاں تحائف سب بیٹیوں کو دے دیئے جاتے ہیں اور وراثت میں بیٹوں میں جس کا بس چلتا ہے، وہ قابض ہوجاتا ہے۔'' میں نے جواباً کہا۔
''ہاں، یہ بھی صحیح کہہ رہی ہیں آپ، خیر اس واقعے کے بعد انہوں نے گھر آنا چھوڑ دیا، مگر بچوں کو فون پر برابر ہدایتیں دی جاتی ہیں، جیسے وہی ان کی سچی ہمدرد ہیں۔'' شگفتہ چبا چبا کر بولی۔
''یعنی آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ نفیسہ بیگم بچوں کے ساتھ مخلص نہیں اور پھر بھی انہی کے رحم و کرم پر ان کو چھوڑنا چاہتی ہیں، آپ کہتی ہیں کہ شاہین کو آپ سے انسیت ہے جبکہ میرا خیال ہے آپ کو سب بچوں سے انسیت ہے اور پھر یہ سوچیں کہ اگر آپ عاصمہ ہوتیں اور

آپ کے بچے لوگوں کے ہاتھوں کھلونا بنے ہوئے ہوں تو کیا اپنے بچے بیچ منجدھار میں چھوڑ دیتیں، آپ دین کی سمجھ بوجھ رکھتی ہو، کبھی آپ نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی، کیا آپ نے اتنے بڑے فیصلے سے پہلے رجوع الی اللہ کیا، اب آپ یوں کر کے دیکھیں، ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی فرمائیں گے، فرض نمازوں کو وقت پر ادا کریں اور چلتے پھرتے حسبنا اللہ و نعم الوکیل کا ورد کریں اور پھر جو کچھ سمجھ میں آئے، تب میرے پاس آیئے۔'' میں نے یہ کہہ کر نوٹ بک بند کردی۔

☆......☆......☆

''میں بچوں کو کس طرح ہینڈل کروں، مجھے سمجھ میں نہیں آرہا۔'' شگفتہ تقریباً ایک ہفتے بعد میرے پاس آئیں۔
''یعنی آپ؟''...... میں نے مسکراتے ہوئے اتنا ہی کہا۔
''جی، میں ایک دفعہ پھر خود کو آزماؤں گی، اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ۔'' وہ مسکرائی۔
''آپ بچوں کو کتنا وقت دیتی رہی ہیں؟''
''شاہین صرف تین گھنٹے کے لئے اسکول جاتی ہے، باقی تقریباً سارا وقت گھر پر ہوتی ہے، جب بچے آجاتے ہیں تو ان کے پاس، ورنہ میرے پاس ہی ہوتی ہے، البتہ بڑے بچے صبح ناشتہ ساتھ کرتے ہیں، پھر لنچ پر ہم ملتے ہیں اور پھر ڈنر پر سب ایک ڈیڑھ گھنٹہ ساتھ گزار لیتے ہیں۔'' وہ بولیں۔
''چھٹی والا دن؟'' میں نے پوچھا۔
''بچے اکثر نانی کے گھر اور کبھی کبھی پھوپھو کے گھر چلے جاتے ہیں۔''
''بچوں کو کون پڑھاتا ہے؟''
''ٹیوشن سر آتے ہیں، میں نے پڑھانا چاہا تھا، قاسم صاحب نے منع کردیا، شاہین کے لئے سبین نے منع کردیا۔'' وہ بولیں۔
''کوکنگ بھی آپ نہیں کرتی شاید؟'' میں نے نوٹ بک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔
''اب تو اچھی خاصی کر لیتی ہوں، مگر زیادہ تر ماسی خیراں ہی کرتی ہے۔'' وہ بولیں۔
''کوئی ایسی بات جو بتانے سے رہ گئی ہو، کوئی کوتاہی وغیرہ۔'' میں نے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔
''بے شک!'' میں مسکرائی۔
پھر وہ بتانے لگیں: ''اس دن مجھے عرفان نے کہا کہ بارہ ربیع الاول کے دن مجھے گھر میں لائٹنگ کروانی ہے، پلیز مما آپ پاپا کو منالیں۔'' عرفان نے لنچ پر شگفتہ سے کہا۔
''لائٹنگ بارہ ربیع الاول؟'' شگفتہ بولی۔
''جی ہاں، عید میلاد النبی، ہری لائٹیں لگواؤں گا اور جھنڈے بھی۔'' عرفان ضدی لہجے میں بولا۔
''ہاں مجھے بھی میلاد میں جانا ہے، میری دوست کے گھر پر ہے۔'' سبین بولی۔
''میلاد، جشن مگر؟'' شگفتہ گھبرا گئی۔
''پلیز آپ صرف پیسے لے کر دے دیں، انتظام میں اپنے دوستوں کے ساتھ خود کرلوں گا۔'' عرفان حتمی لہجے میں بولا۔

☆......☆......☆

''سنئے، انکار مت کریئے گا۔'' رات کو شگفتہ نے قاسم صاحب کے سامنے ذکر چھیڑا۔
''خیریت تو ہے بیگم، کہیں جانا ہے آپ کو؟'' قاسم صاحب مسکرا کر بولے۔
''نہیں، مگر مجھ کو؟''......
''کچھ چاہئے؟'' قاسم صاحب نے دوسرا سوال کردیا۔
''ہاں، مگر اپنے لئے نہیں، عرفان کے لئے۔'' شگفتہ بولی۔
''عرفان کے لئے؟'' قاسم نے دہرایا۔
''ہاں، اس کو عید پر لائٹنگ کروانی ہے۔'' شگفتہ مسکرائی۔
''عید! مگر بیگم ابھی تو ربیع الاول شروع ہوا ہے،

رمضان اور ذی الحجہ ابھی دور ہیں۔" قاسم صاحب حیران ہوئے۔

"اوہو! میں عید میلاد النبی کی بات کر رہی ہوں۔"

"کیا!" قاسم صاحب کی چیخ نکل گئی۔

"مگر یہ سب تو گناہ کے کام ہیں۔" قاسم صاحب جھنجھلائے۔

"مجھے بچوں کے دل میں جگہ بنانی ہے تو آپ کو میرا ساتھ دینا ہوگا۔" شگفتہ نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

"کیا تم کو علم نہیں یہ شرک و بدعات ہیں؟" اب قاسم صاحب نے شگفتہ سے سوال کیا۔

"وہ تھوڑا بہت علم ہے، مگر عرفان۔" شگفتہ نے آہستگی سے کہا۔

"پہلے تم سمجھ لو کہ یہ ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی بدعات ہیں۔" قاسم صاحب نے سمجھایا۔

"بچوں کو کون سمجھائے گا۔" شگفتہ کی سوئی وہی اٹکی ہوئی تھی۔

"بچوں کو میں خود سمجھا لوں گا، تمہیں فکر کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔" قاسم صاحب نے شگفتہ کو تسلی دی۔

☆......☆......☆

"اب یہ باتیں نہ بچے سمجھتے ہیں اور نہ مانتے ہیں، بری میں بنتی ہوں کہ نہ ان کو سالگرہ منانے دیتی ہوں، نہ ربیع الاول منانے دیتی ہوں۔" شگفتہ بیگم الجھے الجھے لہجے میں گویا ہوئیں۔

"بس یہ بدعات ہیں، یہ ہر کوئی سمجھتا ہے، مگر ان خرافات سے مکمل احتیاط کرنا اتنا آسان تو نہیں۔" وہ بولیں۔

"آپ بچوں کی ذہن سازی کریں، دنیا تو دنیا، بچوں کی آخرت بھی خراب ہو جائے گی، آپ کو اندازہ تو ہوگا کہ معاشرے میں فتنے کس طرح پھیل رہے ہیں، مباح کو سنت بنا لیا گیا ہے، مستحب کو فرائض پر ترجیح دی جاتی ہے، اہل بدعت کی مشابہت کی جا رہی ہیں، فتنہ انکار حدیث اپنی جگہ پروان چڑھ رہا ہے، آپ کی ذمہ داری تو دہری ہو گئی ہے، بچوں کو سنت اور بدعت کا مفہوم سمجھائیں، بدعت کی مذمت کیوں ضروری ہے سمجھائیں۔" میں نے سمجھایا۔

"مگر کیسے، وہ تو کچھ بھی سننے کو تیار نہیں اس دن۔"...... شگفتہ آگے بتانے لگیں۔

☆......☆......☆

شام کو شگفتہ نے فون کرنے کے لئے فون اٹھایا تو دوسرے فون پر سبین کسی سے بات کر رہی تھی، اس نے فون رکھنا چاہا تو اپنا نام سن کر چونک گئی۔

"شگفتہ بڑی گھنی ہے، یہ جتنی زمین کے اوپر ہے، اتنی ہی زمین کے نیچے ہے، تم بچوں کو تو بیچ کر کھا جائے اور پتہ نہ چلے۔" نفیسہ آپا بولیں۔

"پھوپھو، مجھے آپ کی کچھ باتیں بالکل سمجھ میں نہیں آتیں، مگر مجھے صرف اتنا پتہ ہے کہ میرے پاپا نے میری ماما کے ساتھ وہ نہیں کیا، جو ان کے ساتھ کر رہے ہیں، آپ گواہ ہیں ناں، اب میں ان کی دوسری بیوی کو بتاؤں گی کہ سوتیلا پن کیا ہوتا ہے۔" سبین غصے سے بولی۔

"ہاں، ہاں، کتنی میٹھی بنی ہے، تم بے فکر رہو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔" یہ باتیں سن کر شگفتہ نے فون رکھنا چاہا تو عرفان کو سر پر کھڑے پایا۔

"اب ہمارا فون بھی سنا جاتا ہے۔" وہ بولا۔

"وہ تو مجھے فون کرنا تھا۔" شگفتہ وضاحت دیتے ہوئے بولی۔

"اچھا! تو پھر رک کیوں گئیں، سبین دیکھو تو اب یہ ہماری کالیں بھی سنیں گی، بہت Clever ہیں آپ۔" عرفان بدتمیزی سے بولا۔

"تم کو علم ہے، تم کس سے بات کر رہے ہو۔" شگفتہ کو بھی غصہ آ گیا۔

"بالکل، آپ میرے پاپا کی وائف (Wife) ہیں، وہ تو آپ کو صرف اپنے لئے لائے ہیں، ہماری مما

کیا مریں، ہمارے پاپا بھی چھن گئے۔" عرفان جواباً بدتمیزی سے گویا ہوا۔

"عرفان زبان سنبھال کر بات کرو۔" شگفتہ غصے میں اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

"اس کے بعد میری ہمت، طاقت، جوش، ولولہ سب ختم ہو گیا۔" وہ یہ کہہ کر رونے لگیں۔

"یہ تو میں نے مختصراً بتایا ہے، ورنہ میں نے کہا ناں، دو سال کے دو سو قصے تو ہوں گے۔" وہ مزید بولیں۔

"شگفتہ جی، قاسم صاحب کی آپ کو مکمل حمایت حاصل ہے جبکہ حقیقت کی نظروں سے ارد گرد جائزہ لیں گی تو سب آپ کو قصور وار ٹھہرا رہے ہیں، حتیٰ کہ آپ کی والدہ بھی، کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ کل آپ کو طلاق ہو گئی تو ساری دنیا آپ پر انگلیاں اٹھائے گی اور یہ جو بھائی، بھابھی ہیں، ان کے در پر بھی آئیں گی، یہ طنز اور طعنے جو بچے آپ کو دے رہے ہیں، یہ بڑے کل آپ کو دیں گے، ہر ناکامی کامیابی کی راہ تلاش کرتی ہے، یہ آپ کا ٹرننگ پوائنٹ ہے، یہاں سے حالات کو اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کیجئے، جب ناخن بڑھ جاتے ہیں تو ناخن کاٹے جاتے ہیں، انگلیاں نہیں، اس طرح جب کسی رشتے میں غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو غلط فہمیاں ختم کرنی چاہئے، رشتے نہیں، اسی طرح یہ بھی یاد رکھئے کہ جو لوگ اونچی جگہوں پر کھڑے ہوتے ہیں، انہیں طوفان اور آندھیوں کا زیادہ مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔" میں نے مزید سمجھایا۔

"ویسے ڈاکٹر صاحبہ، یہ باتیں کتابوں میں اچھی لگتی ہیں، عملاً اس پر عمل کرنا انتہائی دشوار ہے اور اب مجھے یہ سمجھ میں آ گیا ہے کہ ہمارے معاشرے میں طلاق کا لفظ کلنک کے ٹیکے کی مانند ہوتا ہے، جس کی سیاہی عمر بھر عورت کی پیشانی پر رہتی ہے۔" وہ بولیں۔

"بالکل، ندامت کے آنسو کے دریا بہا دیئے جائیں، تب بھی یہ داغ دھلتا نہیں اور معاشرہ ایسی عورتوں کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتا ہے۔" میں نے ان کی بات کی تائید میں کہا۔

"بہر حال، میری والدہ کے سمجھانے پر میں نے اتنا اثر نہیں لیا، جتنا بھائی، بھابھی کے سمجھانے کا اثر ہوا ہے۔" شگفتہ جی بولیں۔

"ایسا کیا کہہ دیا؟" میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"جس طرح پستیوں سے بلندیوں کا سفر بہت جاں افزا ہوتا ہے، مگر واپسی تقریباً موت ہوتی ہے، اسی طرح میری واپسی بھی موت ہو گئی۔" شگفتہ جی بولیں۔

"کیا مطلب، میں سمجھی نہیں؟" میں نے کہا۔

"یہی کہا کہ اگر نفیسہ آپا طلاق لے کر قاسم صاحب کے ساتھ رہنے لگیں تو آپ کیا کریں گی۔" شگفتہ جی شکستہ لہجے میں بولیں۔

"اوہ!" مجھے ان کی بات سن کر افسوس ہوا۔

"شاید میں بھی انجانے میں بالکل تو نہیں، تھوڑا بہت نفیسہ بیگم جیسا کردار ادا کر رہی ہوں۔" انہوں نے سمجھایا۔

"گھر کب جا رہی ہیں آپ؟" میں نے پوچھا۔

"شاید رات کو یا پھر صبح۔" وہ بولیں۔

"پھر آئیں گی؟" میں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" یہ کہہ کر وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆......☆......☆

اور پھر شگفتہ جی میرے پاس آئیں تو میں ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

"میں یہ تو نہیں کہوں گی، سب کچھ ٹھیک ہو گیا، لیکن اب بہت کچھ بہتر ہے۔" شگفتہ جی گویا ہوئیں۔

"کتنے عرصے بعد آئی ہیں؟" میں نے حافظے پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

"تقریباً میرا خیال ہے دو سال تو ہو گئے ہوں گے۔" وہ بولیں۔

"اوہ! اتنا وقت نکل گیا۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں، وقت بہت تیز ہے، رکتا نہیں۔" وہ بولیں۔

"گھر میں سب ٹھیک ہے؟" میں نے پوچھا۔
"ہاں! اب بچے سب ٹھیک ہوگئے ہیں تو قاسم صاحب اکثر ناراض رہتے ہیں کہ بچوں کے پیچھے مجھے وقت نہیں دیتیں۔"
"یعنی کسی نہ کسی کو شکایت رہتی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"بالکل۔" اب وہ بھی مسکرائیں۔
"کیسے ہوا سب؟" میں نے پوچھا۔
"پہلے تو میں نے قاسم صاحب کو اس بات پر رضا مند کیا کہ پہلے پیار محبت سے نفیسہ آپا کو منایا جائے، پچھلی باتوں کو بھلا کر آگے کی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کی جائے، بہر حال بہت ہی مشکل مرحلہ تھا، اللہ تعالیٰ نے آسان فرمایا، نفیسہ آپا کے تعاون سے پھر بچوں کو سمجھایا، ہاں آپ ہی نے مجھے بتایا تھا تو نماز پڑھ کر دعا مانگتی رہی، رستے بنتے گئے، مشکلیں آسان ہوتی گئیں۔" وہ بولیں۔
"بے شک نماز اور صبر سے سارے کام آسان ہوجاتے ہیں۔" میں نے کہا۔
"مجھے کچھ چیزیں آپ سے سمجھنی تھیں، وہ اس دن آپ نے کہا تھا، سنت بدعت کا فرق بچوں کو سمجھانا ضروری ہے، میں اب بچوں کے عقائد پر بھی توجہ دے رہی ہوں۔" شگفتہ جی نے جھجکتے ہوئے کہا۔
"سنت اور بدعت کا فرق؟" میں نے دہرایا۔ پھر میں اپنی لائبریری سے ایک کتاب "اختلاف امت اور صراط مستقیم" جو کہ شہید اسلام مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ کی ہے، نکال کر لے آئی، اس کے صفحہ نمبر 92 میں اس طرح درج ہے:
"سنت طریقے کو کہتے ہیں اور اسلامی اصلاح میں سنت سے مراد طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، پس عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور عادات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ اپنایا، وہ سنت ہے اور اس کے خلاف بدعت ہے، طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہم کو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین زمانے کے لوگوں کو خیر القرون کے لوگوں سے فرمایا، یعنی صحابہ کرام، ان کے شاگرد اور ان کے شاگردوں کے شاگرد (ان کو تابعین اور تبع تابعین کہا جاتا ہے) اس لئے ان تینوں زمانوں میں بغیر کسی روک ٹوک کے جس چیز پر مسلمانوں کا عمل درآمد رہا، وہ سنت کے دائرے میں آتی ہے، سنت کی اس تشریح کے بعد بدعت کی حقیقت خود بخود معلوم ہوجاتی ہے، یعنی جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانے میں مروج نہ رہی ہو، اس کو دین کی بات سمجھ کر کرنا بدعت کہلاتا ہے۔" میں نے پڑھ کر سنا دیا۔
"ٹھیک ہے، یہاں تک تو مجھے سمجھ میں آگیا۔"
"آدمی کو بدعت کی نحوست اور تاریکی سنت کے نور سے محروم کر دیتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جب کوئی قوم کوئی سی بدعت ایجاد کر لیتی ہے تو اس کی مثل سنت اس سے اٹھالی جاتی ہے، اس لئے چھوٹی سے چھوٹی سنت پر عمل کرنا بظاہر اچھی سے اچھی بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔" (مشکوٰۃ صفحہ ۳۱) میں نے مزید وضاحت کی۔
"اس کے علاوہ فتنوں کا بھی آپ نے ذکر کیا تھا۔" شگفتہ جی نے پوچھا۔
"قرآن کریم، احادیث صحیحہ، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کی پیروی ہی دین کا حصہ ہے اور باقی جتنے دوسرے عقائد و نظریات رکھتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے خلاف ہوں، وہ سب باطل فرقے ہیں، بس یہ بچوں کو سمجھا دیں۔" میں نے سمجھایا۔
"مجھے عید میلاد النبیؐ کے متعلق بھی تفصیل سے سمجھا دیں۔" اب شگفتہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۹۷ میں لکھا ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا "جشن عید" منایا جاتا ہے اور آج کل اسے اہل سنت کا خاص شعار سمجھا جانے لگا ہے، اس کے بارے میں بھی چند ضروری نکات ہیں:
(۱)..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ایک اعلیٰ ترین عبادت بلکہ روح ایمان ہے، آپؐ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ سرمۂ چشم بصیرت ہے، آپ کی ولادت، صغر سنی، شباب، بعثت، دعوت، جہاد، قربانی، زہد و تقویٰ، علم و خشیت، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، آپ کی صلح و جنگ، خفگی و غصہ، رحمت و شفقت، تبسم و مسکراہٹ، غرض آپ کی ایک ایک حرکت و سکون سیکھنا سکھانا، اس کا مذاکرہ کرنا اس کی دعوت دینا امت کا فرض ہے، اسی طرح آپؐ سے نسبت رکھنے والی شخصیات اور چیزوں کا ذکر بھی عبادت ہے، جن میں آپ کے احباب و اصحاب، ازدواج و اولاد، خدام و عمال، خاک و پوشاک، آپ کے ہتھیاروں، گھوڑوں، خچروں کا ذکر بھی عبادت ہے، کیونکہ اس میں آپ کی سنت کا تذکرہ ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔
(۲)..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دو حصے ہیں، ایک ولادت شریفہ سے قبل از نبوت اور دوسرا بعثت سے وصال شریف تک کا ہے، جسے قرآن کریم نے اسوۂ حسنہ فرمایا ہے، اس کا مکمل ریکارڈ حدیث و سیرت کی شکل میں محفوظ ہے، بلا مبالغہ یہ اسلام کا عظیم ترین اعجاز اور امت مرحومہ کی بلند ترین سعادت ہے کہ اس کے پاس ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا صحیح اور مستند ریکارڈ ہے، اس کے برعکس آج دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں، جس کے پاس ان کے ہادی کی زندگی کا صحیح اور مستند ریکارڈ ہو۔
(۳)..... اسی طرح سیرت طیبہ کو بیان کرنے کے دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ آپ کی سیرت طیبہ کے ایک ایک نقشے کو اپنی اپنی شخصیت کے ظاہر و باطن پر اس طرح آویزاں کیا جائے کہ آپؐ کے ہر امتی کی صورت و سیرت، چال ڈھال، رفتار، گفتار، اخلاق و کردار، آپ کی سیرت کا مرقع بن جائے اور دیکھنے والے کو نظر آئے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے۔

کس طرح غلاموں کی ہو پہچان بنائیں
سرکار کی صورت سے جو صورت نہ ملے گی
بموقع یاد آگیا بلکہ ایک اور بھی ہے
کوثر ہے بس ایک ہی اعزاز کی ہوس
کہہ دیں وہ حشر میں یہ ہمارا غلام ہے

سبحان اللہ۔" شگفتہ نے بے ساختہ کہا۔
دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں موقع ملے، آپؐ کے فضل و کمالات اور بابرکت اعمال و اخلاق کے طریقوں کا تذکرہ کیا جائے، صحابہ و تابعین ائمہ ہدیٰ ان دونوں طریقوں پر عامل تھے اور اپنے عمل سے ایک ایک سنت کو زندہ کرتے تھے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ کے آخری لمحات حیات میں ایک نوجوان عبادت کے لئے آیا، واپس جانے لگا تو حضرتؓ نے فرمایا کہ برخوردار تمہاری چادر ٹخنوں سے نیچے ہے اور یہ آپ کی سنت کے خلاف ہے، یہی صحابہ عاشقانِ رسول تھے، جن کے دم قدم سے آپ کی سیرت طیبہ صرف اوراق و کتب کی زینت نہیں رہی، بلکہ جیتی جاگتی زندگی میں جلوہ گر ہوئی اور اس کی بوئے عنبرین نے مشامِ عالم کو معطر کیا، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ بہت سے ایسے ممالک میں پہنچے، جن کی زبان نہیں جانتے تھے، نہ ان کی لغت سے آشنا تھے، مگر ان کی شکل و صورت، اخلاق و کردار اور اعمال و معاملات کو دیکھ کر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقہ بگوش اور جمالِ محمدیؐ کے غلام بے دام بن گئے۔
(۴)..... سلف صالحین نے کبھی سیرت النبی کے جلسے نہیں کئے اور نہ میلاد کی محفلیں سجائیں، ظاہر ہے ان کی پوری زندگی سیرت النبیؐ کے سانچے میں ڈھلی تھی، لیکن جوں جوں زمانے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے بعد ہوتا گیا، عمل کے بجائے قول اور

کردار کے بجائے گفتار کا سکہ چلنے لگا، الحمدللہ، یہ امت کبھی بانجھ نہیں ہوئی، آج اس گئے گزرے دور میں بھی آج بھی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا آئینہ سامنے رکھتے ہوئے اپنی زندگی کے گیسو سنوارتے ہیں، لیکن ایسے لوگ کم ہیں، جب کہ ہم میں سے اکثریت گھوڑوں اور نعرہ بازوں کی ہے جو سال میں ایک دوبار سیرت النبیؐ کے نعرے لگا کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کے ذمہ ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حق تھا، وہ ادا ہو گیا۔

(۵)......میلاد کی محفلوں کے وجود سے امت کی چھ صدیاں خالی گزرتی ہیں اور ان چھ صدیوں میں مسلمانوں نے کبھی سیرت النبیؐ کے نام کوئی جلسہ یا میلاد کے نام سے کوئی محفل نہیں سجائی، محفل میلاد کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۴ھ میں سلطان ابوسعید مظفر اور ابوالخطاب ابن دحیہ نے کیا، جن میں تین چیزیں بطور خاص ملحوظ تھیں:

(۱)......بارہ ربیع اول کی تاریخ کا تعین

(۲)......علماء و صلحاء کا اجتماع

(۳)......اور ختم محفل پر طعام کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب

ان دونوں صاحبوں کے بارے میں اختلاف ہے، بعض مورخین نے ان کو فاسق و کذاب لکھا ہے، بعض نے عادل وثقہ، جب یہ نئی رسم نکلی تو بعض نے اسے بدعت سیئہ قرار دیا اور بعض نے مباح اور اس کے جواز و استحسان کا فتویٰ دیا، یہ رسم جب چل نکلی تو یہ علماء اور صلحاء کے اجتماع سے نکل کر عوام کے دائرے میں آ کر نئی نئی اختراعات کا تختہ مشق بنتی چلی گئی، جو آج ہمارے سامنے عید میلادالنبیؐ کی ترقی یافتہ شکل میں موجود ہے، اب ہمیں اس کا جائزہ لینا ہے۔

(۶)......سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جو فعل صحابہؓ و تابعین کے زمانے میں کبھی نہیں ہوا، بلکہ جن کے وجود سے اسلام کی چھ صدیاں خالی چلی آئی ہیں، آج وہ اسلام کا شعار بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، اس شعار اسلام کو زندہ کرنے والے عاشقانِ رسول کہلاتے ہیں جو لوگ اس نو ایجاد شعارِ اسلام سے نا آشنا ہوں، ان دشمنانِ رسول تصور کیا جاتا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون

کاش! ان حضرات نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ جو صدیوں کے جو مسلمان ان کے اس خود تراشیدہ شعار شعارِ اسلام سے محروم رہے ہیں، ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا، کیا وہ سب نعوذباللہ دشمنانِ رسولؐ تھے اور پھر انہوں نے اس بات پر کبھی غور کیا ہوتا کہ اسلام کی تکمیل کا اعلان تو حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن ہو گیا تھا یعنی سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "آج کے دن میں نے اسلام دین کو مکمل کر دیا۔" اس کے بعد وہ کون سا پیغمبر آیا تھا، جس نے ایک ایسی چیز کو ان کے لئے شعارِ اسلام بنا دیا، جس سے چھ صدیوں کے مسلمان نا آشنا تھے، کیا اسلام میرے یا کسی کے ابا کے گھر کی چیز ہے کہ جب چاہو، اس کی کچھ چیزیں حذف کر دو اور جب چاہو، اس میں کچھ چیزوں کا اضافہ کر لو۔

(۷)......دراصل اسلام سے پہلے قوموں میں اپنے بزرگوں اور بانیانِ مذہب کی برسی منانے کا معمول ہے، جیسے کہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت پر عید میلاد منائی جاتی ہے، اس کے برعکس اسلام نے برسی منانے کی رسم کو ختم کر دیا، اس میں دو حکمتیں تھیں، ایک یہ کہ سالگرہ کے موقع پر جو کچھ کیا جاتا ہے، وہ اسلام کی دعوت اور اس کی روح و مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، دوسری حکمت یہ کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح خاص موسم میں برگ و بار نہیں لاتا، بلکہ وہ ایسا سدابہار شجر طوبیٰ ہے جس کا پھل اور سایہ دائم و قائم ہے اور پھر دوسری قوموں کے پاس تو دو چار ہستیاں ہوں گی جن کی سالگرہ منا کر وہ فارغ ہو جاتی ہے، اس کے برعکس اسلام کے دامن میں ہزاروں نہیں، بلکہ کروڑوں ایسی قد آور شخصیات موجود ہیں جو ایک سے بڑھ کر ایک ہیں،

اب اگر اسلام شخصیتوں کی سالگرہ منانے کا دروازہ کھول دیتا تو غور کیجئے، امت کو سال بھر سالگراہوں کے علاوہ کسی اور کام کے لئے فرصت نہ ہوتی، چونکہ یہ چیز اسلام کی دعوت اور مزاج کے خلاف تھی، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ کے بعد چھ صدیوں تک امت کا مزاج قبول نہ کر سکا، چھٹی صدی میں فرزندانِ تثلیث نے صلیبی جنگ لڑیں اور مسیحیت کے ناپاک اور منحوس قدموں نے عالم اسلام کو روند ڈالا، ادھر مسلمانوں کا اسلامی مزاج داخلی و خارجی شورشوں کی مسلسل یلغار سے کمزور پڑ رہا تھا، مسیحیت کا فاتحانہ حملہ عالم اسلام میں احساس کمتری پیدا کر گیا، اس لئے عیسائیوں کی تقلید میں یہ قوم بھی یوم ولادت کا جشن منانے لگی، امت کے مجموعی مزاج نے اس کو قبول نہیں کیا، بلکہ ساتویں صدی کے آغاز سے لے کر آج تک علمائے امت نے اسے بدعت قرار دیا اور اسے ہر بدعت گمراہی کے زمرے میں شمار کیا۔

(۸)......اگرچہ میلاد کی رسم ساتویں صدی کے آغاز سے شروع ہو چکی تھی، لوگوں نے اس میں بہت امور کے اضافے کئے، مگر کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "میری قبر کو عید نہ بنانا۔" مگر اب چند سالوں سے اس سالگرہ کو عید میلادالنبی کہلانے کا شرف بھی حاصل ہو گیا ہے۔

دنیا کا کون مسلمان اس سے ناواقف ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے عید کے دو دن مقرر کئے ہیں، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ، اسلام کے مزاج سے یہ چیز کوئی مناسبت رکھتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کو عید قرار دے سکتے تھے۔

ستم تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں تو اختلاف ہے، بعض ۹ ربیع الاول، بعض ۹ ربیع الاول اور مشہور ۱۲ ربیع الاول ہے، لیکن اس میں اختلاف نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی، گویا ہم نے جشن عید کے لئے دن بھی تجویز کیا تو وہ جس میں آپؐ دنیا سے داغ مفارقت دے گئے، اگر کوئی ہم سے یہ سوال کرے کہ ہم لوگ جشن عید آپ کی ولادت طیبہ پر مناتے ہو یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خوشی میں؟ نعوذباللہ، تو شاید ہمیں اس کا جواب دینا بھی مشکل ہو گا۔

(۹)......اور پھر یہ عید جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق منائی جاتی ہے، وہ بھی لائق شرم ہے، بے ریش لڑکے غلط سلط نعتیں پڑھتے ہیں، موضوع، من گھڑت، قصے کہانیاں جن کا قرون اولیٰ کی کسی کتاب میں وجود نہیں، بیان کی جاتی ہے، نمازیں غارت ہوتی ہیں، شور و شغب ہوتا ہے اور نامعلوم کیا کیا ہوتا ہے، کاش! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جو "بدعت" ایجاد کی گئی تھی، اس میں کم از کم آپ کی عظمت و تقدس ہی کو ملحوظ رکھا جاتا۔ غضب یہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان خرافاتی محفلوں میں بنفس نفیس شریف لاتے ہیں۔ ہائے اسلام کی بیچارگی!!!

(۱۰)......اس کا ایک اور کارنامہ یہ کہ عید میلادالنبیؐ کے موقع پر روضہ اطہر اور کعبہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے، لوگ اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں، بیت اللہ کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں اور علماء کی نگرانی میں کرایا جاتا ہے، جشن عید میلاد کی باقی سب چیزوں کو چھوڑ کر اسی ایک منظر کا جائزہ لیجئے کہ اس میں کتنی قباحتوں کو سمیٹ کر جمع کر دیا گیا۔

اول یہ کہ کروڑوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے، یہ محض اسراف و تبذیر اور فضول خرچی ہے اور یہ فضول خرچی وہ غربت زدہ قوم کر رہی ہے جو روٹی، کپڑا اور مکان کے نام پر ایمان تک کا سودا کرنے کو تیار ہے، اگر یہی رقم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال ثواب کے لئے غرباء و مساکین کو چپکے سے نقد دے دی جاتی تو نمائش تو بلاشبہ نہ ہوتی، اس رقم سے سینکڑوں اجڑے گھر آباد ہو سکتے ہیں، سینکڑوں

بچیوں کے ہاتھ پیلے کیئے جاسکتے ہیں جو اپنے والدین کے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہیں۔

دوسرے اس فعل میں شیعوں اور رافضیوں کی تقلید ہے جو حضرت حسینؓ کی سالانہ برسی مناتے ہیں اور اس موقع پر تعزیہ، علم وغیرہ نکالتے ہیں، افسوس ہے کہ ملعون بدعت رافضیوں نے ایجاد کی تھی، ہم ان کی تقلید کرکے اس میں مہر تصدیق ثبت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ روضہ اطہر اور بیت اللہ کی شبیہ بنا کر اگلے دن اسے توڑ پھوڑ دیتے ہیں، کیا یہ ان کی توہین نہیں۔

چوتھے، جس طرح شیعہ لوگ حضرت امام حسینؓ کے تعزیئے پر چڑھاوے چڑھاتے اور منتیں مانتے ہیں، عوام کالانعام اس بدعت کے ساتھ یہی معاملہ کرنے لگے ہیں، گویا مسلمانوں کو حج عمرے کے لئے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جانے کی ضرورت نہیں، ہمارے ان دوستوں نے گھر گھر روزے اور بیت اللہ بنادیئے ہیں، جہاں سلام بھی پڑھا جاتا ہے اور طواف بھی کیا جاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جشن عید میلاد کے نام پر جو خرافات رائج کردی گئی ہیں اور جن میں آئے سال تسلسل اضافہ کیا جارہا ہے، یہ اسلام کی دعوت، اس کی روح اور اس کے مزاج کے یکسر منافی ہے، مولانا یوسف لدھیانویؒ مندرجہ بالا کتاب میں اسے نہ صرف بدعت بلکہ تحریف فی الدین تصور کرتے ہیں۔'' میں نے یہ کہہ کر کتاب بند کی۔

اور پھر نبی کریم صلی الہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کا حال ان کے چہروں سے ہوتا ہے، اہل حق کے منور چہرے ہی عقل والوں کے لئے کافی ہیں، سنت کی پیروی کرنے والوں پر سنت کا نور نمایاں ہوتا ہے اور اہل بدعت کے چہروں پر بدعت کی عظمت عیاں ہوتی ہے۔

اسی طرح کا مضمون قرآن پاک کی سورہ فتح کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار ان کے چہروں میں نمایاں ہیں۔'' آیت نمبر (۲۹) میں نے بات مکمل کی۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ، آپ نے میری رہنمائی کی۔'' شگفتہ نے مسکرا کر کہا۔

''اللہ تعالیٰ ہم سب کو باعمل مسلمان بنالے۔'' میں نے دعا کی تو شگفتہ نے باآواز بلند ''آمین'' کہا۔

☆......☆......☆

''سوتیلی ماں کے لئے بچوں کے دل میں جگہ بنانا ایک مشکل مرحلہ ہے، ہمت اور استقامت ہی انسان کو کامیاب کرتی ہے، اس کے ساتھ ہی ایک اہم مسئلہ جو شگفتہ نے بھی سمجھنے کی کوشش کی، عورتوں کے لئے سیکھنا، سمجھنا، عمل کرنا اور بچوں کو سکھانا انتہائی ضروری ہے، کیونکہ قرب قیامت کے فتنے مسلمانوں کے ایمان کو ضائع کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں سچا مسلمان اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح غلام بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔''

چاند پر کوئی پہنچتا ہے بلا سے پہنچے
ہم کو سرکار کے قدموں سے سروکار رہے

اس کہانی کے کسی بھی کردار سے مشابہت محض اتفاقیہ ہوگی، کیونکہ یہ معاشرے کے عمومی منفی رویوں کو زیر بحث لاکر ان کی اصلاح کے طریقوں کو اجاگر کرنے کی ایک مخلصانہ کوشش کی گئی ہے۔

آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں امر بالمعروف نہی عن المنکر کا پابند بنائے اور ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہرحال وبہرصورت لکھنے والی اپنے حق میں دعائے خیر ومغفرت کی درخواست اپنے ہر پڑھنے والے سے بہ منت لجاجت کررہی ہے، دعا فرمایئے اور اپنا اجر اپنے رب سے پایئے۔ آپ کی باجی فردوس

☆......☆......☆

شک کا ناگ

حنیفہ اعوان

''نازیہ او نازیہ کہاں مرگئی ہے کھانا لا جلدی۔'' اکرم کی چنگھاڑتی آواز سن کر کھانا گرم کرتی نازیہ کے اوسان خطا ہوگئے، جلدی جلدی کھانا گرم کیا اور اکرم کے سامنے ٹیبل پر کھانا رکھ دیا۔

''پھوہڑ عورت، اتنی دیر کیوں لگادی، کوئی ایک کام بھی تم ڈھنگ سے نہیں کرسکتی۔'' نازیہ، اکرم کی ڈانٹ خاموشی سے سنتی رہی، اسے بہت سے کام تھے، مگر اکرم کا حکم تھا، جب تک وہ کھانا نہ کھالے وہ اس کے پاس بیٹھی رہے، کیونکہ اسے کسی بھی چیز کی ضرورت پڑسکتی ہے۔ اکرم نازیہ کا شوہر ہے، بہت سی بری عادتوں کے ساتھ اس کی ایک اور بری عادت شک کرنا تھا، وہ انتہائی شکی مزاج تھا، اکرم کی ماں جب اکرم محض ایک سال کا تھا، اسے اور اس کے باپ کو چھوڑ کر بھاگ گئی تھی، اکرم کو دادی نے پالا تھا، جوں جوں بڑا ہوتا گیا، اس کے دل میں ماں کے لئے نفرت پیدا ہوتی گئی، تب ہی وہ تمام عورتوں کو ایک جیسا سمجھنے لگا، نازیہ اس کی پھپھو کی بیٹی تھی، ان کی شادی دو سال پہلے ہوئی تھی، اب ان کی ایک بیٹی بھی ہوگئی ہے، ان دو سالوں میں اکرم نے اپنے شکی مزاج کی بنا پر اس کی زندگی اجیرن کررکھی تھی، وہ جب بھی گھر سے باہر جاتا، دروازے کو باہر سے تالا لگادیتا، کئی کئی مہینے وہ اسے میکے نہ جانے دیتا تھا، باہر گلی محلے میں جانے پر بھی پابندی تھی۔

☆......☆......☆

اس وقت مالا کے چوبارے محفل جمی ہوئی تھی، چاندنی سب کے سامنے شاعری پیش کررہی تھی، اکرم بھی سب کی طرح دم سادھے بیٹھا ہوا تھا، اکرم ہفتے میں دو مرتبہ مالا کے چوبارے پر آتا تھا، چاندنی کے ساتھ اس کی دوستی اور خاص تعلقات تھے، اکرم نازیہ پر شک کرتا تھا، لیکن اپنے عمل کو وہ ٹھیک سمجھتا تھا، اس نے اپنے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا، وہ نازیہ کو پاک صاف دیکھنا چاہتا ہے، نازیہ کا کردار صاف تھا، پھر بھی وہ اس پر شک کرتا تھا جبکہ وہ خود کس کردار کا مالک تھا، اس نے کبھی نہ سوچا تھا، ریڈ لائٹ ایریا میں آنے کے علاوہ اس کی دوستی اور بھی کئی لڑکیوں سے تھی۔

☆......☆......☆

اس دن اکرم گھر آیا تو اسے پڑوسی عزیز صاحب مل گئے، ان ہی سے اکرم کو پتہ چلا کہ آج اس کے گھر کے پاس گاڑی کھڑی تھی، جس میں ایک نوجوان تھا، گھر پر تالا دیکھ کر وہ واپس چلا گیا تھا، اکرم کا شکی ذہن غلط سوچوں کی

طرف جانے تھا، اس دن ہی سے اکرم کو نازیہ کا کردار مشکوک لگنے لگا تھا، اس کا شک اس وقت بڑھ گیا، جب اس نے نازیہ کو فون پر کسی سے فون پر باتیں کرتے دیکھا، اکرم کو دیکھ کر اس نے جلدی جلدی فون رکھ دیا تھا، اکرم کئی دن سے نازیہ کی حرکتیں نوٹ کر رہا تھا، اس کی غلط سوچ کی بدولت اسے نازیہ کی تمام حرکتیں پُراسرار معلوم ہو رہی تھیں۔

☆......☆......☆

آج اکرم نازیہ کو دیکھنے کے بہانے گیارہ بجے آ گیا تھا، آہستگی سے گیٹ کھول کر جب وہ گھر میں داخل ہوا تو نازیہ کے ہاتھ سے گھبراہٹ کے مارے موبائل نیچے گر گیا۔

''آ......آ......پ......'' نازیہ گھبراہٹ کے مارے بول ہی نہیں رہی تھی۔ ''بول کس یار سے بات کر رہی تھی، کب سے چل رہا ہے یہ سلسلہ، کون ہے بتا؟؟'' اکرم نے اس کو بالوں سے پکڑ لیا تھا۔

''میں کئی دن سے نوٹ کر رہا ہوں تمہاری حرکتیں، جلدی بتا ورنہ آزاد کر دوں گا تجھے، بول ورنہ طلاق''

''دے دے طلاق، تنگ آ گئی ہوں میں تمہاری ان حرکتوں سے، زندگی اجیرن کر رکھی ہے تم نے، تم میرے کردار پر شک کرتے، خود کیا ہو تم اکرم حسین۔'' تکلیف کے مارے نازیہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔

''چوری، اوپر سے سینہ زوری، ایک تو غلطی کی، اوپر سے زبان چلاتی ہے، حقیقت بتا دے ورنہ......'' اکرم نے بات ادھوری چھوڑ دی، جواب میں نازیہ صرف خاموش تھی، وہ جانتی تھی، اگر وہ حقیقت بتائے گی، تب وہ یقین نہیں کرے گا۔

''بتا دے نازیہ، تو مجھے جانتی نہیں ہے ابھی، کس سے یہ سلسلہ شروع کر رکھا ہے، میرے ساتھ بے ایمانی کر رہی تھی، تو کیا سمجھتی ہے مجھے نہیں پتہ چلے گا، پتہ چل گیا ہے سب مجھے، بتا دے کون آیا تھا میرے جانے کے بعد۔'' غصے کی وجہ سے اکرم بغیر سوچے بول رہا تھا، نازیہ اکرم کی وجہ سے ذہنی مریضہ بن گئی تھی، اب اس کا الزام سن کر وہ سکتے میں آ گئی تھی۔

''میں اکرم حسین ہوش و حواس میں رہ کر تمہیں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔'' اکرم نے اسے موقع دیئے بغیر آزاد کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

اسی دن نازیہ اپنے میکے لوٹ آئی تھی، لیکن جانے سے پہلے اس نے اکرم کو بتا دیا تھا، وہ کسی غیر سے باتیں نہیں کرتی تھی، نازیہ کا باپ قتل کے الزام میں جیل میں تھا، پانچ سال بعد جب اس کی رہائی ہوئی تو وہ نازیہ سے ملنے نہ آ سکا، لیکن موبائل پر وہ باپ بیٹی باتیں کر لیتے تھے، نازیہ نے باپ کو منع کر دیا تھا کہ وہ ان کے گھر نہ آئیں، اکرم کسی کو بھی گھر آنے سے منع کرتا ہے اور وہ لڑکا جو اس دن ان کے گیٹ پر آیا تھا، وہ نازیہ کا بھائی تھا، جو اس سے ملنے آیا تھا، لیکن تالا دیکھ کر چلا گیا تھا، بعد میں اس نے نازیہ کو کال کر کے بتایا تھا، وہ اس سے ملنے آیا تھا، لیکن تالا دیکھ کر چلا گیا تھا۔

نازیہ نے اکرم سے کہا، وہ اپنے کردار کی قسم کھا سکتی ہے، نازیہ تو چلی گئی، لیکن اکرم حسین اپنے شکی مزاج کی بدولت اکیلا رہ گیا تھا، اکرم کے شک نے اس سے اس کی بیوی اور بیٹی چھین لی تھی، یہ سچ ہے شکی انسان نہ خود خوش رہ سکتا ہے اور نہ کسی کو خوش رہنے دیتا ہے، شک ایک دیمک کی مانند ہوتا ہے، جو انسان کو اندر ہی اندر چاٹتا رہتا ہے، شک کا ناگ جس کے اندر بیٹھ جائے، وہ انسان دوسروں کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تباہ کر ڈالتا ہے، اکرم حسین نازیہ کے پچھلے رویوں کو یاد کرتا تو وہ بے چین ہو جاتا، نازیہ کی وفاداری پر اس نے شک کر کے نازیہ کی بددعائیں اپنے سر لے لی تھیں، نازیہ کی زندگی اکرم نے تباہ کر ڈالی تھی، وہ اب شادی کے نام سے بھی بدکتی تھی، اس نے اپنی بچی کے سہارے زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا تھا، شک نے نازیہ کی زندگی برباد کر دی تھی، مگر اکرم کون سا چین سے تھا۔

☆......☆......☆

آستانہ حسن و جمال پر فقیرانہ صدا

آغا شورش کاشمیریؒ

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک انسان کو جو افتخار اور مسرت حاصل ہوتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان الفاظ میں اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، ذرا غور فرمائیے، جس ذات اقدس کی تعریف و ثنا خود رب ذوالجلال نے کی ہو، کلام اللہ جس کے اوصاف و محاسن پر بولتا ہو، فرشتے صبح و شام جس پر درود بھیجتے ہوں اور جس کا نام لے لے کر ہر دور میں ہزاروں انسان زندگی کے مختلف گوشوں میں زندہ جاوید ہو گئے ہوں، اس رحمۃ للعالمین کے بارے میں کوئی شخص اپنے قلم و زبان کی تمام فصاحتیں اور بلاغتیں بھی یکجا کر لے اور ممکن ہو تو آفتاب کے اوراق پر کرنوں کے الفاظ سے مدح و ثناء کی عبارتیں بھی لکھتا رہے، یا مہتاب کی لوح پر ستاروں سے عقیدت و ارادت کے نگینے جڑتا رہے، تب بھی حق ادا نہ کر سکے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو کسی بھی انسانی سند کی ضرورت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے انسان اپنے ہی لئے کچھ حاصل کرتا ہے، جس نسبت سے تعلق خاطر ہو گا، اسی نسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ایک ایسی متاع بنتا چلا جائے گا کہ زبان و بیان کی دنیا اس کی تصویریں بنا ہی نہیں سکتیں، جن لوگوں نے، اور ان کی تعداد لامحدود ہے، جس جس واسطے سے سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری دی ہے، وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے اپنے دل و دماغ یا روح و نظر کا نذرانہ پیش کرتے وقت اس دربار کی رونق میں کوئی اضافہ کیا ہے، اس نہج پر سوچنا بھی سوء ادب ہے، حقیقت یہ ہے کہ ظہور قدسی سے لے کر آج تک بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے والا ہر شخص اپنے مقام و مرتبہ کی تشکیل کرتا رہا ہے۔

کتنے انسان اس خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت کیا سے کیا ہو گئے، پھر یہ سلسلہ چودہ سو برس سے رکا نہیں، جاری ہے، آندھیاں آتی رہیں، طوفان اٹھتے رہے، سیلاب موجزن ہوئے، بادلوں نے گرجنا شروع کیا، بجلیاں کوندتی رہیں، صرصر نے صبا کو روکا، خزاں نے بہار کا نشیمن لوٹا، پھول بادِ سموم کا لقمہ ہو گئے، لیل و نہار کی گردشیں رک گئیں، زمانہ ٹھہر تا رہا، صبح کا چہرہ بارہا اداس ہوا، شام لہولہان ہو گئی، رات کے دل میں خنجر ترازو ہوئے، تاریخ نے پلٹے کھائے، سلطنتیں بن بن بگڑیں، حکومتیں تہس نہس ہو گئیں، عروج و زوال کے سینکڑوں نقشے سامنے آئے، تخت و تاج اچھلتے رہے، انقلاب کا سیل بہتا رہا، سورج نے طلوع و غروب کی ہزاروں پستیاں اور بلندیاں دیکھیں، لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے نوع انسان کی حلقہ بگوشی کا سلسلہ منقطع نہ ہوا، تاریخ اٹھائیے اور ورق پہ ورق پلٹیے، معلوم ہو گا کہ ایک ذات نے چودہ صدیوں میں کروڑوں انسانوں کو نشو و نما دی، بالا و بلند کیا، دوام بخشا اور صرف ایک نسبت کی بدولت قیامت تک زندہ کر ڈالا، پھر یہ محض عقیدت کی بات نہیں، ارادت کا تذکرہ نہیں، اخلاص کا افسانہ نہیں، شوق کی دھن نہیں، عشق کا راگ نہیں، حسن کی ثناء نہیں، تعریف کا لہجہ یا ثناء کا زمزمہ نہیں، ہر ایک بات نپی تلی، صاف ستھری اور بولتی چالتی شہادت کے ساتھ موجود ہے۔

اس وقت کرۂ ارضی پر مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جو از روئے قرآن تمام انبیاء و مرسلین پر عقیدہ و ایمان

رکھتی ہے، وہ مختلف قوموں کے ان پیغمبروں کی بھی تصدیق کرتی ہے جن کے بارے میں ان کی پیروکار قومیں صرف قیاسی تذکرہ اور ظنی روایتوں پر یقین رکھتی ہیں، جن کی مقدس کتابیں خود ان کے ہاتھوں تحریف کا شکار ہوئی ہیں اور جن کی اصلیتوں میں حک و اضافہ ہوا ہے، جن کے مذاہب زمانہ قبل از تاریخ کی نذر ہو گئے، لیکن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام واحد دین ہے جس نے تاریخ کی بھی حفاظت کی ہے اور جس کی ایک ایک ادا تاریخ نے محفوظ رکھی ہے۔

کوئی دین اور کوئی پیغمبر تاریخ کی شاہراہ سے اس طرح نہیں گزرا جس طرح ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم گزرے ہیں، تاریخ نے ان کی رکاب تھامی اور علم نے ان کے قدم چومے ہیں، یہ محض دعویٰ نہیں حقیقت ہے، ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اقدس کا اقتضاء یہی تھا کہ اس کا ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف، ایک ایک شوشہ، ایک ایک نقطہ محفوظ ہو جاتا اور یہ سب کچھ محفوظ ہو گیا، پھر یہ التزام ان کے بارے میں ہی نہیں، بلکہ جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا، جو ان کے ساتھ رہے، مثلاً ان کے ساتھ ان کے اہل بیت، ان کی بیویاں اور ہماری مائیں، ان کے جاں نثار، ان کے خادم اور ہمارے مخدوم حتیٰ کہ ان کے دشمن بھی اپنی تمام کارگزاریوں کے ساتھ تاریخ کے تذکروں میں موجود ہیں، پھر یہ قافلہ آج تک چل رہا ہے، اس قافلے میں جلیل المرتبت صحابہؓ ہیں کہ تاریخ ان کے پاؤں کو بوسہ دے کر نکلتی ہے، تابعین بھی ہیں کہ تذکرے ان کی روایتوں سے جگمگاتے ہیں، تبع تابعین بھی ہیں کہ عقل ان سے عشق کی بھیک مانگتی ہے، ائمہ بھی ہیں کہ شہادت ان کے ساتھ ساتھ چلتی ہے، فقیہ بھی ہیں کہ آستانۂ رسالت پر کشکول لے کر کھڑے ہیں، محدث بھی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہونٹوں کی صدائیں چنتے ہیں، عالم بھی ہیں کہ نقوش قدم کے تعاقب میں چلے جاتے ہیں، مشائخ کی بھیڑ ہے، اہل اللہ کا ہجوم ہے، عابدوں کا حلقہ ہے، پھر اسی پر اکتفا نہ کیجئے، بڑھتے چلئے، فاتحین کا لاؤ لشکر ہے، جاں بازوں کی فوج ظفر موج ہے، سالاروں کا انبوہ ہے، شہنشاہوں کا غول ہے، کیسے کیسے [illegible] خانہ زادوں میں ہیں اور کس کس عجز سے جھکتے چلے جاتے ہیں، زبانوں میں تاثیر ہے تو اس نام سے، قلم میں ولولہ ہے تو اس ذکر سے، زبان میں بانکپن ہے تو اس خیال سے، دل میں سرور ہے تو اس تصور سے، دماغ میں حسن ہے تو اس جمال سے، آنکھوں میں نور ہے تو اس ظہور سے۔

یہ آج کی دنیا جو سائنس کی بدولت کہاں سے کہاں نکل گئی ہے اور تمام ملکوں کی زمین سمٹ کر ایک ذہنی وفاق بن گئی ہے، بزعم خویش ترقی کی اس منزل میں ہے کہ فکر و نظر کے معیار ہی بدل گئے ہیں، لیکن بڑا انسان بننے کے لئے جن عالمگیر سچائیوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ علم و فلسفہ کی تمام منزلیں قطع کرنے کے باوجود ابھی پرانی ہیں اور اتنی پرانی ہیں جتنی کہ یہ کائنات پرانی ہے، ہمارے زمانے کے عظیم ترین مغربی مؤرخ ”فلپ حتی“ نے یوں ہی نہیں کہا تھا کہ

”تمام دنیا کی مائیں ہر روز جتنے بچے پیدا کرتی ہیں، ان میں ایک بہت بڑی تعداد ان بچوں کی ہوتی ہے جن کے والدین ان کا نام پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام پر رکھتے ہیں اور اس انداز سے رکھتے ہیں کہ اس میں حلقہ بگوشہ کا ناز پایا جاتا ہے یا پھر یہ نام اس عالیشان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اعزہ و اقرباء کے نام پر ہوتے ہیں جو ان کے پیروکار تھے اور ان کی بدولت مختلف رشتوں کے باعث زندہ جاوید ہو گئے، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی پیغمبر کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہوئی اور نہ کوئی امت کرۂ ارضی پر ایسی موجود ہے، جو اپنے پیغمبر اور ان کی آل پر شب و روز کے ہر حصے میں اس تواتر و تسلسل کے ساتھ درود و سلام بھیجتی ہو“۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس کج مج بیان کی گنہگار زبان سے اس آستانہ حسن و جمال پر ایک فقیرانہ صدا ہے، عجب نہیں یہی توشۂ آخرت ہو.........☆

خوشیوں کی قاتل

جویریہ عبدالغفار

کوئی آپ کا گھر نہیں اجاڑتا ہے، سب آپ کا اپنا کیا دھرا ہوتا ہے۔

”دیکھو سرور، میں کہہ رہی ہوں کہ اگر تم نے میرے بغیر باہر جانے کی کوشش کی اور مجھے ساتھ لے کر نہ گئے تو میں پاسپورٹ اور کاغذات جلا دوں گی، میں تمہیں باہر ہرگز نہیں جانے دوں گی اور اگر تم نے ایسا سوچا بھی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“

”لیکن سمیرا، میں باہر جا کر ہی تمہیں بلانے کا کوئی انتظام کر سکوں گا، تب تک تم یہاں اماں کے ساتھ؟“

”شٹ اپ سرور!“ سمیرا نے جھنجھلا کر سرور کی بات کاٹی۔

”میں تمہاری بیوی ہوں، نوکرانی نہیں کہ یہاں اکیلے رہ کر گھر میں جھاڑو برتن کرتی رہوں گی اور تم باہر ذمہ داریوں سے آزاد رہ کر مزے اڑاؤ گے، یاد رکھنا سرور، تمہیں مجھے لے کر ہی جانا ہوگا۔“

”سمیرا خدا کے لئے مجھے ایک بار جانے تو دو۔“

سمیرا اور سرور کی روز روز کی کھٹ پٹ بالآخر میاں بیوی کے درمیان ہاتھا پائی اور مار کٹائی تک جا پہنچی، نتیجتاً نوبت طلاق تک جا پہنچی، سمیرا اپنے ماں باپ کی دہلیز پر گردن اکڑائے واپس نہ جانے کی قسم کھائے دھرنا دے کر بیٹھ گئی اور سرور نے خیریت باہر جانے میں ہی سدھاری۔

☆......☆......☆

”دیکھو زرینہ، تم نے ہمارے اور ہماری بیٹی کے ساتھ بہت بڑا دھوکہ کیا ہے، تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ تمہارا بیٹا بیمار رہتا ہے، اب اس میں ہماری بیٹی کا کیا قصور ہے؟ ہم نے بنا چھان بین کئے تمہیں بیٹی دے دی، ہماری بیٹی کے لئے رشتوں کی کمی نہیں تھی، تم رکھو اپنے بیمار بیٹے کو اپنے پاس، میں اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے جانے آئی ہوں، وہ مجھ پر بوجھ نہیں، ویسے بھی اب میں اپنی بیٹی کو مزید دھوکے باز لوگوں میں رہنے دینا نہیں چاہتی۔“ بیٹی کی ماں طلاق کی زہریلی گولیاں میٹھی ٹافیوں کی طرح اپنی بیٹی کے حلق سے اتروا کر بیٹی کو بابل کی دہلیز پر واپس لے آئی۔

☆......☆......☆

”امی جان، مجھے یہاں نہیں رہنا، آپ فوراً آئیں، انہوں نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے، بس میں ایک پل بھی یہاں نہیں رہوں گی، امی خدا کے واسطے مجھے یہاں سے لے جائیں۔“

”ہاں میری بیٹی، میری جان، میں ابھی آئی،

تمہارے شوہر کی تو آج ایسی خبر لوں گی کہ دنیا دیکھے گی، اس کی ہمت کیسے ہوئی میری پھول سی بچی پر ہاتھ اٹھانے کی۔" راشدہ بیگم نے یہ کہہ کر فون پٹخا اور ٹیکسی پکڑ کر آناً فاناً اپنی چند ماہ کی بیاہی بیٹی کے گھر چل دیں اور پھر وہاں جا کر کیا سین ہوا ہوگا؟ بیٹی نے اسی ٹیکسی میں بیٹھ کر واپس ماں کے گھر آنے میں کتنی دیر لگائی ہوگی، پھر اگلے کئی ماہ شوہر نے روٹھی ہوئی بیوی کو منانے کے لئے کتنے چکر لگائے ہوں گے؟ بیوی کو واپس لے جانے کے لئے کتنے مطالبات سنے ہوں گے اور پھر بالآخر روز روز کے لڑائی جھگڑوں سے اور مطالبات سے تنگ آ کر کیا انتہائی قدم اٹھایا ہوگا؟ اس کا اندازہ ہم سب کو اچھی طرح ہوگا۔

"طلاق" جتنی قبیح سمجھی جاتی ہے، اتنی ہی عام بھی ہوتی جا رہی ہے، حد تو یہ ہے کہ خود بیٹی والے ذرا ذرا سی بات پر طلاق کا لفظ یوں بولتے ہیں، گویا کوئی حلوائی ہے، جو نو بیاہتا جوڑے کو بلا سوچے سمجھے کھانے کی ترغیب دی جا رہی ہے، ایک اور تازہ ترین واقعہ پڑھ کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیجئے۔

دو سالہ شادی کے اختتام کا ایک قدم ایک سالہ بچی کی ماں پروین نے یوں اٹھایا کہ پہلے تو شوہر سے مسلسل گھر کا پورا خرچ ساس سے لے کر اپنے ہاتھ لینے کا مطالبہ کرتی رہی، چند مہینے محض اسی کشمکش میں گزر گئے کہ گھر کا پورا خرچ اور ماں کے اکلوتے بیٹے شوہر کی پوری تنخواہ ایک مشت ہاتھ میں لینے کا پرزور مطالبہ پروین نے میکے والوں کے زور پر جاری رکھا، اس ضمن میں ساس بہو کے ہاتھ میں سب کچھ دینے سے انکار بھی کم نہ تھا اور یہ کہ پروین کے شوہر کو بھی نظر آ رہا تھا کہ بیوی کے ہاتھ میں خرچ لے کر گھر کی ذمہ داری اس طرح احسن طریقے سے نبھا نہیں سکتی، جیسے کہ اس کی ماں، جو ہر لمحے گھر کی اندرونی اور بیرونی تمام ذمہ داریوں میں خود کو عرصہ دراز سے سموئے ہوئے ہے، بہو کے آنے کے بعد بھی تمام ذمہ داریوں کو بہ نفس نفیس انجام دے رہی تھی، مثلاً مہینے کا راشن سلف لانا، دھوبی کو کپڑے دینا، استری کروانا، درزی سے کپڑے سلوانا، بلوں وغیرہ کی ادائیگی، گھر کے دیگر اخراجات، مہمانوں کی خاطر داری، بچوں کے تعلیمی اخراجات کا حساب کتاب رکھنا، ساتھ ہی بیٹے کی قلیل تنخواہ میں ایسی سفید پوشی کا بھرم رکھنا، ظاہر ہے پروین صرف دو سالہ شادی کے تجربے کے بعد اتنی وسیع ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لئے نااہل تھی، اس کا مقصد ظاہر ہے کہ شادی کے ابتدائی برسوں میں ہی ان سر درد والی ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہو جانا تو تھا نہیں، بلکہ صاف ظاہر ہے کہ ساس کو اپنی گھر کی دال روٹی اور بقیہ اخراجات کے لئے ٹکے ٹکے کا محتاج کرنا اور یہ سبق روزانہ پروین فون پر یا گھر آنے جانے والی اپنے میکے کی خواتین سے حاصل کرتی رہتی، بالآخر نتیجہ وہی ہوا کہ ایک گھر بڑی آسانی سے ٹکڑے ہو گیا، جس بہو کو بیاہ کر لانے کے لئے ایک بیٹے کی ماں نے نفسانفسی کے اس دور میں لاکھوں روپے اپنی عزت کی چادر کے پلو میں جمع کر کے لٹائے تھے، مہنگی ترین بری، آرائش و زیبائش اور زیورات کا سامان، جس شادی کے لئے کیا تھا، وہ ایک کم عقل لڑکی کے بے جا مطالبات کی بھینٹ چڑھ گئی، پروین کی ماں کے سمجھانے کے بعد پروین اپنی ایک سالہ بیٹی کو بھی ساس کے در پر ڈال گئی کہ یہ میری ذمہ داری نہیں، تمہارے بیٹے کی اولاد ہے، اسے بھی سنبھالو۔

ایسے ان گنت ہزاروں واقعات رد و بدل کے ساتھ روزانہ ہمارے اردگرد رونما ہوتے ہیں، مگر ایک چیز ہے، جس پر حیرت بھی ہوتی ہے اور افسوس بھی کہ اکثر گھروں میں ایسے واقعات کی فضا اکثر لڑکی والوں اور خود لڑکی کی طرف سے قائم ہوتی ہے، اس وقت اس لڑکی کو سمجھانے والا اور اسے اس کے غلط رویوں پر تنبیہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، ہاں جلتی پر تیل کا کام کرنے

والے قدم قدم پر خصوصاً لڑکی کے میکے میں ضرور مل جاتے ہیں اور جب شادی اختتام کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس لڑکی اور اس کے ماں باپ سے ہمدردی کرنے والوں اور انہیں مظلوم گردانے والوں کا تانتا بندھ جاتا ہے، ایسی صورت حال میں مظلوم کون ہے؟ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ایسی صورت میں بھی لامحالہ طلاق یافتہ لڑکی ہی اور اس کے والدین ہی مظلوم ہیں، تب بھی اس کا اصل ذمہ دار کون ہے؟ ہم نے ایسی باتوں پر بھی بیویوں کو شوہروں سے طلاق کا مطالبہ کرتے دیکھا ہے، جن کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا، مثلاً ہر تھوڑے دنوں بعد ہی میکے جا کر بیٹھنا اور شوہر کے بلانے پر تلخ کلامی سے پیش آنا، یا پھر گھریلو ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے الگ گھر کا مطالبہ شادی کے فوراً داغ دینا اور پورا نہ ہونے پر ماں باپ کے گھر واپس جا کر بیٹھ جانا اور پھر بیٹھے ہی رہنا یا کسی ایسی بیماری کو وجہ طلاق بنا دینا جو کہ قابل علاج ہے، اکثر بلا سوچے سمجھے مشتعل رویوں کا مظاہرہ زیادہ تر لڑکی والوں کی طرف سے کر کے نوبت طلاق تک پہنچا دی جاتی ہے، حالیہ چند ہی برسوں میں دیکھتے ہی دیکھتے بنے بنائے گھر ٹوٹ جانے اور طلاق واقع ہو جانے کی شرح میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے، یہ تو صرف طلاق کا ایک پہلو ہے کہ وہ ہو گئی، مانگی گئی یا دی گئی، نتیجتاً آنے والی نسل لاوارث کمزور اور لاتعداد ہی مسائل کا شکار ہو گئی، مگر اس کے علاوہ بھی ہم جیسے مشرقی معاشرے کے افراد کے لئے طلاق کچھ اور بھیانک خطرناک اور زہریلے اثرات اپنے اندر چھپائے رکھتی ہے جو فوراً نہیں، مگر کچھ وقت اور کچھ مہینے، کچھ سال بعد آہستہ آہستہ سامنے آ کر معاشرے کی اخلاقی اقدار کی بنیادوں میں اپنے زہریلے پنجے گاڑنے اور انہیں کمزور کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

☆......☆......☆

ایک شاعر اور امیر کی شکایت

ایک شاعر نے ایک قصیدہ کسی امیر کی شان میں لکھا، وہ سن کر بہت خوش ہوا اور انعام کا وعدہ کر لیا اور کہا کہ کل آنا انعام دیں گے۔ اب شاعر صاحب بڑے خوش ہوئے، ساری رات حساب کتاب کیا کہ اتنے بیوی کو دوں گا، اتنے کا حلوہ بناؤں گا، اتنے کا گھی خریدوں گا، خوشی کی وجہ سے نیند بھی نہیں آئی، صبح ہوتے ہی یہ پہنچے اور سلام کیا، اب امیر صاحب اجنبی بن گئے کہ جیسے تمہیں کبھی دیکھا ہی نہیں۔

عرض کیا: حضور! میں شاعر ہوں، کہا کون شاعر؟

عرض کیا: اجی حضور! کل میں نے ہی تو حضور کی شان میں قصیدہ سنایا تھا اور حضور نے آج انعام دینے کا فیصلہ فرمایا تھا، چنانچہ انعام لینے کے لئے ہی حاضر ہوا ہوں، وعدہ پورا فرمائیے۔

امیر نے نہایت ہی روکھے پن سے جواب دیا کہ یہ خوب کہی، کچھ آپ کا میرے ذمے قرض آتا ہے، میں اپنا روپیہ فضول کیوں ضائع کروں؟

اس نے کہا کہ جو آپ نے وعدہ کیا تھا، کیا میاں! تم نے ایک بات کہہ کر میرا جی خوش کر دیا اور ایک بات میں نے کہہ کر تمہارا جی خوش کر دیا، واقعیت نہ اس میں تھی، نہ اس میں، بدلہ تو ہو گیا، پھر انعام کیسا، بلکہ تمہارے قصیدے نے تھوڑی ہی دیر کے لئے مجھے خوش کیا تھا جبکہ میرے وعدے نے تو تمہیں رات بھر خوش رکھا، تھوڑی دیر کے بدلے میں تمہیں ساری رات کی خوشی مل گئی، پھر انعام کیسا، غرض بجائے روپے کے ٹکا سا جواب دے دیا اور شاعر صاحب اپنا سا منہ لے کر اپنی راہ لی۔

(بنت حافظ عبدالواحد، فیض القرآن للبنات)

☆......☆......☆



مسفرہ بہت خوشی خوشی تمام کام نپٹا رہی تھی، کیونکہ آج نو ذی الحجہ کا دن اس کے لئے بہت خاص دن تھا، باوجود اس کے کہ وہ روزے کی حالت میں تھی، لیکن بھاگ دوڑ کر معمول کے کام ختم کر رہی تھی، تا کہ اس وقت میں وہ فارغ ہو جس میں اسے بہت سکون حاصل ہونے والا تھا، وہ وقت عید کی رات تھی، جس میں لڑکیاں شاپنگ، مہندی، کپڑوں کی تیاری کر کے خوش ہوتیں اور بازاروں کے چکر کاٹ رہی ہوتیں، عین اسی وقت میں مسفرہ جائے نماز پر بیٹھی، الحاح وعاجزی سے درود پاک کا ورد کرتی ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کو یاد کر رہی تھی اور کبھی سورۃ فاتحہ سے اللہ رب العزت کی تعریفوں کے سمندر میں غوطہ زن ہو رہی تھی اور اس ہستی سے راز و نیاز کی باتیں کرتے ہوئے گویا تھی: ''اے اللہ اے دو جہانوں کے مالک، اے بادشاہوں کے بادشاہ تو قادر کل ہے، میں عاجز ہوں، تو علیم الخبیر ہے اور میں اگلے لمحہ سے بے خبر ہوں، تو غفار الذنوب ہے اور ہم گناہوں میں پڑے ہوئے، یا اللہ پاک آج عید رات ہے، سب ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے ہیں کہ عید مسلمانوں کے لئے خوشی کا موقع ہے، لیکن یا اللہ پاک مسلمان کی خوشی تو اسی میں ہے ناں کہ تو اس سے راضی ہو، تو یا اللہ پاک مجھ سے اور تمام مسلمانوں سے راضی ہو جا کہ ہماری عید حقیقی معنوں میں عید بن جائے، صاف ستھرے خوبصورت ہاتھوں پر مسلسل بہتے ہوئے آنسو موتیوں کی مانند چمک رہے تھے اور وہ نجانے کتنی ہی دیر اپنے رب سے مناجات میں مصروف رہی، بالآخر آنسوؤں سے تر ہاتھوں کو چہرے پر مل لیا، کیونکہ اس نے دوران درس معلمہ باجی سے سنا تھا کہ اللہ کے خوف سے بہنے والا آنسو چہرے کے جس حصہ پر پڑے گا، دوزخ کی آگ اس جگہ پر حرام ہے، سوا اسی نیت سے وہ ہاتھوں کو چہرے پر ملتے ہوئے اٹھی، لیکن بہت پرسکون دل اور مسکراتے چہرے کے ساتھ وہ نئی سوچ کے ساتھ دوبارہ معمولات میں مصروف ہوگئی، صبح عید کے دن بوقت تہجد اٹھتے ہوئے وہ نیند کا خمار دور کرتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ مسلمان ہونا کتنی خوش قسمتی ہے کہ ایک

چھوٹی سی سنت ادا کر کے سو شہیدوں کے برابر ثواب مل گیا، فوراً وضو کر کے نوافل ادا کرنے کے بعد بہت دیر تک مناجات میں آنسوؤں کی لڑیوں کے ساتھ وہ رب کعبہ سے فریاد میں مصروف رہی کہ یا اللہ آپ آسمان دنیا پر تشریف فرما ہیں، مانگنے والوں کو عطا فرما رہے ہیں، یا اللہ میں ایک محتاج بندی خالی دامن پھیلائے بیٹھی ہوں، یا اللہ پاک مجھے آپ سے عیدی لینی ہے، یا اللہ پاک مجھے بخش دیجئے، اپنی رضا و محبت عطا کیجئے، نبی کی سچی محبت واطاعت نصیب فرمائیے، یا اللہ پاک مجھے انگلی پکڑ کر سیدھے راستے پر چلا دیں، یا اللہ پاک میں نے دیکھا، عید کے دن گھر آئے ہوئے بھکاریوں کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا جاتا، یا اللہ میں تیرے در کی بھکارن ہوں، یا اللہ تجھے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ، یا اللہ تجھے تیری کبریائی وعظمت کا واسطہ، مجھے خالی ہاتھ نہ لوٹا، مجھ میرے والدین اساتذہ کرام، عزیز واقارب، تمام امت مسلمہ کو اپنا فرمانبردار بنا لیجئے، ہم سب کی خطاؤں کو جو عملاً کی یا قصداً سب معاف فرما دیجئے، یا اللہ میں نے دیکھا، آج کے دن بچے بڑوں سے عیدی لیتے ہیں، یا اللہ بچے رو دھو کر ضد کر کے اپنی مطلوبہ چیز لے کر چھوڑتے ہیں، یا اللہ گھر کے بڑے اپنی وسعت کے مطابق دیتے ہیں، یا اللہ میں ضد سے نہیں عاجزی سے بے بسی سے مانگتی ہوں، مجھے عیدی میں سب کچھ عطا کیجئے، جو میں نے مانگا، مجھے یقین ہے، آپ نے میری دعا سن لی قبول کر لی، کیونکہ آپ کا فرمان ہے نا کہ بوقت تہجد آپ آسمان دنیا پر تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں، کوئی مانگنے والا ہے کہ میں اسے عطا کروں، ادھر مؤذن اذان کہہ رہا تھا، ادھر وہ درود پاک کے ساتھ دعا کا اختتام کر رہی تھی، اس یقین کے ساتھ کہ اسے عیدی مل گئی ہے، کیا آپ کو مسفرہ جیسی عیدی لینا پسند ہے؟ ضرور بتائیں۔

☆......☆......☆

ہماری پریوں کے نام

الوداع اے پیاری بہنو! وقت رخصت آگیا
ہمارے دل میں غم کا، دریا وقت رخصت آگیا
میری بہنو! اساتذہ نے دل سے پالا ہے تمہیں
تربیت کے دل نشین سانچے میں ڈھالا ہے تمہیں
قال اللہ وقال رسول کے رستے پہ ڈالا ہے تمہیں
اک امانت کی طرح انہوں نے سنبھالا ہے تمہیں
پیاری بہنو! تم اساتذہ کی حرز جاں بن کر رہیں
ہم سب کے پیار کی تم داستان بن کے رہیں
الوداع اے پیاری بہنو! وقت رخصت آگیا
ہمارے دل میں غم کا دریا، رخصت آگیا

☆......☆......☆

نکال دے میرے دل سے یارب سارے جہاں کی چاہتیں
ڈال دے میرے دل میں یارب صرف اپنی محبتیں
(شاعرہ: حرم فاطمہ نعمانیہ، کمالیہ)

☆......☆......☆

نظم

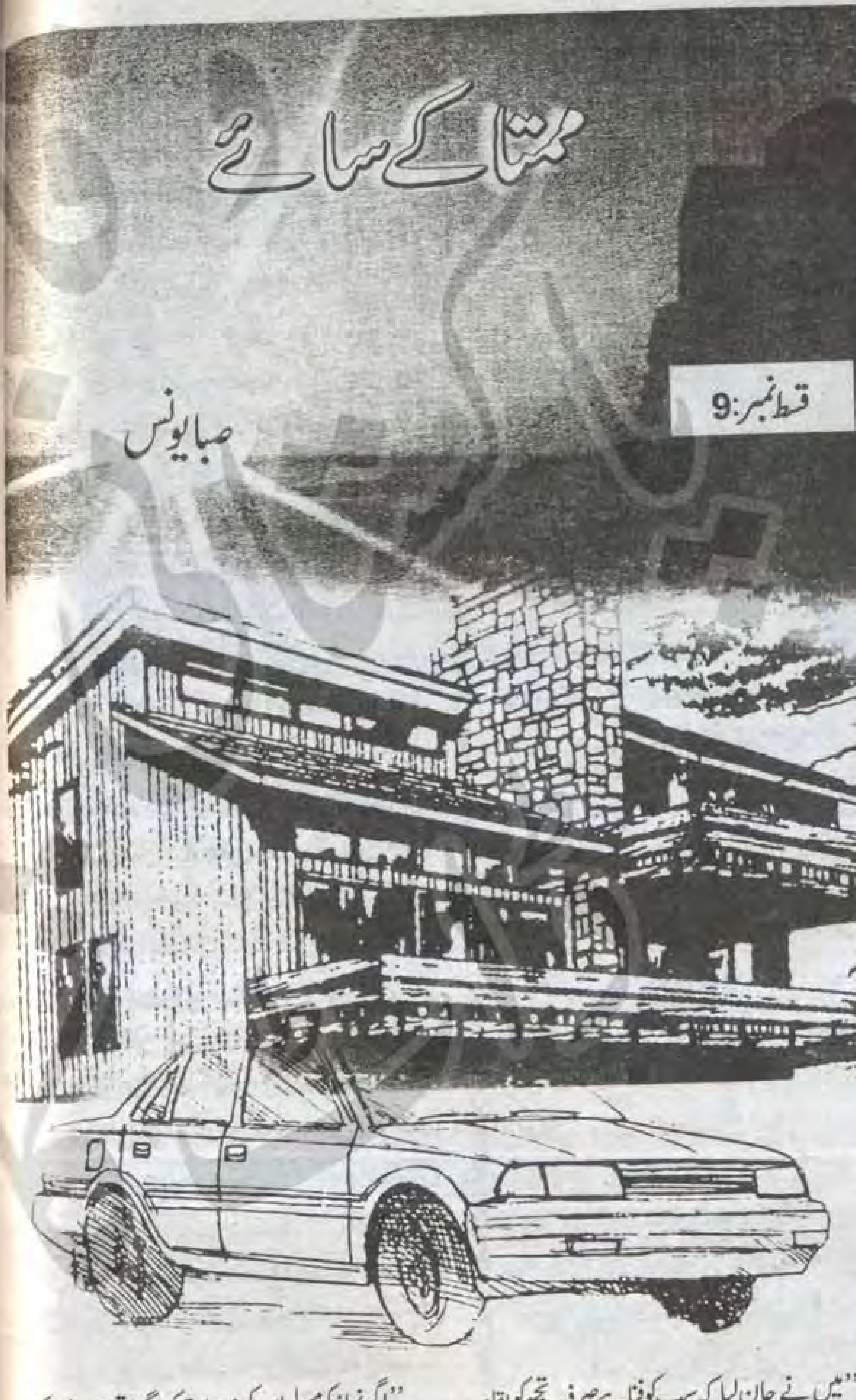
ابوبکرؓ وہ ہے جو صداقت عام کرے
عمرؓ وہ ہے جو عدل وانصاف سر عام کرے
عثمانؓ وہ ہے جسے خدا کاتب قرآن کرے
علیؓ وہ ہے جسے شجاعت سلام کرے
معاویہؓ وہ ہے جسے خدا علی سلام کرے
عائشہؓ وہ ہے جسے ہر ماں سلام کرے
فاطمہؓ وہ ہے نبی جس کا احترام کرے
حسنؓ وہ ہے اللہ جنت جس کا نام کرے
حسینؓ وہ ہے، جو سر کٹا کر بھی تیز قرآن پڑھے
(ہادیہ حبیب الرحمان، باغ آزاد کشمیر)

☆......☆......☆

ممتا کے سائے

قسط نمبر:9

صبا یونس



''میں نے جان لیا کہ سب کو فنا ہے صرف تجھ کو بقاء ہے....'' اس کا سارا بدن ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

''اگر نماز کو مسلمان کی معراج کہا گیا تو اس میں کیا غلط ہے؟؟''

وہ اگرچہ سجدے میں تھا، مگر اس کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ روشنیوں کے جہاں میں آبسا ہے، وہ قرار کی کیفیت کا مزہ لے رہا تھا، اس کا ذہن دنیاوی آسائشات سے نکل کر حقیقت سے روشناس ہو رہا تھا، اس کا وجدان اس پر منکشف ہو رہا تھا۔

''روح کی غذا آج اس کو ملی تھی، جانے کتنے سالوں سے بھوکی پیاسی اس کی روح آج سیراب ہو رہی تھی۔''

''اس کا من چاہتا ہی نہ تھا کہ وہ ''سبحان ربی الاعلیٰ'' کے اعتراف سے رکے، ہر بار اعتراف کے ساتھ اس کو اس ذات کی بلندی کا احساس شدت سے ہوتا، اپنی کم مائیگی سمجھ آتی، اس کا وجدان اپنی فنا کا اعتراف کرتا تو اس ذات کی بقائیت کا اعلان اس کی روح چیخ چیخ کر کرتی۔''

صرف تہجد کے دو نفل ادا کرنے میں اس نے آج ساری رات بتادی تھی، پھر بھی یوں لگتا تھا کہ ملاقات ادھوری ہے'' اور یہ ملاقات تو ہر مومن کی مرتے دم تک ادھوری ہی رہتی ہے۔''

''اس فانی دنیا میں، اس رب کی ادھوری سی ملاقات ایسی روح پرور اور جان افزا ہے تو مرنے کے بعد بذاتِ خود اس عالی ذات کا دیدار کیسا ہوگا؟؟؟''

''صرف اس کی سچی یاد میں اتنی نورانیت ہے تو وہ خود کتنا ''نور علیٰ نور'' ہوگا۔''

آج اس کو اپنی پچھلی پچیس سالہ زندگی پر افسوس ہو رہا تھا کہ فانی محبتوں میں گرفتار رہا، فانی محبت کے لئے روتا رہا، اے کاش کہ اللہ کے لئے رونا مجھے آیا ہوتا۔

اے اللہ......! میرا رونا ایسا ہوتا کہ ملائکہ ارض و سماء بھی رو پڑتے۔

کاش......! میرا پکارنا ایسا ہوتا کہ سدرۃ المنتہیٰ و عرش بھی گونج اٹھتے۔

اے اللہ......! کاش میرا چلنا ایسا ہوتا کہ ملائکہ خلد بھی میرے قدموں کی چاپ سنتے۔

اے اللہ......! کاش میرا مانگنا ایسا ہوتا کہ دیے بنا تیرا چارہ نہ ہوتا۔

ہاتھ اٹھائے دل کی شدتوں سے وہ جس ذات سے مخاطب تھا، وہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، مگر محبت میں پکارے بغیر قرار بھی تو نہیں آتا۔

☆......☆......☆

''یہ کیا ہے؟؟''

اسماعیل صاحب نے ایک لفافہ اس کو تھمایا تو اس نے حیرت سے استفسار کیا تھا۔

''یہ تمہاری آزادی کا پروانہ بھی ہے اور تمہاری خواہشات کی تکمیل کا سدباب بھی۔''

اسماعیل صاحب نے جیسے کچھ یاد آنے پر لفافہ اس کے ہاتھ سے لے کر کچھ کاغذات نکالتے ہوئے بہت تسلی سے کہا تھا۔

اسماعیل صاحب کمرے میں درمیان میں پڑی میز پر کاغذ الٹ پلٹ کر اپنی جیب سے قلم نکال کر دستخط کرنے لگے، ان کی تسلی دیدنی تھی، مگر سویرا کا سکون ان کے انداز سے رخصت ہو چکا تھا۔

''سویرا بیگم، یہ طلاق نامہ ہے اور میں اپنے منہ سے بھی بقائمی ہوش و حواس آپ کو طلاق دیتا ہوں۔'' سویرہ کی آنکھیں حیرت سے پٹ پٹ چکیں تھیں۔

''مم...... مگر آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ تو مجھ سے محبت کرتے ہیں ناں؟؟'' سویرہ نے ان کے دونوں بازو پکڑ کر ان کو جھنجھوڑنے کے سے انداز میں دریافت کیا۔

''حق مہر میں تم نے یہ گھر مانگا تھا، مگر میں یہ گھر تو تمہیں نہیں دے سکتا، ہاں میں نے اس کی قیمت لگوا کر اس کی قیمت بلکہ اس سے زیادہ ہی تمہارے اکاؤنٹ میں ڈلوا دیے ہیں، تقریباً ستر لاکھ اس کوٹھی کی مالیت ہے اور میں نے تمہارے اکاؤنٹ میں ایک کروڑ ڈلوا دیا ہے۔'' انہوں نے اپنی بات ایسے کہی، جیسے اس کی کوئی بات سنی ہی نہ ہو۔

"اڑتی چڑیا کے پر اسی وقت کاٹنے چاہئیں، جب وہ اپنی منزل کے قریب ہو، تاکہ جب وہ آسمان سے دھڑام کر کے زمین پر پٹخنے کے سے انداز میں گرے تو اس کو احساس ہو کہ پر کتنی بڑی نعمت ہے۔"

"تم زکریا کے ساتھ مل کر مجھے کتنا نقصان پہنچا سکتی تھی؟ میں جانتا ہوں کہ اسی لاکھ کا ٹوائز (Toys) فیکٹری میں تم نے گھپلا کروایا ہے، جس میں تم دونوں برابر کے حصے دار ہو۔"

"اگر تم میرے ساتھ مخلص رہ کر یہ ساری جائیداد و دولت بھی مانگتی تو میں دے دیتا، مگر تم نے مجھے ایک بیوقوف شخص سمجھا کہ تمہاری محبت کے جال میں پھنس کر میں تم پر اندھا اعتماد کروں گا۔"

"جس وقت میں تم سے شادی کر رہا تھا، اندھا اعتماد تو مجھے اس وقت بھی تم پر نہیں تھا۔"

"سویرہ بیگم، مرد کتنی بھی ہائی سوسائٹی کا ہو، مگر بیوی وہ خالص، دیانت دار پسند کرتا ہے، وہ لوگ جو خود پر آزاد خیالی کا خول چڑھا کر بیوی کو دوسروں کی بانہوں میں جھولنے کو چھوڑ دیتے ہیں، وہ دنیا کی نظر میں ان کی بیویاں ہوتی ہیں، مگر حقیقتاً صرف آشنائیں ہوتی ہیں، ہر مرد اولاد صرف دیانت دار اور مخلص عورت سے ہی پیدا کرتا ہے۔"

پھر انہوں نے اپنے موبائل میں چند بٹن پش کیے اور موبائل میز پر ہی دھر دیا، جس پر کاغذ رکھ کر دستخط کر رہے ہیں، خود سکون سے صوفے سے ٹیک لگا کر براجمان ہو گئے، کچھ ہی لمحوں بعد کمرے میں سویرہ اور زکریا کی آواز گونجنے لگی، سویرہ گنگ تھی کہ اتنی احتیاط برتنے کے باوجود بھی وہ پکڑی گئی، اگر ایک طرف وہ پلاننگ کر رہی تھی تو دوسری طرف اسماعیل بھی اس کی پلاننگ کے اختتامی مراحل کے منتظر تھے، وہ چاہتے تو جس دن انہوں نے اس کو زکریا کے ساتھ دیکھا تھا، اس دن طلاق دے سکتے تھے، مگر انہوں نے سوچا کہ ہر چیز کے مالک کی بیوی ہو کر اس کے من میں کھوٹ ہے تو بھی اس کو اس بات کی اہمیت کا احساس بھی دلوایا جائے، اگر وہ پوری امانت و دیانت کے ساتھ ان کے ساتھ رہتی تو بیوی ہونے کی حیثیت سے وہ ہر چیز کی مالک تھی، مگر ہوس کی آگ نے اس کو بھڑکا رکھا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اسماعیل کو دھوکے میں رکھ کر خوب دولت سمیٹ لے گی، مخلص تو وہ زکریا کے ساتھ بھی نہیں تھی، بس اس پر دولت کا جن سوار تھا۔

"باہر گاڑی کھڑی ہے، یہ چابی اٹھالو، اس کے کاغذات بھی اس لفافے میں ہیں، یہ گاڑی تمہارے نام ہے۔"

اگرچہ سویرہ کو بہت مل گیا تھا، مگر وہ اس وقت سوچ رہی تھی کہ وہ احتیاط برت لیتی تو اس سے زیادہ کی مالک ہوتی۔ ایک کروڑ اسماعیل صاحب نے دیئے اور تقریباً پچاس لاکھ کی گاڑی تھی، اس کے علاوہ اسی لاکھ وہ الگ سمیٹ چکی تھی، پھر بھی ہوس کا پجاری نامراد ہی رہتا ہے۔

"اپنے زیورات بھی لے لو اور تمام کپڑے بھی اٹھالو، آئندہ کسی بھی بہانے اپنی صورت بھی مت دکھانا۔"

سویرہ خاموش تھی، مگر دل میں ایکدم ہی خوشی کی لہر دوڑ گئی، اسماعیل نے اس کو اتنے زیورات دے رکھے تھے کہ بآسانی ان کی قیمت بھی ایک کروڑ تک پہنچ سکتی تھی، جس شخص کو اتنی دولت دے کر بھی کوئی نقصان نہ ہو تو اس کے اپنے پاس کتنی دولت ہوگی؟ سویرہ زیورات کے ڈبے جلدی جلدی سمیٹ لینا چاہتی تھی کہ جیسے ابھی کوئی یہ نہ کہہ دے کہ بس ٹائم ختم اور وہ باقی کسی ایک بھی بھرے ہوئے ڈبے سے محروم رہ جائے۔

اسماعیل کی سوچیں آج کل بے حد منتشر تھیں، انہوں نے پورا پروگرام ترتیب دے رکھا تھا، سویرہ کو ذلیل کر کے مال و دولت دینے کا، مگر خنساء بیگم سے ملاقات کے بعد وہ منتشر سی سوچوں اور منتشر سی کیفیت میں رہتے تھے، وہ سوچ رہے تھے کہ شیث کو حقیقت کیسے بتائیں؟ اگرچہ شیث بہت بدل چکا تھا، مگر میرے بارے میں کیا سوچے گا کہ میں کس قدر خود غرض شخص ہوں، پچیس سال بیٹے کو ماں سے یہ کہہ کر جدا رکھا کہ ماں مر گئی تھی۔ اگر حقیقت جاننے کے بعد شیث مجھ سے نفرت کرنے لگا تو؟...... اور اگر شیث نے اس بات کو سچ ماننے سے ہی انکار کر دیا تو؟ وہ اپنی سوچوں میں اس قدر غرق تھے کہ سویرہ کا سامان سمیٹ کر چلے جانا بھی نہ محسوس ہو سکا۔

☆......☆......☆

وہ بہت خوش تھی، اتنی خوش کہ شاید زندگی میں کبھی نہ ہوئی ہو، شاید تب بھی، جب دولت کے دیوتا اسماعیل صاحب سے نکاح کیا تھا، بہرحال وہ عدت وغیرہ کے چکر میں پھنسنا نہیں چاہتی تھی، اس نے سارا زیور بینک میں رکھوایا اور اپنا اکاؤنٹ چیک کیا کہ آیا اسماعیل نے سچ کہا ہے یا اس کو دھوکہ دیا ہے۔ ایک کروڑ ساٹھ لاکھ کی رقم اس کے اکاؤنٹ میں جمع تھی، ساٹھ لاکھ وہ جو ٹوائز (Toys) فیکٹری سے گھپلا کر کے نکالے ہیں، بیس لاکھ زکریا کو دیئے تھے، گھپلے میں ساتھ دینے کے، دس، پندرہ لاکھ اس کے علاوہ بھی تھے، جو اس نے الگ اکاؤنٹ میں رکھوا رکھے تھے، گاہے بگاہے اسماعیل صاحب سے لیتی ہی رہتی تھی۔ اپنی جمع پونجی کا حساب کر کے وہ مسرور سی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھی، فل آواز میں اپنی پسند کی دھن لگائی، خود گنگناتی ہوئی قریبی ریسٹورنٹ میں گاڑی پارک کر کے اندر کچھ اچھا سا کھانے کی طلب میں جانے کے لئے گاڑی لاک کر کے نکلی، اپنی پسند کا لنچ کر کے مسکراتی ہوئی وہ باہر نکلی، نئے ماڈل کی بالکل نئی گاڑی دیکھ کر اس کا خون سیروں کے حساب سے بڑھ گیا تھا، ایک بار پھر وہ اپنی پسند کی دھن لگائے گنگناتی ہوئی گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی، وہ بہت خوش تھی، یکایک سامنے سے آتا بائیس ویلر ٹرالا، اس کے ہوش اڑانے کو کافی تھا، وہ خوشی میں اتنی مگن تھی کہ ٹرالے کی ڈرائیونگ کو جج نہ کر سکی، اس نے بریک لگانے کی کوشش اس وقت شروع کی، جب ٹرالے سے تقریباً ٹکرا چکی تھی، پیچھے گاڑیوں کی قطار، ہجوم کی طرح ایستادہ تھی، سڑک پر ایک زور دار دھماکے کی آواز کے ساتھ بالکل نئی اور نئے ماڈل کی گاڑی کو قطار در قطار ایستادہ گاڑیوں کے مسافروں نے ٹکراتے دیکھا تھا، مگر جان سب کو عزیز ہوتی ہے، ٹرالے کو بھی خاصا نقصان ہوا تھا، مگر جانی نقصان نہیں ہوا تھا، مگر نئی گاڑی تقریباً تباہ و برباد ہو چکی تھی، اس کے اندر موجود ذی نفس کس حال میں ہے، کوئی نہیں جانتا تھا، چند لمحوں بعد ہی پولیس سائرن کی آواز فضا میں گونج رہی تھی، کاتب تقدیر کا فیصلہ ہو چکا تھا، مگر دنیا بے خبر، اپنی سعی جو اب لاحاصل تھی، میں لگ چکی تھی۔

☆......☆......☆

"امی کیا ہوا؟؟" عروۃ الوثقیٰ نے ثریا بیگم کے کمرے میں قدم رکھا تو گھٹی گھٹی سی، سینے سے سسکنے کی آواز فضا کو سوگوار بنا رہی تھی، وہ ان کے قریب پہنچی تو ان کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہہ رہے تھے، اس کے پوچھنے پر آنسوؤں کی رفتار میں شدت آ گئی۔ ایک وقت ایسا تھا کہ ثریا بیگم عروہ کو دیکھ کر نخوت سے منہ پھیر لیا کرتی تھیں، مگر آج وہ عروہ کے دست نگر تھیں، بیاہی بیٹیاں آخر کتنا عرصہ میکے رہ سکتی ہیں، دو ماہ مسلسل میمونہ آپا اماں کے پاس رہیں تھیں، حلیمہ اور نعمت اللہ ان کے جانے کے بعد تین ماہ رہیں، ایک ماں کے پاس رہتی، دوسری سسرال کو سنبھالتی، اس دوران میمونہ اور طوبیٰ بھی چکر لگاتی رہتی تھیں، اماں کو بیمار ہوئے آٹھ ماہ بیت چکے تھے، بیٹیاں بھرپور کوشش کرتیں کہ ماں کی خدمت کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے، مگر تقریباً ایک ماہ سے سب اپنے اپنے آشیانے سدھار گئی تھیں۔ عروہ پڑھائی کے ساتھ اماں کو بھی سنبھال رہی تھی، ایسا نہیں تھا کہ میمونہ، حلیمہ، نعمت اللہ اور طوبیٰ نے آنا بالکل ہی ترک کر دیا تھا، وہ آتی جاتی رہتیں تھیں، مگر شروع کے پانچ ماہ مسلسل میکے میں قیام پذیر رہ کر ماں کی خدمت کی تھی، اب گاہے بگاہے چکر

لگالیتی تھیں۔ عروہ کو دیکھ کر انہوں نے کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر منہ پورا کھلتا ہی نہیں تھا۔

"جس شخص کو قدرت خود احساس دلادے تو ہم ناقص انسان بھلا کیا کر سکتے ہیں۔"

یقیناً اماں کو اپنے رویے اور برتاؤ کا شدید احساس تھا، وہ اپنی پانچوں بیٹیوں کو دیکھ کر بہت روتی تھیں، وہ بیٹے جن کو وہ اپنا سرمایہ حیات سمجھتی تھیں، ماں کی علالت کے دوران کھڑے کھڑے ہی خیریت دریافت کر لیتے تھے۔ ان کو نہلانے، دھلانے، کپڑے بدلنا، کھانا کھلانا، پانی پلانا حتیٰ کہ قضائے حاجت بھی بیٹیاں بستر پر کرواتی تھی۔

بیٹیاں دکھ سکھ سانجھی......

بیٹیاں سب سن کر بھی ہیں سہتیں......

بیٹیاں اپنے سینے میں رکھتی ہیں قلب گداز......

بیٹیاں سمجھتی ہیں والدین کا درد......

بیٹیاں ہوتی ہیں ماں، باپ کا مان......

بیٹیاں برداشت کرتی ہیں والدین کی خاطر سسرال کی تلخیاں، سختیاں، پریشانیاں......

مسلسل علاج اور بہترین نگہداشت سے اب ثریا بیگم کی حالت پہلے سے قدرے بہتر تھی، پہلے ان کی آواز ہی نہیں نکلتی تھی، مگر اب ہلکا سا منہ ہلا لیتی ہیں، مگر معمولی سا منہ کھول کر ان کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ جیسے سالوں سے پیادہ سفر کر رہی ہوں، پیاس سے برا حال، کہنے والوں نے لحاظ، لاج رکھے بنا کہہ دیا کہ ثریا کی کرنی سامنے آئی ہے، مگر وہ سوائے سننے کے کچھ نہیں کر سکتیں تھیں، وہ صرف سننے پر مجبور کر دی گئیں تھیں۔

انہوں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ یہ جسم کتنی بڑی نعمت ہے، بستر کتنی بڑی نعمت ہے، خود بستر پر لیٹ جانا کتنی بڑی نعمت ہے، خود اپنی چاہت کے مطابق کروٹیں بدلنا کتنی بڑی نعمت ہے، ہاتھ ہلانا کتنی بڑی نعمت ہے، خود اپنے ہاتھ سے پانی پینا کتنی بڑی نعمت ہے، خود لقمہ توڑ کر بنا کر کھانا کتنی بڑی نعمت ہے، منہ کا پورا کھلنا کتنی بڑی نعمت ہے، لقمہ چبانا کتنی بڑی نعمت ہے، دانت کتنی بڑی نعمت ہیں کہ چبالو، خود اٹھ کر بیٹھ جانا کتنی بڑی نعمت ہے، خود منہ دھونا کتنی بڑی نعمت ہے، خود نہانا دھونا کتنی بڑی نعمت ہے، قضائے حاجت سے فراغت کے لئے پیروں پر چل کر جا کر خود فارغ ہو کر آنا کتنی بڑی نعمت ہے، زبان جو اللہ نے اپنی یاد کے لئے دی ہے، کتنی بڑی نعمت ہے، مگر انہوں نے ہمیشہ اس کو اس کی نافرمانی میں استعمال کیا، کان کتنی بڑی نعمت ہیں۔

"آخر انسان نعمتوں کی قدر اسی وقت کیوں کرتا ہے، جب وہ اس کے پاس نہیں رہتیں، کیوں ان نعمتوں کی فراوانی سے دھوکے میں رہتا ہے کہ سب اس کا ہے، کیوں قادر مطلق کو فراموش کر دیتا ہے کہ اس کے ایک امر کُن سے ہر نعمت کو زوال آسکتا ہے، آخر جب نعمت نہیں رہتی تو روتا ہے کہ کاش میں شکر ادا کر لیتا، نعمت میں اضافہ ہی ہوتا کمی نہ آتی۔"

"دنیا کی اپنی نظر اور اپنی منطق ہے، درحقیقت ہوتا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بہت محبت کرتے ہیں، کبھی ان کو نعمتیں دے کر متوجہ کرتے ہیں اور کبھی نعمتیں لے کر، جس کے پاس نعمتیں ہوں اور وہ اس کریم کا شکر ادا کرتے رہے تو اس کی نعمت میں اضافہ ہی ہوتا ہے، کمی نہیں آتی، اگر شکر نہ کرے، بلکہ ظالم حکمران کی طرح ہر نعمت کو اپنی راج دھانی سمجھے تو وہ نعمتیں ایک دن چھن جاتی ہیں، پھر اللہ پاک اپنے بندوں کو جنت میں بھیجنا چاہتے ہیں، مگر بندے جنت میں جانا تو چاہتے ہیں، مگر عمل جنت والے اعمال کے برخلاف کرتے ہیں، اللہ پاک کو ان کی خواہش کا علم ان سے زیادہ ہے، تو اللہ تعالیٰ دنیا میں مست و مدہوش انسان کو غفلت سے بیدار کرنے کے لئے تلخ حالات یا پریشانی یا بیماری بھیج دیتے ہیں، بالآخر بندہ مجبور و بے بس ہو کر اس کو پکارتا ہے، وہ ان حالات کا سامنا کرنے کے بعد سمجھتا ہے کہ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، جو جب چاہے عطا کر دے، جب چاہے سب واپس لے لے اور جب چاہے کچھ لے لے، کچھ عطا کر دے۔ انسان تو اس کے سامنے عاجز و بے بس ہے، بس اللہ تعالیٰ بندوں کی خواہش پر ان کو جنت میں بھیجنے کے لئے ان پر ایسے حالات بھیج دیتے ہیں کہ وہ اپنی غفلت سے بیدار ہو کر اس ذات برحق کی جانب متوجہ ہو جائے۔ بیماری، تکلیف اور پریشانی، دکھ، غم یہ سب تو زندگی کا حصہ ہیں، بس فرق یہ ہے کہ جو انسان ان حالات میں اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے، شکوہ و شکایت کا حرف زبان پر کیا دل میں بھی نہیں لاتا، وہ مستحق جنت ہوتا ہے اور جو ان پریشانیوں، دکھوں، تکلیفوں میں شکوہ شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ہی ایسا کرتا ہے اللہ، اللہ کو ہم ہی ملے تھے اس غم کے لئے وغیرہ تو وہ اس کی نظروں میں گر جاتا ہے۔"

عروہ کو ماں کی حالت دیکھ کر سمجھ آیا کہ وہ اس وقت دل برداشتہ ہو رہی ہیں، اس نے ان کے سرہانے بیٹھ کر بہت پیار سے ماں کے بال پیچھے کئے، پیشانی پر بوسہ دیا، آنسو صاف کئے، پھر گویا ہوئی:

"حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب کوئی بندہ بیمار پڑ جاتا ہے تو اللہ رب العزت فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ اس مریض کے منہ سے کراہنے کی جو آواز نکل رہی ہے، یعنی "ہوں ہوں" ہر ہر مرتبہ کراہنے پر سبحان اللہ کہنے کا اجر لکھا جائے (ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے کا اجر اتنا ہے کہ جنت میں اتنا بڑا درخت اللہ پاک لگا دیتے ہیں کہ ستر سال گھوڑا اس کے سائے میں دوڑے تو بھی درخت کے سایہ کی مسافت طے نہ کر سکے) اور اگر درد کی وجہ سے مریض چیخنے لگے تو فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کا اجر اس کے نامہ اعمال میں لکھو (لا الہ الا اللہ پڑھنے کا اجر اتنا ہے کہ قیامت کے دن ایک بندہ کے نیک اعمال کا پلڑا اٹھ جائے اور گناہوں کا پلڑا جھک جائے گا تو ایک چھوٹی سی پرچی نیک اعمال کے پلڑے میں رکھ دی جائے گی تو وہ پلڑا بھاری ہو جائے گا اور گناہوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا، وہ بندہ کہے گا کہ میرے اتنے بڑے اعمال بھی اس پلڑے کو بھاری نہ کر سکے تو یہ چھوٹا سا کون سا عمل ہے تو اس کو بتایا جائے گا کہ اخلاص قلب کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہنا ہر عمل پر بھاری ہے)۔ جب وہ مریض سانس لیتا ہے تو ہر ہر سانس کے بدلے اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کرنے کا اجر اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے، جب وہ بستر پر سوتا ہے تو بستر پر لیٹنے سے اس کو اس طرح اجر دیا جاتا ہے جس طرح کہ مصلے کے اوپر کھڑے ہو کر تہجد پڑھنے والے کو اجر دیا جاتا ہے اور جب وہ مریض اپنی بیماری اور تکلیف کی وجہ سے کروٹ بدلتا ہے تو اس کو اللہ رب العزت کے راستے میں دشمن پر پلٹ پلٹ کر حملے کرنے کا اجر دیا جاتا ہے۔"

ثریا بیگم کی آنکھوں سے پھر سے موتیوں کی لڑی جھڑنے لگی، انسان اپنی ساری زندگی اپنے لئے گزار دیتا ہے مگر اللہ پاک کی رحمتیں اس پر پھر بھی سایہ فگن رہتیں ہیں، بس بندے کو خود فرصت نہیں ہوتی، اس کی رحمتوں کو لوٹنے کی۔

"آپ پریشان نہ ہوں، ان شاء اللہ بہت جلد آپ بھی ہماری طرح بولنے لگیں گی، چلنے پھرنے لگیں گی، خود بیٹھا کریں گی۔"

عروہ تو ان کو تسلی دے رہی تھی، مگر احساس ندامت بڑھ جانے کی وجہ سے ان کا گریہ وزاری بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!" شیث نے ڈائننگ روم میں داخل ہوتے ہوئے اسماعیل صاحب کو دیکھ کر بلند آواز سے سلام کیا۔ انہوں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا، پھر دھیرے سے وعلیکم السلام کہا۔ یاسر نے ناشتہ لگانا شروع کیا۔

"آج تم جلدی اٹھ گئے تھے۔" اسماعیل صاحب نے توس پر مکھن لگاتے ہوئے شیث کی جانب دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ وہ ایک ماہ سے شش و پنج میں تھے کہ کیسے شیث کو حقیقت سے آشنا کریں، وہ مسلسل ایک ماہ

سے تذبذب کا شکار تھے، شیث ان کا کل سرمایہ تھا، وہ اس کو کھونا نہیں چاہتے تھے، ساری صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اس کو بتانے سے ہچکچا رہے تھے، مگر اندر کہیں خواہش تھی کہ وہ بھی اب اپنی پوری فیملی کے ساتھ رہیں، وہ بیوی جو کل تک ان کو دقیانوس لگا کرتی تھی، آج وہ، ان کی نظر میں عورت دنیا کی عظیم عورت تھی۔

''میں تو روز جلدی ہی اٹھ جاتا ہوں، نماز کے بعد آج پارک میں کچھ دیر لگ گئی۔'' شیث نے سرسری سے انداز میں جواب دیا۔

''شیث صرف دو تین سال کے عرصے میں کتنا بدل گیا تھا، اس کا لب ولہجہ، دھیما پن، شائستہ انداز میں گفتگو، وہ اب باپ کا ادب ملحوظ رکھ کر بات کیا کرتا تھا، اسماعیل صاحب سب کچھ محسوس کرتے تھے، اس وقت بھی اس کی بات سن کر نظریں چرا گئے۔''

''ابو جی!! میں کچھ دنوں سے آپ سے بات کرنا چاہ رہا ہوں، مگر مناسب موقع ہی نہیں ملتا۔''

شیث اب ان کو پاپا کے بجائے ابو جی کہنے لگا تھا، اسماعیل صاحب کو اس کا بھی ادراک تھا، مگر جانے کیوں آج بہت محسوس ہوا، شاید ذہن کے کسی پردے پر کسی کی پرچھائیں پڑیں تھیں، وہ یحییٰ کا رونا، وہ اس کا ان کے کوٹ کے کالر کو پکڑ کر سسکنا۔

''ہوں۔'' پُرسوچ انداز میں انہوں نے ''ہوں'' یقیناً بات آگے بڑھانے کا اشارہ دینے کے لئے کیا تھا۔

''وہ ابو جی! میں چاہ رہا تھا کہ ٹوائز فیکٹری سے اب جاندار قسم کے کھلونوں کو بنانا بند کر دیتے ہیں اور مزید ہماری فیکٹریز سے کسی چیز کا اشتہار وغیرہ بھی جاندار چیزوں کا نہ ہو۔'' شیث نے ٹھہر ٹھہر کر اپنی بات مکمل کی، وہ دھیرے دھیرے جوس کے سپ لے رہا تھا۔

''سفید لباس میں ملبوس، سر پر جالی دار ٹوپی اور ایک مشت کالی سیاہ ڈاڑھی، جو اس کی شخصیت کو خاصا رعب دار بنا رہی تھی، ساتھ اس کی خوبصورتی میں بھی کئی گناہ اضافہ ہوا تھا۔'' اسماعیل صاحب نے نظر ہٹالی، مبادا انہی کی نظر ان کے سپوت کو لگ جائے۔

''ہم لوگ بھی کس قدر بودے خیالات کے مالک ہوتے ہیں، ساری زندگی بے مایا دولت و آسائشات کے پیچھے دوڑتے ہیں، جب عمر کے آخری مراحل میں آتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی ایک دنیا، ایک زندگی ہے، اس کی تو کچھ تیاری نہیں کی، بھاگتے دوڑتے آخرت کی تیاری کی فکر......''

''مگر بیٹا ایسے تو ہمیں بہت نقصان ہوگا؟؟'' اسماعیل صاحب نے حیرت سے کہا۔

''نہیں ہوتا نقصان، اللہ بہت بڑا کارساز ہے اور اس کی رضا کی خاطر ہم تھوڑا سا نقصان اٹھالیں گے تو وہ ہمیں ستر گنا زیادہ دے گا، ویسے بھی ایسی دولت کا کیا فائدہ؟ جو اس کی نافرمانی والا کام کر کے حاصل کریں۔''

''آپ غور کریں کہ ہر کھلونے پر تصویر...... حتیٰ کہ اب تو ٹیلی فون کا کھلونا جو بنتا ہے، اس پر بھی آنکھیں، کار کا کھلونے پر بھی شکل اور آنکھوں سمیت......''

''پھر اشتہار دینے کیلئے بورڈ پر بڑا سا کھلونا شکل والا۔''

''ہم صرف دو لوگ ہیں اور اتنی دولت ہے کہ ہماری دو تین نسلیں بآسانی کھا سکتی ہیں، اگر اللہ کے لئے ہم کچھ قربانی دیں گے تو شاید وہ ہمیں نقصان ہونے سے ہی بچالے۔'' شیث نے قائل کرنے کی کوشش کی۔

''ابھی پچھلے دنوں بھی ٹوائز فیکٹری میں دو کروڑ کا سرمایہ لگا تھا، جس سے ہمیں چار کروڑ بآسانی مل سکتے تھے، مگر ایک کروڑ کا نقصان ہوا، مجھے تو لگتا ہے کہ مال کسی نے چرایا ہے، گھپلا ہوا ہے، میں خود جاتا رہا ہوں فیکٹری راؤنڈ لگانے، ساری فائلز دیکھتا رہا ہوں، مگر ہاتھ کی صفائی...... وہ تو چلو چوری ہوا یا گھپلا ہوا، مگر ہم روک نہیں سکے اس نقصان کو ہونے سے، تو یہ اللہ کے لئے قدم اٹھا کر دیکھ لیں۔''

''تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے بیٹا، مگر ایک دم سے

کیسے کر دیں؟؟ وقت تو لگے گا، آہستہ آہستہ ہی سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔'' اسماعیل صاحب نے سمجھایا۔

''اور وہ نقصان نہیں ہوا ایک کروڑ کا، نہ چوری ہوئی، وہ مال سویرہ نے گھپلا کروا کر الگ سے بکوایا، پھر اس کا نفع و قیمت بھی اپنے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروالی، میں جانتا تھا، سوچا بزنس میں دھیان ہوگا اس کا، مگر حقیقت بعد میں کھلی کہ وہ آستین کا سانپ ہے، اگر اس کا کردار صاف ہوتا تو میں اس کو طلاق نہ دیتا، میں نے معلومات کروائیں تو پتہ چلا کہ پڑھائی کے وقت سے ہی وہ بدنام تھی، ہر اچھے برے لڑکے سے دوستی رکھتی تھی، مفاد کی حد تک، خیر انسان خطا کا پتلا ہے، مجھ سے بھی اس کو پرکھنے میں غلطی ہوئی۔'' انہوں نے اس کی غلط فہمی دور کردی، وہ تاسف سے صرف سر ہلا کر رہ گیا۔

''میں تمہیں منع نہیں کر رہا کہ جو تم نے سوچ لیا ہے، اس پر عمل نہ کرو، مگر ہر کام بتدریج ہی ہوا کرتا ہے، ایک دم سے کرو گے تو کافی خسارہ ہوگا۔'' اسماعیل صاحب نے پھر وہیں سے بات جوڑی۔

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہوگا، جس نے نبی کو یا نبی نے جس شخص کو قتل کیا، یا جس نے اپنے ماں باپ کو قتل کیا اور تصویریں بنانے والوں کو اور اس عالم کو بھی جو اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھائے۔'' (بیہقی)

''اب آپ خود فیصلہ کرلیں کہ یہ کام مزید جاری رکھ کر میں دو گناہوں کا مرتکب رہوں گا، اتنا عرصہ ایک اپنے علم پر عمل نہ کرنے کا، دوسرا تصویروں کا کام جاری رکھنا اور تصویر بنانا کوئی چھوٹا گناہ نہیں ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تصویر بنانے والا بھی ان بڑے بڑے گناہ گاروں میں داخل ہے، جتنا گناہ قاتلِ پیغمبر کو ہوگا، اتنا ہی تصویر بنانے والے کو ہوگا۔''

ایک دوسری حدیث سناتا ہوں آپ کو......

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا، جو میری طرح پیدا کرنے کی کوشش کرے، سو بھلا کہ ایک ذرہ یا ایک دانہ یا ایک جو تو پیدا کر کے دکھائیں۔'' (بخاری و مسلم)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ درپردہ مصور الوہیت کا دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی طرح چیزیں پیدا کرنا چاہتا ہے، یہ بڑا گستاخ اور کذاب ہے، ایک دانہ تک بنانے کی قدرت نہیں، نقل اتارتا ہے، نقال ملعون پر اللہ کی لعنت ہے۔

جب تک علم نہیں تھا، تب تک تو معافی ہے، علم ہوتے ہی میں نے پچھلے گناہ پر توبہ کرلی، چونکہ ٹوائز فیکٹریز زیادہ تر میرے انڈر ہیں اس وجہ سے، مگر فی الحال ملکیت تو آپ کی ہی ہے، اس لئے آپ سے اجازت لینا ضروری سمجھا۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک غالیچہ خریدا، جس میں تصویریں تھیں، جب اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر ہی کھڑے رہے، اندر نہیں آئے، فرماتی ہیں، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے کراہیت کے آثار محسوس کئے، میں نے کہا، یارسول اللہ! میری توبہ ہے، میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ غالیچہ کیسا ہے؟ فرماتی ہیں، میں نے کہا کہ آپ کے لئے خریدا ہے، تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور تکیہ بنائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ان تصویر والوں پر یہ عذاب ہوگا کہ ان سے کہا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں کو زندہ کرو، فرمایا، جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں، اس میں فرشتے نہیں آتے۔'' (بخاری)

اس کا مطلب ہے کہ اکثر مشرک چونکہ مورتیاں

پوجتے ہیں، اس لئے نبیوں اور فرشتوں کو تصویروں سے گھن آتی ہے، اس لئے فرشتے نہیں آتے، تصویر بنانے والوں پر عذاب ہوگا کہ سامان بت پرستی مہیا کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ تصویر خواہ پیغمبر کی ہو یا امام کی، ولی کی ہو یا قطب کی، پیر کی ہو یا مرید کی، تصویر بنانا حرام ہے اور اس کا رکھنا بھی حرام ہے، جو لوگ اپنے بزرگوں کی تصویروں کی تعظیم کرتے ہیں یا بطور تبرک اپنے پاس رکھتے ہیں، وہ سراسر گمراہ اور مشرک ہیں۔

"جب ابو جی!!اتنی معتبر شخصیات کی تصویر رکھنا حرام ہے تو یقیناً تصویری کاروبار بھی حرام ہے اور ہم بالکل واضح اور مکمل شکل بناتے ہیں کھلونوں کی۔"

"بتدریج کم کرنے میں بھی کافی وقت لگے گا اور میں نہیں چاہتا کہ مزید اللہ رب العزت کی نافرمانی والا کام میرے زیر سایہ ہو۔" شیث نے واضح دلائل پیش کئے کہ ان کے ذہن میں خلجان نہ ہو۔

"پھر تم نے بھی کچھ نہ کچھ سوچ رکھا ہوگا کہ کیا اور کس طرح کرنا ہے؟" اس کی بات سن کر اسماعیل صاحب نے گویا ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

"زیادہ خاص پروگرام نہیں ہے، بس یہی ارادہ کیا ہے کہ تمام کھلونوں کو دوبارہ پگھلا لیتے ہیں، جیسے وہ کھلونا بننے سے قبل پلاسٹک چھوٹے چھوٹے انڈوں کی طرح ہوتی ہے، اس طرح کروا لیتے ہیں، سارا تیار مال، پھر دوبارہ نئے سرے سے پروجیکٹ ترتیب دیں گے، کھلونے سارے وہی بنیں گے، بس شکلیں نہیں ہوں گی۔" شیث نے اپنا سوچا ہوا لائحہ عمل سامنے رکھا۔

"تم جانتے ہو بیٹا کہ اس کام میں ہمیں کتنا بڑا نقصان ہوگا، سارے کھلونے پگھلانے پر الگ خرچہ، پھر دانہ بنانے پر الگ خرچہ، پھر اس کو دوبارہ ترتیب دینے پر الگ خرچہ، جتنا بھی تیار مال اس وقت پڑا ہے، تقریباً پانچ کروڑ کا ہے اور چائنہ سے مسٹر چیف کا آرڈر بھی ابھی پورا نہیں ہوا، اگلے مہینے ان کو اپنا مال تیار چاہئے اور جو لائحہ عمل تم نے ترتیب دیا ہے، اس لحاظ سے مال کو دوبارہ تیار ہونے میں تین ماہ لگیں گے، میرا مشورہ تو یہ ہے کہ جو مال تیار ہے اور جو ابھی مشینری میں تیاری کے مراحل میں ہے، اس کو اسی طرح آگے بھیج دیتے ہیں، پھر اگلا مال تم اپنے طریقے سے بنوالینا۔" اسماعیل صاحب نے تفصیل اس کی گوش گزار کی۔

"نہیں ابو جی......!" شیث نے ان کے مشورے کو سن کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"جس کام کو کرنے کا ارادہ کرلیا، وہ کل سے کیوں، آج سے ہی کیوں نہ شروع کروں؟"

"رہی مسٹر چیف کی آرڈر کی بات......"

"تو انہوں نے ابھی پیمنٹ نہیں کی ہے اور ان کو اتنا بڑا پروجیکٹ کوئی اور بغیر نقد لئے تیار کر کے نہیں دے سکتا، لہٰذا ہم اپنی بات منوا سکتے ہیں، بس طریقہ ہونا چاہئے۔" شیث نے حقیقت کو مدنظر رکھ کر بات کی تھی۔

"ٹھیک ہے میاں......" اسماعیل صاحب کا انداز اس کو بے ساختہ ہی مولانا ابراہیم کی یاد دلا گیا، ان کا تکیہ کلام تھا "میاں، برخوردار"۔

"جب تم سوچے ہی بیٹھے ہو، سب کچھ تو میں اب ہتھیار ڈالنے کے سوا کر کیا کرسکتا ہوں۔" انہوں نے مصنوعی بے چارگی کا لبادہ اوڑھتے ہوئے کہا۔ کچھ عرصہ ان دونوں باپ بیٹے کے درمیان حائل اجنبیت کی دیوار آہستہ آہستہ کھوکھلی ہوتی جارہی تھی اور اس میں زیادہ ہاتھ شیث کا تھا۔

"مگر مسٹر چیف کو خود ہینڈل کرنا، وہ خود آئے یا فون پر بات کرے، خود معاملہ طے کرنا۔" انہوں نے جیسے بری الذمہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے، میں سنبھال لوں گا۔" شیث نے مسکراتے ہوئے کہا، خوشی اس وقت اس کے چہرے سے ہی عیاں تھی۔

"اس سے اچھا موقع نہیں ہوگا، ابھی کرلینی چاہئے مجھے بات۔" اسماعیل صاحب نے اس کو نظروں کے حصار میں مقید رکھتے ہوئے سوچا تو ان کی محویت کو محسوس کرتے ہوئے شیث پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"کیا ہوا؟ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

"سوچ رہا ہوں کہ تم بات کرنا چاہتے تھے تو کرلی، میں بھی کافی دنوں سے تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں، مگر ہمت ہی نہیں ہوتی۔" بہت سوچ بچار کے بعد انہوں نے فیصلہ کر ہی لیا تھا کہ آج نہیں تو کل آخر حقیقت بتانی تو ہے تو آج ہی کیوں نہیں۔

"بیٹا اگر تمہیں پتہ چلے کہ تمہاری ماں زندہ ہے اور تم سے ملنا چاہتی ہے تو تم اعتبار کرلو گے؟" اسماعیل صاحب بہت کوشش کے باوجود سیدھی طرح بات کا آغاز نہ کرسکے۔

"یہ تو معجزہ ہوگا۔" شیث نے ہلکے سے انداز میں جواب دیا۔ کچھ دیر خاموشی کا راج ان دونوں کے درمیان رہا، جب شیث نے ناشتہ مکمل کرلیا تو اسماعیل صاحب کو اس سکوت کی راجدھانی کو اپنے لفظوں سے تہس نہس کرنا پڑا۔

"میرے پاس حقیقت کو آشکار کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں، مگر یہ سچ ہے بیٹا کہ تمہاری ماں تمہاری منتظر ہے، وہ مرنے سے پہلے تم سے ملنا چاہتی ہے، اگر تم اس کو معجزہ سمجھو تو یقیناً یہ تمہارے لئے معجزہ ہی ہے، چونکہ میرا ارادہ قطعاً تمہیں ان تمام حقائق سے روشناس کرنے کا نہیں تھا، مگر شاید اب تمہارا اللہ سے تعلق مضبوط ہوگیا ہے، تمہاری دعائیں میرے ارادوں پر غالب آگئی ہیں۔" انہوں نے نظریں چراتے ہوئے مجرمانہ انداز میں چند لفظوں میں ساری حقیقت اپنی جانب سے اس کے گوش گزار کردی، وہ اس کی جانب سے کسی بہت سخت ردعمل کے منتظر تھے، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، آج سے تین سال پہلے والے شیث میں اور اب والے شیث میں گویا زمین آسمان کا فرق تھا۔

"اللہ قادر مطلق ہے وہ میرے لئے قبر سے بھی میری ماں کو زندہ کر کے میرے سامنے لاکر کھڑا کرسکتا ہے۔"

"اب جبکہ میں نے یہ بات سمجھ لی ہے کہ دنیا فانی ہے، دنیا کی ہر محبت فانی ہے، صرف اللہ باقی ہے، اس کی محبت باقی ہے، دنیا میں کسی کی محبت کو بقا ہے تو وہ صرف رب کریم کی ہے۔"

"یہ تو اس کی رحمت کی، اس کی محبت کی انتہاء ہے کہ وہ میرے دل کی ہر خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے، اس رب کریم کی ممتا سائے کی طرح میرے ساتھ ہے، وہ چاہتا تو مجھے غفلت والی زندگی میں ہی اٹھا لیتا، وہ چاہتا تو اس وقت مجھے میری ماں سے جدا نہ کرتا، جب مجھے اس کی ضرورت تھی، وہ مجھے اپنی محبت کا احساس دلانا چاہتا تھا اور اب جب میں اس کی ممتا کو محسوس کرتا ہوں تو اس نے میری ماں کو سامنے لا کھڑا کیا۔" شیث نے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا تھا، اس کا لہجہ بھیگا بھیگا سا بڑا بھلا لگ رہا تھا۔

"مولانا ابراہیم صاحب صحیح کہتے ہیں کہ جو انسان اس کی رضا کے لئے خود کو فنا کردے، وہ بندے کی رضا کی ہر چیز اس کے سامنے لاکر کھڑی کردیتا ہے۔" اس نے نم لہجے کے ساتھ کہا تھا مسکراتے ہوئے، اس کا انداز اسماعیل صاحب کا دل چیرنے کو کافی تھا۔

"مولانا ابراہیم تمہارے تایا ہیں۔" اسماعیل صاحب نے ایک اور اعتراف جرم کیا اور پھر آہستہ آہستہ انہوں نے سب کچھ ہی اس کو بتا دیا کہ وہ تین بہن بھائی ہیں، اس کے تایا کے بھی بچے ہیں، مگر وہ خود کافی عرصے سے نہیں ملے وغیرہ۔

"مجھے اس بات کا دکھ نہیں ہے کہ آپ نے مجھے یہ سب اب کیوں بتایا، دکھ تو اس بات کا ہے کہ وہ مہربان ولی اللہ صفت شخص سب کچھ جانتا تھا، ماں کے لئے میری بے قراریاں جانتے ہوئے بھی مجھے کچھ نہیں بتایا انہوں نے۔" اس کے رونے میں شدت آگئی تھی۔

"انسان بالآخر انسان ہی ہوتا ہے، پتھر یا بے جان نہیں۔"

............(جاری ہے)............



سازش

کنول عطا محمد

”فضلو چاچا، پلیز مینگو جوس میرے کمرے میں پہنچا دیں۔“ انوشہ کچن کی طرف آ کر چلائی، وہ اسی وقت یونیورسٹی سے آئی تھی۔

”جی بیٹا، ابھی لایا......“ فضلو چاچا بچارے صبح سے کام میں لگے ہوئے تھے، اسی وقت ہانپتے کانپتے اوپر انوشہ کے کمرے میں جوس دینے جا رہے تھے کہ ان کا پاؤں لرز گیا اور وہ سیڑھیوں سے لڑھکتے نیچے جا گرے، انوشہ گرنے کی آواز سن کر باہر لپکی، نیچے کیا دیکھا کہ فضلو چاچا خون میں تربتر تڑپ رہے ہیں۔

”فضلو چاچا......!“ وہ چیختی چلاتی نیچے آئی، ابھی وہ ایمبولینس کو فون کر رہی تھی کہ اس کی ماما بھی چیخیں سن کر باہر آ گئیں، جب تک ایمبولینس آ چکی تھی، بیگم صاحبہ نے دوسرے نوکروں سے فضلو چاچا کو اٹھوا کر ایمبولینس میں ڈلوایا۔ وہ آئی سی یو میں تھے، کیونکہ انہیں سر میں بہت گہری چوٹ آئی تھی، ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ شاید کومہ میں بھی جا سکتے ہیں، اس وقت سیٹھ کامران بھی آ گئے، انہوں نے فضلو چاچا کی بیوی کے ہاتھ پر چند نوٹ رکھے اور ایسے چل دیئے، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، لیکن انوشہ وہیں رہی، کیونکہ...... انوشہ جب پیدا ہوئی تو ماں باپ بس اس کا نام رکھ کر ایسے بھول گئے، جیسے وہ ان کی اولاد ہی نہ ہو، وہ شروع سے ہی ماں اور باپ کا پیار فضلو چاچا سے پاتی رہی، لیکن کوئی والدین کی کمی پوری کر سکا ہے کیا؟ وہ پھر بھی کچھ ادھورا پن محسوس کرتی تھی، وہ تقریباً 20 سال سے ان کے یہاں کام کر رہے تھے، ان کی کوئی اولاد نہیں تھی اور وہ انوشہ کو ہی اپنی اولاد مانتے تھے، انہوں نے ہی اسے انگلی سے پکڑ کر چلنا سکھایا۔ اس کے بعد ایک بھائی ہوا، جو اس سے دو سال چھوٹا تھا، اس کے ناز نخرے ایسے اٹھائے جاتے، جیسے وہی ان کی اکلوتی اولاد ہو، سیٹھ کامران اس کو بہت پیار کرتے تھے، کیونکہ وہی ان کی جائیداد کا اکلوتا وارث تھا۔

”بیٹا، ان کو ہوش آ گیا ہے......“ جب انوشہ مصلیٰ پر بیٹھی ان کی زندگی کی دعائیں مانگ رہی تھی، اس وقت ڈاکٹر نے آ کر اطلاع دی، ان کی دوائی کے سارے اخراجات انوشہ نے ہی ادا کیے تھے۔

”آپ کی طبیعت کیسی ہے اب......“ انوشہ بے تابی سے پوچھنے لگی۔

”بیٹا، جس کی تمہارے جیسی بیٹی ہو، اس کو کچھ ہو سکتا ہے کیا......؟“ فضلو چاچا نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

اب فضلو چاچا کی طبیعت قدرے بہتر تھی، لیکن انوشہ کے والدین کا رویہ ان سے خراب ہو گیا، وہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے ان کی بیٹی کو ان سے جدا کر دیا ہے، وہ یہ بھول گئے، انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی بیٹی کو خود سے دور رکھا ہے۔

انوشہ کا گریجویشن مکمل ہو چکا تھا، اب انوشہ کے شادی کے ہنگامے شروع ہو گئے، رشتے تو دو، تین تھے، مگر ان میں سے ایک لڑکا بہت پسند آیا، جو امریکا میں بہت اچھی پوسٹ پر جاب کرتا تھا، محل جیسا گھر، گیراج میں کھڑی گاڑیوں کی لمبی قطار، بس یہی ان کی چھان بین تھی، دین و ایمان سے کوئی مطلب نہیں تھا۔

انہوں نے شادی کی تاریخ طے کر دی، کچھ دن بعد انوشہ نے اپنی ہونے والی ساس کو دیکھا، جو بلیک اور بے بی پنک کلر کی ساڑھی میں مختصر سا بلاؤز میں ملبوس تھی، ساڑھی سے اس کا گلابی جسم صاف نظر آ رہا تھا، اسٹیپ کٹ بال گولڈن ڈائی کٹے ہوئے، وہ دیکھتے ہی حیران رہ گئی۔

جیسے جیسے شادی کے دن قریب آ رہے تھے، ویسے ہی انوشہ کے ڈر میں اضافہ ہو رہا تھا کہ نجانے کیسے لوگ ہوں گے۔ ”ثمر عباس“ کیسا ہوگا، تصویر تو اس نے سرسری دیکھ لی تھی، خیر سے شادی بھی ہو گئی، شادی کے دوسرے دن جب وہ نماز کے لئے کھڑی ہوئی تو ثمر بھی کمرے میں آ گیا۔

”یہ کیا کر رہی ہو تم؟؟؟“

”میں نماز پڑھ رہی ہوں اور کیا؟“ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”ارے یار...... چھوڑو نماز وماز کو، میرے دوست کے گھر دعوت ہے، وہاں چلنا ہے، دیر ہو جائے گی، جلدی تیار ہو جاؤ۔“ ثمر نے آخری جملے غصے میں کہا تو وہ ڈر گئی۔

بس نماز پڑھ کر...... اس کا آخری جملہ ابھی منہ میں تھا کہ ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔

”سنا نہیں؟؟؟ میں نے کیا کہا؟ دفع ہو جاؤ اور جلدی تیار ہو جاؤ۔“ وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر نہانے چلی گئی۔

”بیٹا میں تو کہتی ہوں، اسے ہنی مون کے بہانے ربوہ لے جاؤ، کچھ اپنے نبی کے بارے میں بھی جان لے۔“ یہ ثمر کی ماں جہاں آراء کی آواز تھی۔

”ہاں مام، بس آج اس کو باہر کی ہوا لگوا کر پھر اپنے گھر سے چکر لگوا کر آؤں، پھر کل یا پرسوں لے کر جاؤں گا، سارا دن نماز کے علاوہ اور کچھ سوجھتا ہی نہیں، نجانے کیا پڑھ پڑھ کر پھونکتی رہتی ہے ہم پر۔“ یہ کہتے ہی ثمر ماں کے کمرے سے نکل گیا اور اس نے ساری باتیں سن لی تھی۔

جب وہ ثمر کے دوست کے گھر گئی تو وہاں بے حیائی و نیم عریانی کا سیلاب امڈ آیا تھا، فٹ جینز اور شرٹ میں ملبوس لڑکیاں اور مختصر سے بلاؤز والی ساڑھی والی خواتین، وہ تو شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ اس کی ماما اکثر ایسی پارٹیز میں شرکت کرتی تھیں، مگر اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی، یہ بے حیائی کا عالم وہ آج دیکھ رہی تھی، اس کے ذہن میں مام اور ثمر عباس کے الفاظ گھوم رہے تھے: ”ربوہ“، ”اپنا نبی“۔

”یہ قادیانی ہیں؟؟؟“ یہ سوال اس نے اپنے آپ سے کیا، جب سب کچھ سمجھ میں آ گیا تو وہ اور ڈر گئی، اب پتہ نہیں کیا ہوگا، آنسو امڈ آنے کو تھے، مگر اس نے ضبط کر دیا۔ جب واپسی پر ثمر اسے میکے چھوڑ کر اپنے ایک دوست کے گھر چلا گیا تو وہ اپنے پاپا کے سینے سے لگ کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی، روتے روتے اس نے ثمر اور اس کی ماں کی ساری گفتگو ان کے گوش گزار دی۔ لیکن انہوں نے کچھ کرنے کے بجائے بس اتنا ہی کہا...... ”انوشہ، اب تمہارے ہی ہاتھ میں ہے، اپنا گھر بنانا یا اجاڑنا، تمہیں اس لڑکے کے ساتھ رہنا ہے، اس کے دین اور ایمان کے ساتھ تھوڑی......“ یہ کہتے ہی وہ اٹھ گئے، جب تک ثمر بھی آ گیا، وہ روتی روتی اپنے گھر آ گئی، ثمر اس کے آنسوؤں کو ابھی تک ماں باپ سے بچھڑنے کا دکھ سمجھ رہا تھا، دوسرے دن وہ اس کو ہنی مون کے لئے تیار ہونے کو اصرار کر رہا تھا،

مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی، وہ اس کو اور ڈرانے اور دھمکانے لگا، اس کی ماں بھی وہاں آگئی۔

"ثمر بیٹا، کیا ہوا، کیوں چلا رہے ہو؟"

"مام، میں اسے کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ ہنی مون پر چلو، مگر یہ ٹس سے مس نہیں ہوئی......" ثمر غصے سے چیخ کے بولا۔

"چلی جاؤ انوشہ......" اب اس کی ماں بھی اصرار کرنے لگی۔

"میں نے کہا نا کہ مجھے نہیں جانا، تم کافروں کے شہر میں......" روتے روتے اس کے منہ سے نکل گیا۔

"کیا؟؟" دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"اب جب تم کو پتہ چل گیا ہے تو سنو...... میں نے تم سے شادی صرف اس لئے کی، تاکہ میں تمہیں اپنے ساتھ ربوہ لے جاؤں اور وہاں قادیانی کردوں، اس طرح تو نجانے کتنی لڑکیاں قادیانی ہو چکی ہیں، اب اگر میں نے تمہیں چھوڑ دیا تو تم میرا کام خراب کردوں گی، اس لئے میں تمہیں اپنے خدا کے پاس بھیجتا ہوں۔" اسی وقت ثمر نے اپنی پینٹ کی جیب سے گن نکالی۔

"خدا حافظ میری جان......" یہ ثمر کی مام تھی۔

"خدا حافظ انوشہ......" ثمر بھی کمینی ہنسی ہنس کے بولا۔ اسی وقت ہوا میں تین فائروں کی آواز گونجی۔

☆......☆......☆

کامران پیلس میں ایک کہرام مچا ہوا تھا، ان کی بیٹی جس کو انہوں نے دلہن بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، اب وہ اسے کفن پہنا کر ابدی گھر کی طرف لے جا رہے تھے، فضلو چاچا کا تو رو رو کے برا حال ہو گیا تھا، اس کی ماں کی تو دنیا اجڑ گئی، اب صحیح معنوں میں ماما اور پاپا کو بیٹی کی قدر معلوم ہوئی تھی، ثمر اور اس کی ماں تو اسی وقت امریکہ بھاگ گئے، انوشہ کو تین گولیاں لگی تھی، ایک پیٹ میں، ایک گردن اور ایک سینے میں، یعنی اس کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

کیا بیٹیاں اتنی بوجھ ہوتی ہیں کہ بس انہیں اتار کے پھینک دیا جائے، اصل میں جب بیٹیاں بیاہی جائیں تو پہلے دین وایمان دیکھا جائے کہ وہ دین کا پاسبان ہے یا نہیں؟ پھر دوسرے نمبر پر سیرت، تیسرے نمبر پر حسن (خوبصورتی) پھر چوتھے نمبر پر مال دیکھا جائے، اس دور میں نہ دین دیکھا جاتا ہے، نہ سیرت، بس خوبصورتی اور مال دیکھا اور بیٹی دے دی، جیسے وہ کوئی بوجھ ہو۔

قادیانیوں کا فتنہ تو اس دور میں بہت زیادہ بڑھ گیا ہے، پتہ ہی نہیں چلتا کہ قادیانی ملعون کون ہے اور ختم نبوت کا علمبردار کون ہے؟

قادیانی غیر مسلم اقلیت ہونے کے باوجود نہ تو کسی قانون کو مانتے ہیں، نہ ہی شرعی اور اخلاقی حدود کی پاسداری کرتے ہیں، کافر ہونے کے باوجود اپنا نام مسلمانوں میں شمار کرنے اور مراعات حاصل کرنے کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔

حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ پاکستان کے دوست اور دشمن میں تمیز کریں، جو لوگ حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار نہیں، وہ پاکستان کے وفادار کیسے ہو سکتے ہیں۔

مرزائیوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مقابلے میں غلام احمد قادیانی کافر ملعون کی گھٹیا شخصیت اور اس کی جھوٹی نبوت کا بت کھڑا کر رکھا ہے۔ اس لئے ان کافروں سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں، خاص طور پر اپنی اولاد کی شادی کرتے وقت، کیونکہ یہ ان کی پوری زندگی کا معاملہ ہے، مکمل چھان بین کرنی چاہئے، اب آپ کی اولاد کی زندگی آپ کے ہاتھ میں ہے، انہیں انوشہ کی طرح ہلاکت سے بچائیں۔

☆......☆......☆

بدلہ یا معافی......؟



زینب قریشی

چٹاخ...... ایک زناٹے دار تھپڑ میرے گال پر لگا اور میرے پھول سے گال کو سرخ کر گیا۔

"خبردار! جو آئندہ میرے پھولوں کو ہاتھ لگایا تو......" میں نے اس اچانک افتاد پر پیچھے مڑ کر دیکھا تو رابی کی ماما گرج رہی تھیں۔

"اب منہ کیا دیکھ رہی ہو میرا...... دفع ہو جاؤ اپنے گھر اور آئندہ میرے پھولوں کو چھوا تو ہاتھ توڑ دوں گی۔" اور میں اپنے گال پر ہاتھ رکھ کر جھلملاتی آنکھوں سے اپنے گھر چل دی۔

ابھی گھر میں داخل ہوئی ہی تھی کہ امی جان میری آنکھوں میں آنسو اور گال پر ہاتھ دیکھ کر لپک کر میری طرف آئیں۔

"کیا ہوا میری گل رخ کو؟" امی جان نے میرا ہاتھ گال پر سے ہٹاتے ہوئے کہا جس پر انگلیوں کے سرخ نشان ابھرے ہوئے تھے۔

"امی! وہ رابی کی ماما......"

امی کے ہاتھوں کا پیار بھرا لمس پا کر میری آنکھوں سے آنسو سیل رواں کی طرح جاری ہو گئے۔

"اُف اوہ...... توبہ ہے...... اس ظالم رخسانہ کے سینے میں تو دل کی جگہ پتھر رکھا ہوا ہے، محلے بھر کا جینا دوبھر کر رکھا ہے اس عورت نے...... نجانے کیسے سکون مل جاتا ہے اسے پھول جیسے معصوم بچوں کو مارنے کے بعد......" آج پہلی بار میں نے امی جان کو کسی کو برا بھلا کہتے ہوئے سنا تھا۔

"امی جان! کیا بچے پھول جیسے ہوتے ہیں؟" میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

"بالکل...... اور آپ تو ویسے بھی میرا پھول ہی ہو...... گل کا مطلب پھول ہوتا ہے نا......" امی جان نے میرا گال سہلاتے ہوئے پیار سے کہا۔

"پھر آنٹی رخسانہ نے اپنے پھول کو ہاتھ لگانے پر مجھے مارا ہے تو انہوں نے آپ کے پھول کو کیوں ہاتھ لگایا......؟" میں نے امی جان کو ناراضگی دکھاتے ہوئے کہا۔

"بس بیٹا! بعض لوگ اپنے اور دوسروں کے پھولوں میں فرق رکھتے ہیں......" امی جان نے لمبی سانس کھینچتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن اب آپ نے اپنے پھول کو ہاتھ لگانے کا بدلہ ان سے ضرور لینا ہے، اب رابی ہمارے گھر آئے تو آپ نے بھی اس کے ویسا ہی تھپڑ مارنا ہے، جیسا اس کی ماما نے مجھے مارا ہے ورنہ......"

"ورنہ کیا؟" امی جان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ورنہ میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی۔" میں نے اپنی مخصوص دھمکی دی۔

"ٹھیک ہے...... مجھے ایسا ہی کرنا پڑے گا۔" امی جان نے پرسوچ انداز میں جواب دیا۔ مجھے امی جان کے لہجے میں یقین کی چمک نظر آئی تو میں خوش ہو گئی اور تصور میں رابی کے منہ پر تھپڑ لگتا ہوا دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

یہ اس وقت کی بات ہے جب میری عمر آٹھ سال کے قریب تھی، رابی سمیت محلے کی کئی سہیلیاں بڑا صحن ہونے کی وجہ سے ہمارے گھر کھیلنے آیا کرتی تھیں، لیکن میں کبھی کبھار ہی رابی کے گھر جاتی تھی، مجھے ان کے گھر رکھے ہوئے گملوں کے پھول بہت پسند تھے، لیکن میں نے کبھی ان کو توڑنے کی کوشش نہیں کی، بس پیار سے ان کو چھو لیتی تھی، لیکن رابی کی ماما کو یہ بہت ناگوار لگتا تھا، صرف پھول ہی نہیں بلکہ وہ اپنے گھر کی کسی بھی چیز پر محلے کے بچوں کا ہاتھ لگانا برداشت نہیں کرتی تھیں اور مار پیٹ کر گھر سے باہر نکال دیتی تھیں، باقی محلے والوں کا تو مجھے معلوم نہیں کہ وہ آنٹی رخسانہ سے شکایت کرتے تھے یا نہیں، البتہ اتنا ضرور جانتی ہوں کہ میری امی جان نے کبھی ان سے اس بات کی شکایت نہیں کی تھی، بلکہ ہمیں ہی ڈانٹ دیا کرتی تھیں کہ تمہاری ہی غلطی تھی، یہ ان کا اپنے بچوں کی تربیت کرنے کا خاص انداز تھا کہ زیادہ حمایت کرنے سے بچے بگڑ جاتے ہیں، لیکن آج امی جان کی برداشت شاید جواب دے چکی تھی، جو انہوں نے میرے کہنے پر بدلہ لینے کا ارادہ کر لیا، رابی سے ویسے تو میری کبھی لڑائی نہیں ہوئی تھی، لیکن اس کی ماما کے رویے کی وجہ سے مجھے اس سے تھوڑی نفرت سی ہو گئی تھی، ابھی اس بات کو دو دن ہی گزرے ہوں گے کہ امی جان نے مجھے قرآن پڑھنے کے لئے ایک مدرسے میں داخل کروا دیا، اس سے پہلے جس گھر میں ہم قرآن پڑھنے جایا کرتے تھے، وہاں چھٹیاں بہت ملتی تھیں اور پڑھائی کے دوران ناغہ ہمیں شروع سے ہی ایک آنکھ نہیں بھاتا، خیر اس مدرسے کا ماحول مجھے بہت پسند آیا، ہماری باجی جان بہت اچھی تھیں، وہ سبق یاد نہ ہونے کے علاوہ اور کسی بھی بات پر سزا نہیں دیتی تھی، بس سمجھا دیا کرتیں، مجھے مدرسے میں داخل ہوئے بمشکل ایک ہفتہ گزرا ہوگا کہ میری ہم جماعت عروبہ اور وثقی کی لڑائی ہو گئی۔

ہوا یوں کہ عروبہ وثقی کی جگہ پر بیٹھ گئی، وثقی نے عروبہ کو اٹھنے کا کہا تو عروبہ نے اٹھنے کی بجائے وثقی کے دو تین تھپڑ جڑ دیئے، وثقی کو عروبہ کی یہ زیادتی بالکل پسند نہیں آئی اور وثقی نے بھی عروبہ کو دھکا دے دیا، پھر کیا تھا...... عروبہ نے وثقی کو بہت بری طرح مارا، اچانک عروبہ کا ہاتھ رکا کیونکہ باجی جان کلاس میں آ چکی تھیں، عروبہ کے رکتے ہی وثقی نے زوردار گھونسا عروبہ کے دے مارا، جسے باجی نے دیکھ لیا، وثقی کو باجی کی آمد کی خبر نہیں تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" باجی نے غصے سے پوچھا۔

"با...... باجی! عروبہ اور وثقی کی لڑائی ہو گئی......

عروبہ نے وثقی کو بہت مارا ہے...... قصور بھی عروبہ کا تھا......" باتونی لائبہ نے ایک ہی سانس میں باجی کو جھگڑے کی تفصیل بتائی۔

"لیکن میرے سامنے تو وثقی نے عروبہ کو مارا ہے۔" باجی نے سوالیہ نظروں سے وثقی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"باجی! میں نے تو اس کو ایک ہی مارا ہے اور اس نے......" وثقی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔

"اچھا اچھا......" باجی نے صورت حال سمجھتے ہوئے کہا۔ پھر نہایت نرمی سے دونوں کو مختصراً سمجھایا کہ "اللہ پاک درگزر کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔" اور صلح کروا کر دونوں کو ایک ساتھ ہی بٹھا دیا۔ اس وقت تک تمام طالبات اپنے پارے اور قرآن پاک بند کر کے خاموش بیٹھیں تھیں، تمام طالبات کو مخاطب کر کے باجی گویا ہوئیں۔

"آج جو سبق میں آپ کو دے رہی ہوں، وہ روزانہ کے سابق سے ذرا مختلف ہے اور یہ سبق آپ لوگوں نے مجھے سنانا نہیں بلکہ اس پر عمل کر کے دکھانا ہے۔" یہ کہہ کر باجی جان ایک لمحے کو رکیں اور سب کی توجہ اپنی طرف پا کر فرمانے لگیں:

"نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کس کس کو ہے؟" جواب میں سب طالبات نے جوش سے ہاتھ اونچے کر دیئے، وثقی اور عروبہ نے بھی کندھے سے ذرا اوپر ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔

"تو پھر جس سے انسان کو محبت ہوتی ہے، اس کے طور طریقے اور عادات کو وہ اپنانے کی کوشش کرتا ہے نا؟" سب کے سر اثبات میں ہل رہے تھے۔

"ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے کافر دشمنوں سے بھی بدلہ نہیں لیتے تھے، بلکہ معاف فرما دیتے تھے، آپ تو پھر ایک دوسرے کی مسلمان بہنیں ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کی طرف سے بھی اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ وہ بدلہ لیں چاہے وہ ایک لفظ ہی کیوں نہ ہو۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ساتھی حضرت ابوبکر صدیق کو ایک شخص برا بھلا کہہ رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں موجود تھے، حضرت ابوبکر صدیق جواب نہیں دے رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا جواب نہ دینا بہت پسند آ رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے، جب وہ شخص زیادہ برا بھلا کہنے لگا تو حضرت ابوبکر صدیق نے بھی اس کی کسی بات کا جواب دے دیا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چل دیئے، حضرت ابوبکر صدیق نے یہ دیکھا تو آپ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل دیئے، پھر جا کر آپ سے عرض کرنے لگے۔ "اے اللہ کے رسول! جب وہ مجھے برابر بھلا کہہ رہا تھا تو آپ بیٹھے رہے، لیکن جب میں نے اس کی کسی بات کا جواب دے دیا تو آپ کو غصہ آ گیا اور آپ وہاں سے چل پڑے۔" حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر فرمایا: "پہلے تمہارے ساتھ ایک فرشتہ تھا، جو تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا، جب تم نے اس کی بات کا جواب دیا تو شیطان درمیان میں آ گیا اور فرشتہ چلا گیا اور میں شیطان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا تھا۔"

اسی طرح باجی جان نے مزید دو تین مثالیں دیں، جن سے یہ واضح ہو رہا تھا کہ بدلہ لینے سے بہتر معاف کر دینا ہے۔

"رہی بات یہ کہ وثقی کی جگہ پر عروبہ بیٹھی تھی تو وثقی اسے ہٹانے کا حق رکھتی تھی، تو جو شخص جھگڑے کے ڈر سے اپنا حق چھوڑ دے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضمانت پر اسے جنت کے بیچ میں محل دلوائیں گے۔" کچھ دیر توقف کے بعد باجی نے کہا۔

سمجھاتے ہوئے گو کہ باجی کا اشارہ وثقی کی طرف تھا لیکن در حقیقت باجی عروبہ کو سمجھانا چاہ رہی تھیں، جو کلاس کی سب طالبات سے الجھتی رہتی تھی، تب ہی تو کسی نے لڑائی کے وقت وثقی کو بچانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ عروبہ ان کو بھی مار سکتی تھی، خیر اس وقت عروبہ کے

چہرے پر ندامت کے آثار واضح تھے جبکہ آنٹی رخسانہ والی بات سوچ کر میرے دماغ میں بھی ہلچل مچی ہوئی تھی، دو گھنٹے کس طرح گزرے؟ ہمیں پتہ ہی نہ چلا اور چھٹی کا وقت ہوگیا۔

"بس یہی آج آپ لوگوں کا سبق ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی وقتاً فوقتاً میں آپ لوگوں کو ایسا سبق دیتی رہوں گی، اب آپ چھٹی کریں۔" باجی نے اختتامی بات کی اور اس کے ساتھ ہی ہم باجی کو سلام کرتے ہوئے اپنے گھروں کی طرف ہولئے۔

گھر پہنچی تو حسب معمول میری سب سہیلیاں صحن میں موجود کھیلنے کے لئے میرا انتظار کررہی تھیں، خلاف توقع آج کئی دن بعد رابی بھی آئی ہوئی، رابی کو دیکھ کر ایک لمحے کو میں چونکی اور آج کا سارا سبق میرے دماغ میں گھوم گیا، میں دوڑتی ہوئی امی جان کے پاس گئی۔

"امی جان! آپ نے ابھی رابی کو تھپڑ کو نہیں مارا؟" میرے اس سوال پر امی جان بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"نہیں! ابھی مارنے کی تیاری کررہی ہوں۔" امی جان نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں...... نہیں امی جان! آپ نے رابی کو بالکل ہاتھ نہیں لگانا...... آپ نے اگر رابی کے ہاتھ لگایا تو میں آپ سے ناراض ہوجاؤں گی۔" میں نے اپنی مخصوص دھمکی دی۔ "لیکن کیوں! میری گل کی سوچ کیسے بدلی؟" امی جان نے میرے چہرے کو ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا۔

"ہماری باجی جان بتا رہی تھیں کہ اللہ پاک بھی معاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں اور ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی......" میں نے جلدی جلدی کہا۔ "اور کیا کہہ رہی تھیں تمہاری باجی؟" امی جان نے دلچسپی سے پوچھا۔ "بعد میں بتاؤں گی......" یہ کہتے ہوئے میں نے صحن کی طرف دوڑ لگادی، جہاں میری سہیلیاں میرا انتظار کررہی تھیں۔

☆......☆......☆

جواہرات سے قیمتی

☆......غریب شخص امیر کا اتنا محتاج نہیں ہوتا، جتنا کہ امیر شخص غریب کا، کیونکہ غریب کے بغیر امیر کا کوئی کام نہیں چل سکتا۔

☆......جو شخص حسد کو دوست رکھتا ہے، اس کا نفس دائم قائم نہیں رہتا اور اسے مرنے سے پہلے مار دیتا ہے۔

☆......جس عمل میں تجھے حلاوت نہ آئے، سمجھ کہ وہ عمل تو نے نہیں کیا۔

☆......عالم سے ایک گھنٹہ کی گفتگو دس برس کے مطالعے سے زیادہ مفید ہے۔

☆......استاد کی عزت کرو، یہ وہ ہستی ہے، جو تمہیں اندھیرے سے نکال کر روشنی کی راہ دکھاتی ہے۔

☆......ایک عورت صرف محض ایک راز رکھ سکتی ہے، وہ ہے، اس کی عمر کا راز۔

☆......ہر روز اپنا منہ آئینے میں دیکھا کرو، اگر بری صورت ہے تو برا کام نہ کرو، تاکہ دو برائیاں جمع نہ ہوں، اگر اچھی صورت ہے تو اس کو برا کام کرکے خراب نہ کرو۔

☆......جو سب سے زیادہ قوی اور بہادر بننا چاہتا ہے، اسے چاہئے کہ اللہ پر توکل کرے۔

☆......نہ کسی کے ساتھ محبت کرنے میں جلدی کرو، نہ کسی سے عداوت رکھنے میں عجلت سے کام لو۔

☆......جو چیز حق تعالیٰ شانہٗ سے غافل کرے، اس کا نام دنیا ہے۔

☆......نیکی کرنے کا موقع ایک بار اور برائی کرنے کا سو بار ملتا ہے۔

☆......اگر تو اونچی آواز سے اللہ بھی کہے تو حساب لیا جائے گا کہ تو نے یہ خلوص کے ساتھ کہا تھا یا محض لوگوں کو سنانے کے لئے۔

(بنت حافظ عبدالواجد، فیض القرآن للبنات)

ایک غلطی چھوٹی سی

ڈاکٹر سید فیاض بخاری

قائداعظم میڈیکل کالج بہاولپور کی جب کبھی بھی تاریخ لکھی جائے گی تو وہ اس خونچکاں اور روح فرسا انسان کے بغیر مکمل نہ ہوگی۔

سرکلر روڈ بہاولپور پر قائداعظم میڈیکل کالج کے مغربی دروازے کے ساتھ چھوٹی سی ایک خوبصورت مسجد نظر آتی ہے جو فن تعمیر کا ایک اعلیٰ مرقع ہے، اس کا نام "مسجد شہدائے پنجند" ہے، یہ مسجد ان غنچوں کے نام سے موسوم ہے جو بن کھلے مرجھا گئے تھے، شہدائے پنجند کی تعداد آٹھ تھی، یہ وہ خوبصورت اور ذہین نوجوان تھے جو مسیحا بننے کے لئے اس کالج میں صرف چھ ماہ قبل داخل ہوئے تھے، میڈیکل کی تعلیم کا سفر انہوں نے ابھی شروع ہی کیا تھا کہ ایک معمولی سی لغزش کی بھینٹ چڑھ گئے۔

یہ اکتوبر 1979ء تھا، میں سیکنڈ پروفیشنل کا امتحان دے چکا تھا، چھٹیوں کے چند دن لیہ گزار کر جب میں واپس اپنے کمرے میں پہنچا تو وہاں میرے روم میٹ طارق گیلانی کے علاوہ جاوید بھی موجود تھا، جاوید میرا گرائیں (گاؤں والا) تھا اور چند ماہ قبل اس کالج میں داخل ہوا تھا۔

"بھائی جان!"...... مجھے دیکھتے ہی جاوید کہنے لگے...... "آپ اچھے وقت آگئے، ہم لوگ کل پکنگ منانے پنجند ہیڈ ورکس پر جارہے ہیں، اگر آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں تو کیا ہی اچھا ہو۔"

"نہ بابا!"...... میرے کچھ کہنے سے پہلے طارق بیچ میں بول پڑا...... "تمہارے ساتھ کون جائے! تم تو ہو فرسٹ ایئر فول، نہ جانے کیا کیا حرکتیں کرتے پھرو اور جا بھی رہے ہیں بغیر ٹیچر کے۔"

ہم سب ہنس پڑے، اصل بات یہ تھی کہ فرسٹ ایئر کی کلاس جو اپریل 1979ء میں ہمارے کالج میں آئی تھی، پکنک منانے پنجند ہیڈ ورکس جانا چاہتی تھی، مگر اس وقت کے پرنسپل صاحب نے اجازت نہ دی تھی، اب اس کلاس کے کچھ طلبا و طالبات خود ہی چھٹی کے دن پکنک منانے پنجند جارہے تھے۔

اگلے دن 9 اکتوبر 1979ء کی صبح فرسٹ ایئر کے کچھ طلبا اور طالبات پکنک منانے پنجند روانہ ہوگئے۔

شام کو تقریباً ساڑھے چار بجے ہمارے ہوسٹل میں اطلاع آئی کہ ہیڈ پنجند پر ایک کشتی ڈوب گئی ہے جس میں فرسٹ ایئر کے طلباء سوار تھے، سن کر ہمارے دل

ڈوبنے لگے، یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح تمام ہوسٹلز میں پھیل گئی، تمام لڑکے کمروں سے نکل آئے، میں اور طارق فوراً پنجند روانہ ہوگئے، وہاں جاکر جو روح فرسا منظر دیکھا، وہ تمام زندگی نہ بھول سکوں گا، لڑکیاں چیخیں مار مار کر رو رہی تھیں، تمام لڑکے سراسیمہ تھے، ایک اضطراب تھا جو ان کے چہروں پر عیاں تھا، کچھ کی آنکھیں اشکبار تھیں، اس پکنک میں وہ بہت کچھ کھو چکے تھے، ان کے آٹھ ساتھی لاپتہ تھے، فوج اور سول انتظامیہ وہاں پہنچ چکی تھی، فوجی جوان لاشوں کی تلاش میں مصروف تھے، پانی معصومیت سے بہہ رہا تھا، ایسا لگتا تھا کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، اتنے سارے نوجوانوں کو نگل لینے کے بعد دریا کی شوریدہ سر لہروں کو قرار آگیا تھا۔

اصل قصہ یوں ہوا کہ جب یہ قافلہ پنجند پہنچا تو اس وقت دریا کے تیور کچھ ٹھیک نہ تھے، کچھ لڑکے بیٹ اور بال لے کر ایک طرف کھلی جگہ چلے گئے اور کرکٹ کھیلنے لگے، کچھ لڈو لے کر ایک طرف بیٹھ گئے، غرض ہر کوئی کسی نہ کسی شغل کے ذریعے ان خوبصورت لمحات سے اپنا حصہ وصول کرتا رہا، ہر چہرے سے مسرت وشادمانی عیاں تھی، سب بچے بن گئے تھے، کوئی بھاگ دوڑ رہا تھا اور کوئی پھسل پھسل کر گر رہا تھا، کوئی انہیں دور سے دیکھ کر ہنس رہا ہے، جاوید، غنیٰ فاروقی اور عمران پاشا ایک طرف علیحدہ بیٹھے ان محدود لمحات کو زیادہ سے زیادہ پرلطف و پرکیف بنانے کا پروگرام بنا رہے تھے، کشتی کی سیر کا پروگرام تو پکنک کا جزو لازم تھا، مگر دریا کی متلاطم موجیں راستے کی دیوار بنی ہوئی تھیں، ملاح بھی لڑکوں کو دریا کے عتاب سے ڈرا رہے تھے کہ آج کشتی رانی کے لئے موسم سازگار نہیں، مگر نوجوانوں کا گرم خون انہیں پسپائی سے روک رہا تھا۔

کشتی کی سیر کے معاملے میں دو آراء ہوگئیں، کچھ اس کے حق میں تھے کہ سیر ضرور ہونی چاہئے، اس آئٹم کے بغیر پکنک پھیکی رہے گی اور کچھ لڑکے اس کو خطرناک قرار دے رہے تھے، ان کے ساتھ کوئی ٹیچر بھی تو نہ تھا، جو ان کے منہ زور جذبات کو اپنی عقل اور تجربے سے قابو میں رکھتا، چند جیالوں نے کہا، چاہے کچھ بھی ہو، ہم نے کشتی کی سیر کرنی ہے، جہاں دیدہ ملاحوں کی بات مذاق میں اڑا دی گئی اور ایک لڑکا کود کر کشتی میں بیٹھ گیا، دیکھتے دیکھتے کشتی بھر گئی۔

”بچو!“...... ادھیڑ عمر ملاح ایک بار پھر چلایا...... ”نیچے اتر آؤ! کشتی اتنے لوگوں کا وزن برداشت نہ کرسکے گی۔“

کسی نے نہ سنی، گنجائش سے زیادہ لڑکے کشتی میں سوار ہوچکے تھے، یہ حقیقت جلد ان پر بھی آشکارا ہوگئی اور وہ اترنے لگے، عین اس وقت ایک لڑکے نے ایسی غلطی کی جس نے بہت سے خاندانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچادیا، اس نے اوورلوڈ کشتی کو چلادیا اور بولا، بزدل مت بنو! کچھ نہیں ہوتا، مگر اگلے ہی لمحے بہت کچھ ہوگیا، یہ لڑکا خود بھی اس حادثے کا شکار ہوگیا، ابھی کشتی کنارے سے تھوڑی دور ہی گئی تھی کہ ایک ظالم غصیلی لہر کشتی سے آٹکرائی، کشتی نے زوردار ہچکولا کھایا، لیکن سنبھل گئی، تھوڑا سا پانی کشتی میں داخل ہوگیا، ناواقف حال لڑکے اس تشویش ناک صورت حال سے حواس باختہ ہوگئے، ان کے چہروں پر پژمردگی چھاگئی اور سارے لڑکے کھڑے ہوگئے، ان حالات میں کشتی ڈولنے لگی، رہی سہی کسر ایک شوریدہ سر لہر نے پوری کردی، کشتی میں ایک طرف پانی آیا تو سارے لڑکے دوسری جانب ہونے لگے، کشتی توازن کھو بیٹھی، اس نے زوردار ہچکولا کھایا اور ایک دم الٹ گئی۔

کنارے پر کھڑے طلبا اور طالبات کی چیخیں نکل گئیں، جن کو تیرنا آتا تھا، انہوں نے فوراً دریا میں چھلانگ لگادیں، قیامت صغریٰ برپا ہوچکی تھی، بہت سارے گھرانے اجڑ رہے تھے، زندگی اور موت کے درمیان آنکھ مچولی شروع ہوچکی تھی، کشتی الٹی تیر رہی تھی، ملاح اور تیراک لڑکے اپنے ساتھیوں کو بچانے کی سرتوڑ

کوشش کررہے تھے، جو لڑکا بھی ابھر کر سطح آب پر آتا، اس کو کشتی کے ساتھ لگادیا جاتا، اس طرح کئی ایک لڑکوں کو بے رحم لہروں سے آزاد کرالیا گیا، موت وزیست کا یہ کھیل بہت تھوڑی دیر جاری رہا، اس مختصر سے خونی کھیل نے بہت ساری زندگیوں کو موت کی بے رحم آغوش میں ڈال دیا، یوں بہت ساری مائیں اور بہنیں پوری زندگی کے لئے غمزدہ ہوگئیں، ایسا دکھ جس کو وہ کبھی فراموش نہ کرسکیں گی۔

میڈیکل کالج میں داخلہ حاصل کرنے کے لئے بہت محنت کرنی پڑتی ہے، لائق اور حد درجہ ذہین طلباء ہی داخلہ لے پاتے ہیں، بہت سارے والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کا بیٹا ڈاکٹر بنے، آج یہ ناقابل تلافی نقصان صرف ان والدین کو ہی نہیں ہوا بلکہ یہ پوری قوم کا نقصان تھا جس کے اتنے اعلیٰ اذہان اکٹھے ہی ختم ہوگئے۔

جاوید بہت اچھا تیراک تھا، جب ہم وہاں پہنچے تو وہ حسرت ویاس کی تصویر بنا ایک طرف کھڑا تھا، مجھے دیکھتے ہی میرے ساتھ لپٹ گیا، روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔

”فیاض بھائی!“...... اس نے بڑی مشکل سے کہا...... ”دیکھیں، دریا نے میرے دوست عمران پاشا کو کھالیا ہے، میں نے بہت غوطے لگائے، مگر عمران مجھے کہیں نہیں مل سکا...... فیاض بھائی! سہیل کو جانتے ہیں نا! وہی سہیل جو ہمارے کالج کے سابق پرنسپل صاحب کا فرزند ہے، وہ اچھا خاصا تیراک تھا، اس کے بال میرے ہاتھ میں آگئے تھے، میں اسے سطح آب پر لے آیا، اس کا ہاتھ کشتی سے لگادیا اور زور زور سے کہا، سہیل! کشتی کو پکڑلو، اس نے کشتی کو پکڑ لیا، مگر اگلے ہی لمحے وہ میری نظروں سے اوجھل ہوگیا، میں نے اس کے لئے پھر غوطہ لگایا مگر وہ مچھلی کی طرح میرے ہاتھ سے نکل گیا، سفاک پانی نے اسے مجھ سے چھین لیا“...... وہ نڈھال سا ہوگیا، پھر اس پر بیہوشی طاری ہونے لگی، اس کی آواز مدھم ہوگئی وہ خود کلامی کے انداز میں آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا...... ”کہاں سے آئیں گے یہ لوگ جن کو پانی نے ہم سے چھین لیا ہے“...... جاوید کی حالت خاصی خراب تھی، اس صورتحال کے پیش نظر اسے گاڑی پر بہاولپور روانہ کردیا گیا۔

پاک فوج کے جیالے لاشوں کی بازیابی کے لئے مسلسل کوشش کررہے تھے مگر انہیں ابھی کامیابی نہ ہوئی تھی، جس انداز میں وہ کوشاں تھے، وہ قابل دید تھا، پاک فوج تو ویسے ہی عظیم ہے، آج تو مجھے ان پر بے حد پیار آرہا تھا، لاشوں کی تلاش میں وہ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کررہے تھے، کسی مرحلے پر بھی وہ ناامید نہ تھے، وہ پانی کا سینہ چیر کر غوطے پر غوطے لگا رہے تھے، تھکاوٹ اور اکتاہٹ سے انہیں کوئی واسطہ ہی نہ تھا، نہ کوئی لالچ، نہ صلے کی تمنا، ان کی عظمت ان کے کام کی لگن سے نظر آرہی تھی، ان کو خراج تحسین پیش نہ کرنا سراسر ناانصافی ہوگی۔

پھر پہلی لاش پانی سے نکالی گئی، سب دوڑ کر اس کے پاس گئے، ہائے یہ تو شجاع آباد کا غنیٰ فاروقی تھا، فوراً اسے مصنوعی طریقے سے سانس دیا گیا اور آکسیجن لگائی گئی مگر جب جسم اور روح کا رشتہ ٹوٹ جائے تو کبھی نہیں جڑتا، غنیٰ فاروقی تو ہمیں چھوڑ کر جاچکا تھا، اس کی لاش نہایت تزک واحترام سے ایک طرف رکھ دی گئی۔

چند ہی منٹ بعد فوجی جوان ایک اور لاش دریا سے نکال لائے، یہ ناظم آباد کراچی کا خوش گفتار اور ہنس مکھ راشد اشرف تھا جو دوسروں کی معمولی سی تکلیف پر تڑپ اٹھتا تھا، مگر آج ہم سب کو جدائی کے عذاب میں ڈال کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا تھا، اس کی لاش غنیٰ فاروقی کے پہلو میں رکھ دی گئی۔

تھوڑی دیر بعد جس لڑکے کی لاش آئی، اس کے متعلق اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ بلاشبہ وہ پانی کا حکمران تھا، بہترین تیراک تھا، اس نے بہت سارے ڈوبتوں کو کنارے لگانا تھا، مگر قسمت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ جب کشتی الٹی تو کشتی کا کوئی کونہ اس کے سر پر جالگا جس کے بعد شاید وہ بیہوش ہوگیا اور یوں بپھری ہوئی لہروں

نے ایک بے بس انسان کو اپنے خونخوار جبڑوں میں دبوچ لیا اور جب فوجی جوان اسے لہروں کے خونخوار پنجے سے چھڑ کر لائے تو روح کا پنچھی اس کے جسم کو چھوڑ کر کب کا جاچکا تھا، یہ بہاولپور کا سہیل محمود تھا جس کے والد محترم ڈاکٹر رحمت اللہ چوہدری ہمارے کالج کے سابق پرنسپل تھے، یہ تو ان کے گھر کا جگمگاتا ہوا چراغ تھا جو آج اس طوفان میں بجھ گیا۔

پھر دو لاشیں ایک ساتھ آئیں، ایک تو شوخ چنچل، محفلوں کی جان، غیروں کو اپنا بنانے والا عمران پاشا تھا، جس کا تعلق ملتان سے تھا، وہ 19 اکتوبر کی صبح کو صرف پکنک پارٹی میں شامل ہونے کو پہنچا تھا، کتنا شوق تھا اسے اپنے دوستوں کے ساتھ پکنک منانے کا، آج وہ بہت خوش تھا مگر اس کی خوشیوں کو کسی کی نظر لگ گئی اور دنیا کے اس میلے سے لطف اندوز ہوئے بغیر ہی رخصت ہو گیا۔

دوسری لاش شمس الہدیٰ کی تھی، یہ رحیم یار خان کا رہنے والا تھا، اگرچہ اس کی لاش پانی میں زیادہ دیر ڈوبی رہی تھی مگر ایسے لگتا تھا کہ وہ گہری اور پرسکون نیند سویا ہوا ہو، اس کی لاش بھی نہایت احترام سے اس کے باقی ساتھیوں کے ساتھ رکھ دی گئی، گمان یہی ہوتا تھا کہ اگر زیادہ شور و غوغا ہوا تو شمس جاگ اٹھے گا۔

کچھ ہی دیر میں دو اور لاشیں ایک ساتھ آئیں، ایک محمد وزیر تھا جس کا تعلق ملتان سے تھا، اس کا دوسرا ساتھی عاصم جاوید تھا، جو لاہور کا رہنے والا تھا، یہ دونوں آپس میں گہرے دوست تھے، دونوں کشتی چلنے سے قبل اترنا چاہتے تھے، مگر ان کے اترنے سے قبل ہی کشتی چل پڑی، یوں وہ کشتی میں ہی رہ گئے اور پھر کشتی کیا الٹی، ان کی زندگی کی بساط ہی الٹ گئی، یہ دونوں خوبصورت ساتھی ڈوبے بھی اکٹھے اور نکلے بھی اکٹھے۔

آٹھویں اور آخری لاش اخلاق احمد کی تھی، کشتی الٹنے کے بعد سب سے پہلے ہی سطح آب پر آیا، مگر بے بسی کے عالم میں ہاتھ پاؤں مارتا ہوا پھر پانی کی آغوش میں چلا گیا، اس کا چہرہ دیکھنے سے لگتا تھا کہ یہ نوجوان آخر دم تک خونخوار لہروں سے لڑتا رہا، اگرچہ انہیں شکست تو نہ دے سکا، مگر ہار اس وقت مانی جب جسم میں دم نہ رہا، اخلاق احمد راولپنڈی کا رہنے والا تھا، نہایت قابل اور شریف طلبا میں اس کا شمار کیا جاتا تھا، یہ مرنجان مرنج قسم کا لڑکا تھا، سارے ساتھی اس کی بہت عزت کرتے تھے۔

آخری لاش کے ملنے کے ساتھ ہی یہ لٹا پٹا قافلہ سوئے بہاولپور روانہ ہوا، جب یہ قافلہ بہاولپور سے پنجند کے لئے چلا تھا تو ہر طرف خوشی اور شادمانی کا سماں تھا، ہر چہرے پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی، خوشیوں اور مسرتوں کا سیلاب تھا، جس میں سب غوطہ زن تھے، مگر واپسی کتنی اذیت ناک اور دردناک ہوگی، کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا، خوشیوں کے نقارے آہ و نالہ میں بدل چکے تھے، فضا میں ماتمی دھن بج رہی تھی۔

آٹھ شہیدوں کے ہمراہ ہم رات کو تقریباً نو بجے کالج پہنچے، وہاں لوگوں کا جم غفیر موجود تھا، ایسے لگتا تھا جیسے پورا بہاولپور ہی امڈ آیا ہو، اتنے بڑے گراؤنڈ میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی، کون سی آنکھ تھی جو پرنم نہ تھی، کون سا چہرہ تھا جو افسردہ نہ تھا، آہوں اور سسکیوں سے فضا غمگین تھی۔

ان آٹھ شہیدوں کو کالج کے ڈائی سیکشن ہال میں رکھ دیا گیا، وہیں ہم نے انہیں غسل دیا، کلیجہ منہ کو آتا تھا، انہوں نے صرف چھ ماہ قبل ہی تو اس کالج میں داخلہ لیا تھا، ابھی انہوں نے دیکھا ہی کیا تھا، آخر میں ان سب کو سفید لباس پہنا دیا گیا، ہر لڑکا مجسم فرشتہ لگ رہا تھا، سفید لباس نے ان کے چہروں کے تقدس کو مزید اجاگر کر دیا، جب ان ڈاکٹروں کی لاشوں کو جنازے کے لئے میدان میں لایا گیا تو صبر کے سارے بند یکبارگی ٹوٹ گئے، لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، عورتوں کی آہ و فغاں سے آسماں شق ہوا جاتا تھا، آنکھوں نے اتنے آنسو برسائے جو کبھی دیکھے نہ سنے، وہ اندوہناک مناظر دیکھنے میں آئے جن کو قلمبند کرنا شاید ممکن نہیں، ابھی وہ لفظ ایجاد نہیں ہوئے جو ان کا احاطہ کر سکیں۔

نماز جنازہ کے لئے صفیں بننی شروع ہوئیں تو وسیع و عریض میدان بہت چھوٹا لگا، لوگوں نے سڑکوں پر بھی صفیں بنالیں، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کتنے لوگ ان شہیدوں کے آخری دیدار کو آئے تھے، جنازے کے بعد ان میتوں کو کالج کے بڑے برآمدے میں لایا گیا، وہاں شہیدوں پر گل پاشی کی گئی، وہاں ہم سب نے اور ان کی کلاس کے لڑکوں نے ایک بار پھر اپنے دوستوں کا دیدار کیا، اب ان آٹھ دولہوں کے رخصت کا وقت آپہنچا تھا، پھر ان کے لئے گاڑیاں آگئیں جن میں ان کو ان کے گھروں تک پہنچانا تھا، پھر ان شہیدوں کو ایک ایک کر کے ہم نے الوداع کیا، آج وہ کالج کی چار دیواری سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے، صرف راشد اشرف کی میت رکھ لی گئی، کیونکہ اسے بذریعہ ہوائی جہاز کراچی روانہ کرنا تھا۔

یہ تو اجتماعی منظر تھا جو ہماری آنکھوں نے دیکھا اور جب ان کی لاشیں غیر متوقع انداز میں ان کے گھر پہنچی ہوں گی تو ان کے عزیزوں کے لئے تو یہ وقت کسی طور بھی یوم قیامت سے کم نہ ہوگا، والدین نے انہیں ڈاکٹر بننے کے لئے کالج بھیجا تھا، جہاں انہیں پانچ سال پڑھائی کرنی تھی مگر یہ بیچارے تو چھ ماہ گزار کر ہی واپس آگئے اور آئے بھی کس انداز سے!!!

اس واقعۂ خونچکاں کے کچھ دنوں بعد ہمارے کالج کے طلبا و طالبات نے فیصلہ کیا کہ ان شہدا کے لئے کوئی ایسی یادگار بنانی چاہئے جو تا ابد قائم رہے اور کالج میں آنے والے طلبا کو اس واقعہ کی یاد دلاتی رہے، بہت ساری تجاویز سامنے آئیں جن پر کافی بحث ہوئی، ایک تجویز ایسی تھی جس پر تقریباً سارے لوگ متفق ہو گئے، پھر تھوڑے ہی عرصے بعد اس تجویز پر عمل شروع ہو گیا، کالج کے مغربی دروازے کے ساتھ ان شہیدوں کی یاد میں ایک خوبصورت مسجد بنا دی گئی جو قائم ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ قائم رہے گی۔

کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ یہ طلبا ضد نہ کرتے اور پرنسپل صاحب کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے اپنا پروگرام موقوف کر دیتے یا ملتوی کر دیتے اور مناسب وقت پر اپنے کسی استاد کی نگرانی میں پکنک منانے جاتے تو شاید یہ حادثہ نہ ہوتا، اگر انہوں نے ایک غلطی کر ہی لی تھی تو پھر پنجند پر پہنچ کر جہاں دیدہ ملاحوں کی بات ہی مان لیتے جو دریا کے مزاج کو ان سے بہت زیادہ سمجھتے تھے تو شاید اس ناقابل تلافی نقصان سے بچ جاتے۔

نوجوان طلبا و طالبات کے لئے یہ ٹریجیڈی عبرتناک اور سبق آموز ہے، چھوٹی چھوٹی غلطیاں جو خطرناک نہیں لگتیں، بسا اوقات بھیانک نتائج کا پیش خیمہ بن جایا کرتی ہیں۔

☆......☆......☆

حمد باری تعالیٰ

کونین کی ہر شے میں وہی جلوہ نما ہے
جتنی بھی ہو توصیف خدا، حق ہے، بجا ہے
یہ ابر، یہ کہسار، یہ صحرا، یہ گلستاں
جو کچھ بھی ہے سب اس کا کرم اس کی عطا ہے
ہر گل کے تبسم میں عیاں حسن ہے اس کا
بلبل کے ترنم میں نہاں اس کی صدا ہے
ہر منزل دشوار کو کرتا ہے وہ آساں
وہ قادر مطلق ہے وہی عقدہ کشا ہے
وہ حسب طلب سب کو عطا کرتا ہے روزی
مومن ہے کہ کافر ہے، برا ہے کہ بھلا ہے
تحصیل زر و مال نہ شہرت نہ مراتب
اقبال کا مقصود فقط اس کی رضا ہے

(شاعر:......اقبال منور)

ذرا سوچیے!!!

مدثر بلال

جس طرح نماز پڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ جسم پاک ہو، جگہ پاک ہو، کپڑے پاک ہوں، اسی طرح یہ بھی تو ضروری ہے کہ رگوں میں دوڑنے والا خون مکمل پاک ہو اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک ہماری آمدنی سو فیصد حلال نہ ہو، آج کل ایک سنگین مرض معاشرے میں سرائیت کئے ہوئے ہے کہ مرد و خواتین اپنی ملازمت کا وقت پورا نہیں کرتے، جو دین کی سمجھ رکھتے ہیں، وہ یہ تو سمجھتے ہیں کہ بینک انشورنس، سود، ٹی وی، سی ڈی، گانے بجانے کی کمائی حرام ہے، مگر کبھی یہ بھی سوچا کہ میں جو حلال نوکری کر رہا ہوں یا کر رہی ہوں اور اپنی آمدنی کو حلال سمجھ رہا ہوں، مگر ملازمت کا وقت پورا نہ کر کے ہم آمدنی میں حرام شامل کر رہے ہیں۔

مثلاً دفتر کا وقت 8 تا 2 بجے ہے، مگر ہم ایک آدھ گھنٹہ دیر سے جانے کے اور ایک آدھ گھنٹہ جلدی چھٹی کرنے کے عادی ہیں، جس کی وجہ سے تنخواہ کا کچھ حصہ حرام ہو گیا اور یہ زندگی بھر کے لئے ہمارا معمول بنا ہوا ہے اور ہم اپنی جان بچانے کے لئے عجیب عذر تراشتے ہیں کہ مثلاً میں اپنا کام پورا کرتا ہوں، اس لئے جلدی چھٹی میں دفتر کا نقصان نہیں، مگر حکومت و شرعی قانون کی رو سے ملازمت کا وقت پورا کرنا ضروری ہے، کام ہو یا نہ ہو، وقت سے پہلے چھٹی کرنا حرام ہے، اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں نے افسر سے پوچھ کر چھٹی کر لی ہے، مگر غور طلب بات یہ ہے کہ افسر کو چھٹی دینے کا اختیار ہی کب ہے؟ نیز افسر صرف ان لوگوں کو چھٹی دیتا ہے جن کے ساتھ دوستی اور اچھے تعلقات ہو، دیگر لوگوں کو چھٹی نہیں دیتا۔

اسی طرح وہ خواتین ٹیچر، جن کی ڈیوٹی دور دراز اسکولوں میں لگتی ہے، وہ مہینوں گھر بیٹھ کر تنخواہ لیتی ہیں اور سیاسی سفارشوں سے اپنی جان بچا لیتی ہیں، ایسی تنخواہ کے حرام ہونے میں کیا شک ہے، اسی طرح وہ چوکیدار، جن کا کام ہی رات کو جاگ کر نگرانی کرنا ہے، وہ 8 گھنٹے کی ڈیوٹی میں 4 یا 5 گھنٹے سوئے ہیں اور یہ زندگی بھر کا معمول ہے، اب ایسے چوکیداروں کی آمدنی میں حلال زیادہ ہے یا حرام زیادہ ہے، یہ سمجھنا مشکل نہیں، کیونکہ چوکیداروں کو سونے کی اجازت عام طور پر نہیں ہوتی۔

اسی طرح مساجد کے امام حضرات اگر پوری نمازیں نہیں پڑھاتے یا مدرسے کے مدرسین حضرات پورا وقت جو طے شدہ ہے، مدرسے کو نہیں دیتے تو یہ حضرات بھی خطرہ سے نہیں بچ سکتے، ایک میرے جاننے والے صاحب نے مجھے کہا، مجھے حکومت کی طرف سے جو ملازمت کا خط ملا ہے، اس میں لکھا ہے کہ مجھے مہینہ میں 3 چھٹیاں کرنے کی اجازت ہے، مگر میں 8-8 دن چھٹیاں کرتا ہوں، یہ صاحب ایک جگہ سرکاری ملازم ہیں، اب ان کو کوئی افسر پوچھے یا نہ پوچھے، آخرت کی پوچھ تو ہے ہی۔

ہمارے اکابرین نے تو اتنی احتیاط کی ہے کہ مدرسے کے وقت میں کوئی مہمان آجاتا تو مہمان کے لئے استعمال ہونے کا وقت لکھ لیتے اور تنخواہ ملنے پر اتنے وقت کی تنخواہ کٹوا دیتے اور مدرسے میں چندہ اس نیت سے دیتے کہ نامعلوم کتنے مالی حقوق مدرسے کے میرے ذمہ رہ گئے ہوں گے، کیا ایسی کوئی مثال آج بھی ہے؟ اسی کا نتیجہ تھا کہ سخت بد دین، فاسقوں، فاجروں اور ڈاکوؤں کو اگر یہ حضرات نصیحت کرتے یا ان کے لئے دعا کرتے تو اللہ پاک ان کو ہدایت دے دیتا تھا، یہ ان ہی احتیاطوں کا ثمرہ تھا۔

میرا یہ سطور لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ میں ابھی اپنا جائزہ لوں کہ کیا میں ملازمت کا وقت پورا کرتا ہوں، چاہے سرکاری دفتر کی نوکری ہے یا مسجد مدرسہ کی، اسی طرح اپنی بہنوں، بھائیوں، والدین، رشتہ داروں، محلہ داروں میں جو لوگ ملازمت کر رہے ہیں، ان کو نرمی سے اس طرف توجہ دلائیں، ہم تہجد پڑھ کر شب قدر میں دعائیں مانگ کر پوری امت کے لئے روتے ہیں، مگر ہو سکتا ہے کہ ہم نے جو کھانا کھایا ہو یا جو لباس پہنا ہو، وہ حرام آمدنی سے ہو تو ایسی حالت میں دعا کہاں قبول ہوگی؟ اس لئے کہ گزشتہ کی تلافی اور آئندہ کے تدارک کے لئے ہم مستند علماء و مفتی حضرات سے پوچھ کر عمل کریں، اپنے والدین اور بیوی بچوں میں سے جو ملازم پیشہ ہوں، ان سے بھی پوچھیں کہ کہیں وہ تو ایسا عمل نہیں کر رہے، کیونکہ یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے اور زندگی بھر اگر آمدنی کا ایک حصہ حرام ہوتا رہا اور اسی کو ہم کھاتے رہے، صدقہ خیرات کرتے رہے تو کتنی نحوست و بے برکتی ہوگی اور آخرت میں اس کے بدلے نیکیاں دینی پڑیں گی، اس لئے مضمون ختم کرتے ہی سب سے پہلے اپنا جائزہ لیں، پھر نرمی سے گھر اور محلے میں جو ملازم پیشہ ہیں، ان تک یہ بات پہنچائیں اور مشکل مسائل میں مفتی حضرات سے رابطہ کریں۔

☆......☆......☆

آپ کے خوبصورت اشعار

زیبا نہیں ہر ایک کو تنقیص ارض پاک
ہے شکر کا مقام یہ دارالاماں تو ہے
(شاعر: اقبال حیدر)

☆......☆......☆

پیری سے خم نہیں ہے ہماری کمر غفور
میں جھک کے ڈھونڈتا ہوں جوانی کدھر گئی
(شاعرہ: حنا صغیر)

☆......☆......☆

یہ دورِ ابتلاء استغفر اللہ
بہت سے دوست پہچانے گئے
(شاعرہ: امبرین یوسف)

☆......☆......☆

کہاں ہے خوف انہیں گردش زمانہ سے
وہ جن کے واسطے ماں کی دعا کا پہرہ ہے
(شاعرہ: ہما شجاعت)

☆......☆......☆

مجھے یقین ہے روشن جہان کر دیں گی
ہوا کی زد میں جو نکلا ہوں مشعلیں لے کر
(شاعرہ: کنول ناز)

☆......☆......☆

اڑتا ہوا غبار سر راہ دیکھ کر
انجام ہم نے عشق کا سوچا تو رو دیئے

احساس ذمہ داری

ہادیہ حبیب الرحمٰن

''السلام علیکم ابو!'' مومنہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! آؤ بیٹا۔'' یوسفی صاحب نے نگاہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ابو میں شرعی پردہ کرنا چاہتی ہوں۔'' مومنہ نے بیٹھتے ہی کہا؟ یوسفی صاحب نے آنکھیں سکیڑ لیں۔

مومنہ، یوسفی صاحب کی اکلوتی بیٹی تھی، وہ دینی ذہن کی مالک تھی اور اکثر اسلام کے حوالے سے ہی باتیں کرتی تھی، مگر آج وہ کیا کہہ رہی ہے، یوسفی صاحب حیران ہوئے جا رہے تھے۔

''بیٹی کیا ضرورت ہے خود کو مشکل میں ڈالنے کی؟ تمہیں پتہ ہے پھر ساری عمر پردہ نبھانا پڑے گا، بہت مشکلات پیدا ہو جائیں گی تیرے لئے اور پھر بیٹی......'' یوسفی صاحب کچھ کہتے کہتے رک کر سوچنے لگے کہ مومنہ کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

''جب ہمیں کوئی مجبوری ہی نہیں بلکہ اللہ نے آزادی عطا فرمائی ہے تو پھر بھلا اس کی نعمتوں سے فائدہ کیوں نہ حاصل کریں کہ دنیا بھی کامیاب ہوگی اور آخرت بھی سنورتی جائے گی، اسلام سراسر خیر خواہی اور بھلائی کا دین ہے، اسی میں ہماری کامیابی ہے، رب کی بارگاہ میں وہی لوگ کامیاب ہیں، جو اپنی زندگی اسلام، قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے مطابق بسر کریں۔'' مومنہ بولتی چلی جا رہی تھی۔

''دیکھو بیٹی! بہت سے لوگ قرآن وحدیث سے واقفیت رکھتے ہوئے بھی شرعی پردہ نہیں کرتے، آخر وہ بھی تو مسلمان ہی ہیں۔'' یوسفی صاحب نے عجیب سا جواز پیش کیا۔

''لیکن ابو! میں چاہتی ہوں کہ میں اپنی زندگی اس طرح گزاروں کہ مجھے لگے، واقعی یہ میری زندگی تھی، جو میں نے خواہشات کا غلام بن کر بسر نہیں کی، بلکہ اللہ کے حکموں کو پورا کرتے ہوئے گزاری ہے، ابو میں اللہ کی نعمتوں کی قدر کرتے ہوئے رہنا چاہتی ہوں، آپ میرے لئے دعا کریں گے نا!'' مومنہ نے حسرت بھری نظریں اٹھائیں۔

''یہ تم کیا بولے جا رہی ہو؟ بیٹی مشکل ہے، بہت مشکل ہے اس دور میں تیرے لئے، رہنے دو، کیا ضرورت ہے خود کو مشکل میں ڈالنے کی۔'' یوسفی صاحب نے بیٹی کو سمجھانا چاہا۔

''ابو جب اللہ کا حکم ہے تو پھر مشکل کا کیا جواز؟ پردہ نہ کرتے ہوئے بھی تو مشکلات کا سامنا رہتا ہے اور پھر آخرت کی بربادی سب سے بڑھ کر، دنیا میں بھی خسارہ اور آخرت میں بھی۔'' گھنٹہ بھر بحث کے دوران یوسفی صاحب کا پارہ ہائی ہوگیا، وہ غصے میں کھڑے ہوئے ہوئے بولے:

''لیکن مومنہ تم یہ کیوں نہیں سوچ رہی کہ کل تمہیں کسی دوسرے گھر کی ذمہ داریاں اٹھانا ہیں، کیسے کرسکو گی سب......سب سے بڑا مسئلہ یہیں کھڑا ہو جائے گا کہ شرعی پردہ کرتے ہوئے میں تمہیں کس کے نام کرسکوں گا۔'' یہ کہتے ہی وہ کمرے سے نکل گئے۔

یہ الفاظ سن کر مومنہ کے سینے پر ایک چوٹ پڑی، اس کا دل بھر آیا، اتنا پیار، اتنی محبت دینے والا باپ، ہر بات میں اصلاح کرنے والے باپ نے آج اسے کس موڑ پر کھڑا کر دیا تھا۔

وہ سسکنے لگی۔ ''آج امی زندہ ہوتیں تو یقیناً ابو کو سمجھاتیں کہ اللہ پر ایمان کا تقاضا کیا ہے، میں ابو سے کیسے کہوں کہ میں چند روزہ زندگی کی خاطر اپنی حقیقی زندگی کو برباد نہیں کرسکتی، وہ کیوں نہیں سمجھ رہے کہ بیٹی کی عاقبت برباد ہو رہی ہے، احکام ربانی سے انکار کفر ہے، یا اللہ میں کس سے کہوں؟'' مومنہ بلک بلک کر رونے لگی، وہ تو سوچ رہی تھی کہ ابو یہ سن کر خوش ہوں گے، اسے توقع بھی نہ تھی کہ ابو اسے ایسے الفاظ سے ڈانٹیں گے، وہ کچھ کہہ نہ بھی سکے گی، ''شرعی پردہ کرتے ہوئے میں تمہیں کس کے نام کرسکوں گا'' یہ الفاظ مسلسل اس کے کانوں میں گونج رہے تھے، اسے ابو کی عمر کا بھی پاس تھا اور عزت کا خیال بھی اور اللہ کے حکموں کو چھوڑ کر اپنی آخرت یاد کر لینا بھی گوارا نہ تھا، وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ ''یا اللہ میری اعانت فرما، مجھے بھٹکنے سے بچالے، ابو کی اصلاح فرما دے۔'' وہ مسلسل اپنے رب سے دعاؤں اور مناجات میں مشغول تھی۔

اللہ تعالٰی نے مومنہ کی پکار سن لی تھی اور یوسفی صاحب کی ہدایت کا سامان پیدا کر دیا تھا۔

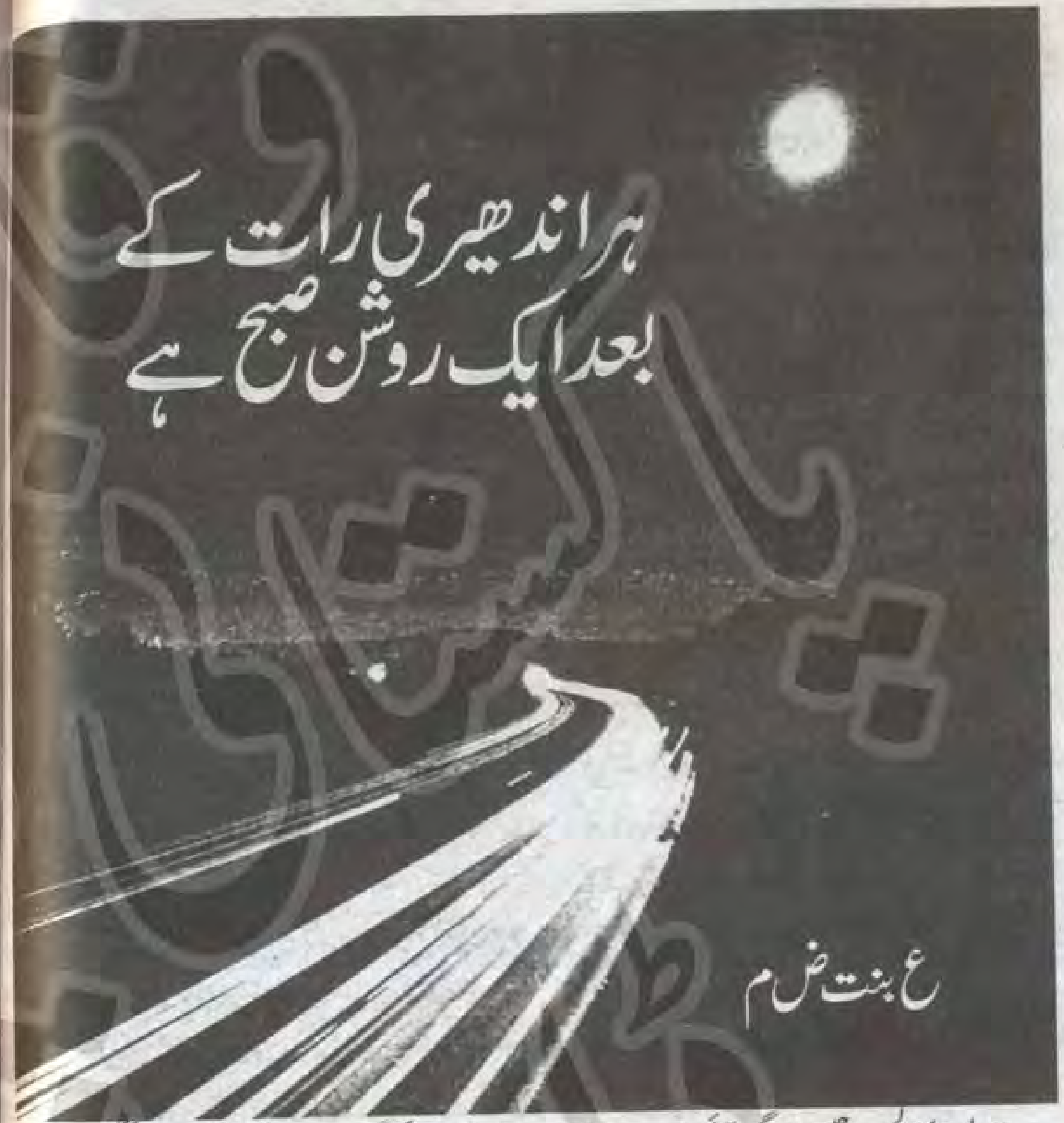
اگلی صبح یوسفی صاحب جمعہ کی نماز کے لئے مسجد گئے تو مسجد کے خطیب صاحب بیان کر رہے تھے، ان کی تقریر کا موضوع ''پردہ'' تھا۔ خطیب صاحب کے ان الفاظ نے یوسفی صاحب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا:

''لوگ آخر کیوں نہیں سمجھتے کہ عورت کے لیے پردہ واجب ہے، مردوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنی عورتوں کو بے پردگی سے روکیں، ان کو پردہ کی تاکید کریں۔ اللہ کا ارشاد ہے: ''**الرجال قوامون علی النساء** '' مرد عورتوں پر حاکم ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر حاکم سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا، بیویوں، بیٹیوں، بہنوں کے اسلام سے بیگانہ ہونے کا حساب آپ کو دینا پڑے گا، ان کے بے پردہ ہونے کا گناہ بھی آپ مردوں کے سر ہوگا، آخرت میں آپ کی پکڑ ہوگی، آپ سے پوچھ ہوگی، خدارا اپنی ذمہ داری کا احساس کریں۔''

یوسفی صاحب لرز گئے، انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا، رب سے معافی اور بیٹی کی استقامت کے لئے دعا کی، نماز سے فارغ ہو کر گھر پہنچے تو جائے نماز پر بیٹھی مومنہ جلدی سے کھڑی ہوگئی۔ انہوں نے آنکھوں میں نمی لئے ہوئے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھا، بیٹی تم شرعی پردہ کرو، یہ اللہ کا حکم ہے، اللہ ہم پر رحم فرمائے۔ آمین

مومنہ کو لگا کہ جیسے آج یوسفی صاحب نے ابو ہونے کا حق ادا کر دیا ہو، وہ بارگاہ الٰہی میں سر رکھ کر اللہ کا شکر ادا کرنے لگی۔

☆......☆......☆



ہر اندھیری رات کے بعد ایک روشن صبح ہے

ع بنت ض م

اندلیب کالج سے جیسی ہی گھر آئی، اپنا بستہ پھینکا، جوتے ایک طرف، ڈوپٹہ ایک طرف، خود اوندھی منہ گرنے کے سے انداز سے بستر پر لیٹ گئی۔

زبیدہ خاتون (اندلیب کی والدہ) اندلیب کو کھانے پر بلانے اس کے کمرے میں آئیں تو کمرے کا یہ حال دیکھ کر حیران رہ گئیں، کیونکہ اندلیب ایک بہت نفاست پسند لڑکی تھی، آج تک اس کے کمرے میں کسی کو ایسی بات نظر نہیں آئی تھی، جس سے کمرہ گندہ ظاہر ہو، اسی لئے زبیدہ خاتون حیران رہ گئی تھیں، انہوں نے اندلیب کو پکارا تو اس نے جواب نہیں دیا۔ ماں کے بہت پکارنے پر جب اندلیب نے سر اٹھایا تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا، یہ دیکھ کر زبیدہ خاتون پریشان ہو گئیں، انہوں نے اندلیب کو اپنے سے قریب کیا تو انہوں نے محسوس کیا اندلیب کا پورا جسم بخار میں پھنک رہا ہے، اندلیب ان کی گود میں سر رکھ کر مسلسل رو رہی تھی اور ان کے بار ہا پوچھنے پر بھی اندلیب رونے کی وجہ نہیں بتا رہی تھی۔

☆......☆......☆

اندلیب ایک بہت ہی امیر گھرانے کی لڑکی تھی، وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے بہت لاڈلی تھی، اسی وجہ سے شہریار صاحب کے بے جا لاڈ پیار اور ہر جائز و ناجائز خواہش پوری کرنے پر وہ ضدی ہو گئی تھی، زبیدہ خاتون ہر وقت شہریار صاحب کو سمجھاتی تھیں

کہ اکلوتی سہی، لیکن اس کی ناجائز خواہش پوری نہ کیا کریں، لیکن ہر بار کہنے پر اب شہریار صاحب زبیدہ خاتون کو ڈانٹ کر خاموش کر دیتے تھے کہ "میری مرضی جو چاہوں کروں، میرا اندلیب کے سوا ہے ہی کون"......

زبیدہ خاتون اب اپنے شوہر سے تو کچھ نہ کہتی تھیں، لیکن اندلیب کو بہت سمجھاتی تھیں، اندلیب اپنے باپ کے نقش قدم پر پوری کی پوری اتر رہی تھی، ایک دن زبیدہ خاتون کے سمجھانے پر اندلیب نے اپنے والد شہریار صاحب کو شکایت کر لی، کیونکہ وہ بچپن سے دیکھ رہی تھی کہ "میرے والد میرے حق میں ہی فیصلہ کرتے ہیں، جو میں چاہتی ہوں، وہی کرتے ہیں"...... اندلیب کے شکایت کرنے پر شہریار صاحب نے پورا گھر سر پر لے لیا، انہوں نے زبیدہ خاتون کو بہت ڈانٹا، ان کا چہرہ غصے سے بہت لال ہو گیا تھا کہ کسی نے ان کے چہرے پر ٹماٹر نچوڑ لیا ہو......

زبیدہ خاتون اور اندلیب نے آج تک ان کا یہ روپ نہیں دیکھا تھا...... دراصل شہریار صاحب کا کہنا تھا: "انسان نماز، روزہ جیسے اعمال کر لے، اس کا فرض ادا ہوتا ہے" جبکہ زبیدہ خاتون ایک پکی اور سچی مسلمان تھیں، ان کو دین کے بارے میں معلومات بہت تھیں، اسی لئے وہ چاہتی تھیں، اندلیب بھی سب کچھ اپنے دین کے بارے میں جانے، لیکن اندلیب کی سوچیں ساری کی ساری اپنے والد کے جیسی تھیں، اسی لئے زبیدہ خاتون بہت پریشان رہتی تھیں، وہ اپنے رب سے بہت دعائیں کرتی تھیں کہ کسی طرح اندلیب راہِ ہدایت پر آ جائے، آج بھی وہ نماز پڑھنے کے بعد اپنے رب سے اپنے شوہر اور اندلیب کے لئے التجاء کر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

اندلیب نے میٹرک تک تعلیم مکمل کر لی تھی، کالج میں داخلے کا مسئلہ تھا، شہریار صاحب کا کہنا تھا۔ "لڑکیوں کا کالج" Girls College میں پڑھائی اتنی اچھی نہیں ہوتی ہے جبکہ اس کے برعکس لڑکے اور لڑکی کے ساتھ پڑھنے میں پڑھائی اچھی ہوتی ہے، اسی لئے وہ چاہتے تھے کہ مخلوط تعلیم میں اندلیب کا داخلہ ہو جبکہ زبیدہ خاتون بہت منا رہی تھیں کہ "ہمارے دینِ اسلام میں مرد و عورت کا بغیر پردے کے بغیر کسی شرعی عذر کے ساتھ رہنا منع ہے، جائز نہیں ہے جبکہ آپ اسے بغیر پردے کے پڑھائی کے لئے مردوں کے ساتھ کر رہے ہیں Girls College، اتنے اچھے اچھے تو ہے یا پھر اگر آپ چاہتے ہیں کہ اندلیب Girls College میں نہ جائے تو کم از کم College میں پردہ ہی کر لے"...... میری بیٹی کوئی پاگل ہے جو پورا دن ہر کسی سے اپنا چہرہ چھپاتی پھرے یا پھر وہ کوئی بدصورت ہے؟؟...... میرا مطلب یہ نہیں تھا شہریار صاحب...... میرا مطلب تو یہ تھا کہ...... تم اپنے مطلب اپنے پاس ہی رکھو، یہ کہہ کر شہریار صاحب نے زبیدہ خاتون کی ایک نہ سنی اور وہاں سے چلے گئے، زبیدہ خاتون کے بہت منانے پر بھی شہریار صاحب کے رضا مندی کے ساتھ اندلیب کا داخلہ مخلوط تعلیم میں ہو گیا۔

پیر کی صبح اندلیب کو کالج جانا تھا، اندلیب نے شہریار صاحب کے ساتھ مارکیٹ جا کر اپنے لئے اپنی پسند سے بہت کچھ لیا تھا، اتوار کی رات کو زبیدہ خاتون نے اندلیب کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ "میری پیاری بیٹی، میری جان! تم یہ سمجھتی ہو گی کہ تمہاری ماں کو تمہارے پڑھنے کی خوشی نہیں ہے؟ نہیں، میری جان، مجھے بہت خوشی ہے بلکہ میری تو خواہش ہے کہ تم بہت پڑھو، لیکن میری پیاری بیٹی یہ دنیا بھیڑیوں سے یعنی مکار مردوں سے بھری پڑی ہے، لڑکے اپنی باتوں میں لگا کر لڑکی کو اپنی جھوٹی محبت کا یقین دلاتے ہیں، پیار و محبت کے قصے سنا کر اپنی محبت میں گرفتار کرتے ہیں، جب لڑکی اس کی باتوں پر یقین کر کے اس سے محبت کرتی ہے تو وہ اپنے سے اور زیادہ قریب کر کے اس کی عزت، اس کا مال، اس کا مان، اس کا اعتبار اور اس کی محبت سب کچھ اس سے چھین لیتا ہے، پھر لڑکی کہیں کی نہیں رہتی، اسے کوئی اپنانے والا نہیں ہوتا،

میری پیاری جان! تم میری بہت اچھی بیٹی ہو، میں نے تمہیں بہت سمجھایا ہے، اب تم میرے بہت سمجھانے کے باوجود اس دنیا میں قدم رکھ رہی ہو، جہاں قدم، قدم پر بھیڑیئے ہی بھیڑیئے ہیں تو میری جان تم صرف اتنا ہی مان لو کہ پردہ کرکے جایا کرو۔ ''سورۃ الاحزاب'' کے آیت نمبر ۵۹ میں ہمارے پیارے رب کریم نے فرمایا ہے: ''اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکایا کریں، پھر بہت جلد وہ پہچانی جائیں گی، پھر نہ وہ ستائی جائیں گی، اللہ بہت بڑا بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔'' میری پیاری بیٹی، اگر کسی کے پاس بہت قیمتی ہیرا ہو تو وہ چھپا کر رکھتا ہے تاکہ چور چوری نہ کرلے، عورت کے معنی ہیں ''چھپی ہوئی چیز'' اسی طرح عورت کو پردے کا حکم دے کر اللہ عزوجل نے اس کی حفاظت بھیڑیوں کے شکل میں مردوں سے کردی ہے۔'' میری پیاری بیٹی میرا فرض تھا، تمہیں سمجھانا باقی......

''تم کون ہوتی ہو میری بیٹی کو پارسا بنانے والی، تم آخر سمجھتی کیوں نہیں کہ یہ میری بیٹی ہے، جیسا میں چاہوں گا، یہ ویسا ہی کرے گی، آئندہ تم اس کو کسی بات پر نہیں سمجھاؤ گی، چاہے یہ کچھ بھی کرے۔''

شہریار صاحب اچانک پیچھے سے آگئے تھے اور ان کو سمجھاتا دیکھ کر ان کی بات مکمل نہ ہونے دی، بہت غصے سے دھاڑے تھے۔

اندلیب آج پہلی مرتبہ اپنی والدہ کی باتیں بہت توجہ اور خاموشی سے سن رہی تھی، شہریار صاحب کے ڈانٹنے پر وہ سہم گئی اور پھر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

ساری رات اندلیب کشمکش میں مبتلا رہی کہ مما صحیح ہیں یا پھر پاپا؟ کافی سوچ بچار کے بعد صبح کے قریب اس نے اپنے آپ یہ فیصلہ کیا کہ میرے خیال سے پاپا صحیح ہیں، جب ہی تو ڈانٹتے ہیں کہ مما کوئی غلط بات نہ سمجھالیں، پھر مطمئن ہوکر سوگئی، اندلیب کا معصوم ذہن یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس کی ماں حق کی بات کررہی تھیں، صحیح پاپا نہیں مما تھیں اور پردہ عورت پر فرض ہے، اندلیب کو جو کچھ باتیں مما کی سمجھ آئی بھی تھیں، وہ سب پاپا کے ڈانٹنے سے ان سب کا اثر ختم ہوگیا تھا۔

☆......☆......☆

صبح کالج جاتے ہوئے اندلیب نے اپنی ماں کی طرف دیکھا تو اس کو اپنی ماں کی آنکھیں التجا کرتی ہوئی محسوس ہوئیں کہ پردہ کرکے جاؤ، لیکن اندلیب نے دھیان نہیں دیا اور بغیر پردے کے ہی کالج چلے گئی۔

☆......☆......☆

کالج میں پہلا دن تھا، وہ بہت ہی گھبرا رہی تھی، اتنے لڑکوں کے درمیان اس کو بہت جھجک محسوس ہورہی تھی، پھر آہستہ آہستہ وہ اس ماحول کے اثر میں رنگ گئی، دن اسی طرح گزرتے گئے، اب اس کو لڑکوں سے بات کرتے جھجک محسوس نہیں ہوتی تھی، بلکہ اب تو اندلیب زبیدہ خاتون کے بہت منع کرنے کے باوجود ہر قسم کے لباس پہنتی تھی اور وہ سب کچھ کرتی تھی، جو اس کی دوستیں کرتی تھی یا اس سے کہتی تھیں، مما آج مجھے مارکیٹ جانا ہے، آپ کو جو کچھ منگوانا ہے، مجھے بتادیں...... پر بیٹا ڈرائیور نے تو آج چھٹی کی ہے، تم کل چلی جانا اور ویسے بھی تمہیں مارکیٹ جانے کی ضرورت ہی کیا ہے، پچھلے مہینے ہی تم مارکیٹ جاکر سب کچھ لے کر آئی ہی تو تھی؟...... مما میں خود گاڑی چلالوں گی اور مما وہ سارے کپڑے تو پرانے ہوگئے ہیں، یہ کہتے ہوئے ڈوپٹہ اتار کر اندلیب بستر پر نیم دراز ہوگئی، یہ دیکھ کر زبیدہ خاتون گویا ہوئیں، بیٹا آپ اب ماشاء اللہ بڑی ہوگئی ہیں، ڈوپٹہ اس طرح اتار کر نہیں رکھتے، ڈوپٹہ تو عورت کی زینت ہوتا ہے...... جب پردے کی آیت نازل ہوئی تھی تو بیٹا تب ہماری ماؤں اور صحابیات کرام رضوان اللہ اجمعین نے اپنے گھروں کی چادریں تک اتار کر اپنے اوپر اوڑھ لی تھیں...... اور بیٹا آپ نے وہ سب کپڑے ایک ہی مرتبہ تو پہنے ہیں، کیا کوئی لباس ایک مرتبہ پہننے سے پرانا ہوا ہے؟

مما کیا مسئلہ ہے، ہر وقت سمجھاتا سمجھانا، میں تو تنگ آگئی ہوں، کل میری ساری فرینڈز ساڑھی پہنیں گی، کیوں کہ کل ہمارے کالج میں فنکشن ہے، میں بھی ساڑھی پہننا چاہ رہی ہوں، عمیرہ اور ثناء بھی ساڑھی پہنیں گی، یہ کہہ کر وہ رکی نہیں، گاڑی کی چابی لے کر چلتی بنی، خاصی شاپنگ کرکے جب وہ لوٹی تو پرندے بھی اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوچکے تھے، اپنے سارے شوپنگ بیگز بیڈ رکھ کر وہ خود نہانے چلی گئی۔

☆......☆......☆

اندلیب آج بہت دل لگا کر تیار ہوئی تھی، نیوی بلو ساڑھی اس پر سلور ستاروں کا کام سلور کلر کی جیولری اونچی ہائی ہیل وہ پورے کالج میں نمایاں لگ رہی تھی، ہر نظر میں اس کو اپنا عکس ہی نظر آرہا تھا، عمیرہ اور ثناء کو ڈھونڈتی ہوئی وہ جیسے ہی کوریڈور تک آئی تو اپنے پیچھے کسی کو اپنا نام پکارتے ہوئے سنا۔ ''سنیں اندلیب'' کسی اجنبی کو اپنا نام پکارتے ہوئے اسے ایک پل بہت حیرت ہوئی، اسی لئے پوچھے بنا نہیں رہ سکی۔ ''آپ کی تعریف؟''...... ''میں عماد ہوں، آپ کی دوست ثناء کا بھائی، ثناء کے حوالے سے آپ کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں، آپ کو معلوم ہے ثناء کہاں ہے؟''...... ''نہیں، میں خود اسے ڈھونڈ رہی ہوں، معلوم نہیں، کہاں چلی گئی ہے''...... ''آپ آج بہت اچھی لگ رہی ہیں اندلیب، بہت ہی پیاری لگ رہی ہیں''...... ''شکریہ عماد بھائی''...... ''ارے یار، یہ بھائی وائی درمیان میں کہاں سے آگیا، میں تمہارا تو دوست ہوں''...... ''تمہاری دوستی کب سے ہوگئی، آج سے پہلے تک میں آپ کو جانتی ہی نہیں تھی؟''...... ''لیکن میں تو تمہیں جانتا تھا، ثناء تمہارا اتنا ذکر کرتی ہے، مجھے تو یہی لگتا ہے ثناء تمہاری نہیں، میں تمہارا دوست ہوں اور ویسے بھی پہلے نہ سہی، ہم آج سے بلکہ ابھی سے دوستی کرلیتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے عماد نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، اندلیب نے بھی اس کی پیروی کرتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں میں دے دیا...... ''اوکے، اپنا خیال رکھئے گا، اندلیب میں چلا، مجھے سر کامران نے بلایا تھا''...... ''اوکے، آپ بھی اپنا خیال رکھئے گا عماد۔'' اور پھر پورا دن اس نے اپنے آپ کو عماد کے نظروں میں پایا۔

☆......☆......☆

اور پھر آہستہ آہستہ اس کی عماد سے دوستی محبت میں بدل گئی، اندلیب کی آج سالگرہ تھی، شہریار صاحب نے ارینہ کلب میں بہت اچھا انتظام کیا تھا، آج بھی زبیدہ خاتون نے ان دونوں باپ بیٹی کو گناہ کے بارے میں بہت سمجھایا تھا اور جب ان کے بہت سمجھانے پر بھی شہریار صاحب فنکشن کررہے تھے تو وہ خود نہیں آئی تھیں کہ سالگرہ منانا کفار کی رسم ہے، گناہ ہے، سالگرہ کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بڑے ہورہے ہیں، ہماری عمر بڑھ رہی ہے بلکہ اتنا اتنا ہم موت سے قریب ہوتے جاتے ہیں۔

''اندلیب بیٹے، آپ نے اپنے سارے فرینڈ (Friends) کو انوائٹ کرلیا تھا؟''...... گاڑی میں بیٹھتے ہوئے شہریار صاحب نے پوچھا۔

''جی پاپا...... پاپا میرے فرینڈ ثناء کے بھائی اتنے اچھے ہیں، میرے ہی کالج میں پڑھتے ہیں، مجھ سے ایک سال آگے ہیں، میرا بہت خیال رکھتے ہیں، اب ہماری بھی فرینڈشپ ہوگئی ہے۔''

''اچھا بیٹے، یہ تو بہت اچھی بات ہے، آپ کو پڑھائی کے سلسلے میں جو مدد لینی ہو، وہ بھی پھر آپ لے لیا کریں، اس طرح آپ کو زیادہ آسانی ہوگی۔''

''جی پاپا، میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔''

☆......☆......☆

''یار عمیرہ، ابھی تک ثناء کیوں نہیں آئی؟ میں نے

اس کو بھی انوائٹ کیا تھا؟“

”ثناء کا انتظار ہو رہا ہے یا ثناء کے بھائی کا؟“ یہ کہتے ہوئے عبیرہ نے ایک گھونٹ پیپسی کا پیا۔

”یار تم بہت بدتمیز ہو، جب سب کچھ جانتی ہی ہو تو......“

”ارے ثناء آگئی، محترمہ بہت جلدی آگئی ہو، ابھی تک تو کوئی نہیں آیا، تم ہی سب سے پہلے آئی ہو۔“ اندلیب نے مذاق بھرا طنز کیا۔

”یار کیا کروں، بھائی آنے پر راضی نہیں تھے، کوئی لے کر آنے والا ہی نہیں تھا، بہت مشکلوں سے اپنے کزن کو راضی کر کے لے آئی ہوں۔“

”کیوں، عماد کیوں نہیں آئے؟“ اندلیب نے پریشان لہجے میں کہا۔

”مجھے کیا معلوم، تم خود ہی پوچھ لو۔“ یہ کہتے ہوئے ثناء نے اپنا موبائل اندلیب کو دیا۔

”ہیلو عماد، آپ کیوں نہیں آ رہے ہیں؟“

”ایسا ہو سکتا ہے، اندلیب کی سالگرہ ہو اور میں نہ آؤں۔“ یہ کہتے ہوئے عماد اس کے سامنے آ گیا، یوں ہنسی خوشی کیک کاٹا گیا۔

شہریار صاحب نے اندلیب کو اس کی فرمائش پر موبائل گفٹ کیا، اب وہ ساری ساری راتیں عماد سے باتیں کرتی رہتی تھی۔

☆......☆......☆

اندلیب شہریار صاحب سے پڑھائی کا بہانہ کر کے عماد سے ملنے اس کے گھر جایا کرتی تھی، یہاں تک کہ اب اندلیب نے عماد کے بہت کہنے پر اس کے ساتھ ہوٹلنگ کرنا شروع کر دی تھی، عبیرہ اس کی اسکول کے زمانے کی دوست تھی، اسی لئے اس سے اندلیب ثناء کے برعکس زیادہ قریب تھی، عبیرہ اس کو سمجھاتی تھی کہ تم عماد کے ساتھ اکیلے مت جایا کرو، لیکن وہ اندلیب ہی کیا، جو کسی کا کہنا مان لے، کل اس کو عماد کے ساتھ P.C میں کھانا کھانے جانا تھا، آج وہ عبیرہ کے گھر میں اس سے ملنے آئی تھی اور عبیرہ اس کو عماد کے ساتھ جانے کا منع کر رہی تھی۔

”اندلیب میری مانو، تم عماد کے ساتھ یوں تنہا مت جایا کرو، دیکھو یار! زمانہ اتنا خراب ہو گیا ہے، آج کل تو اخبار میں اغوا کی بہت خبریں ہوتی ہیں، عماد پر اتنا بھروسا مت کیا کرو، تمہاری اس سے دوستی کو اتنا وقت بھی نہیں ہوا ہے۔“

”عبیرہ یار، تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیوں فضول میں وہم پال رہی ہو، عماد ایسا نہیں ہے، میں اسے بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں، وہ بہت اچھا ہے، بہت Care کرنے والا ہے، عام لڑکوں سے بہت مختلف ہے اور جو اغوا کی خبریں ہوتی ہیں، وہ ہر کسی کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا، زیادہ تر اغوا کے کیسز میں کڈنیپر کڈنیپ کرتے ہیں اور جہاں کہیں کسی معشوق کے اغوا کا کیس ہوتا ہے تو وہاں یہ ہوتا ہے کہ وہ لڑکا شروع ہی سے بدمعاش ٹائپ کا ہوتا ہے جبکہ عماد ایسا نہیں ہے، تم فضول وہم مت کرو، اپنے وہم اپنے پاس ہی رکھو۔“

”اچھا، پھر اتنا ہی کر لیا کرو، گھر میں اپنی مما یا پھر پاپا میں سے کسی ایک کو بتا کر جایا کرو۔“ عبیرہ نے ایک اور مرتبہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”عبیرہ، تم سمجھتی کیوں نہیں ہو، جب میں تم سے کہہ رہی ہوں، مجھے عماد میں کوئی ایسا ویسا محسوس نہیں ہو رہا ہے، تم کیوں فضول میں مجھے نصیحتیں کر رہی ہو، میں نے تمہیں کہا بھی ہے، میں عماد کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں اور ویسے بھی میری مما، وہ تو کبھی اجازت ہی نہیں دیں گی، پاپا کو معلوم ہے، میں پڑھائی کے سلسلے میں عماد سے ملتی ہوں، اب ہر وقت میں جہاں بھی جاؤں گی، ان کو بتا کر تو نہیں جاؤں گی، میں کوئی بچی نہیں ہوں۔“ یہ کہہ کر اندلیب نے پکوڑوں پر انصاف کرنا شروع کر دیا۔

”پھر بھی تمہیں اپنے پاپا کو بتا کر جانا چاہئے، تمہارے پاپا کو یہ تو معلوم نہیں ہے نا کہ تم عماد کے ساتھ ہوٹلنگ بھی کرتی ہو۔“

”یار عبیرہ، تم اب اپنا نصیحت نامہ بند کرو گی یا......“ یہ کہتے ہوئے اندلیب نے بات کا موضوع ہی بدل دیا اور عبیرہ اس کو تاسف سے دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

امتحانات ہونے والے تھے، اندلیب ہر امتحان میں اول آتی تھی، اس بار بھی وہ امتحان کی وجہ سے عماد کو ٹائم نہیں دے پا رہی تھی، جس کی عماد اس کو مسلسل فون کر کے شکایت کر رہا تھا اور وہ ہر دفعہ پڑھائی کا کہہ کر اس کو سمجھا رہی تھی، اندلیب نے سوچا تھا، امتحانات کے بعد عماد کے گھر جا کر اسے سرپرائز کروں گی، آج اس کا آخری پیپر تھا، وہ اور عبیرہ گھر ایک ساتھ جاتے تھے، عبیرہ زیادہ تر چھٹی کے وقت لائبریری میں پائی جاتی تھی، ابھی بھی وہ عبیرہ کو بلانے لائبریری میں گئی تھی، عبیرہ کو وہاں نہ پا کر جب وہ جانے لگی تو اپنا نام سن کر رک گئی۔

”یار عماد کیا تم اندلیب سے واقعی سچی محبت کرتے ہو یا اس سے بھی فلرٹ کر رہے ہو؟“ یہ عماد کا بیسٹ فرینڈ یاسر تھا۔ اتفاق سے عماد گروپ لائبریری میں ہی تھا، انہوں نے اندلیب کو لائبریری میں موجود نہیں دیکھا تھا، اندلیب ایک طرف ہو کر ان کی باتیں سننے لگی۔

”مجھے تو یہی لگتا ہے، عماد اندلیب سے سچی محبت کرتا ہے، وہ شادی بھی اندلیب سے ہی کرے گا، کیوں عماد، میں صحیح کہہ رہا ہوں نا؟“ عماد کے جواب دینے سے پہلے ہی عاذم نے کہا۔

”نہیں یار، تم غلط سمجھتے ہو، اندلیب جیسی لڑکیاں بیویاں بنانے کے لائق نہیں ہوتی، ان سے تو دل لگی کی جاتی ہے اور اندلیب نے جیسے میری محبت پر یقین کر لیا، میرے ساتھ اکیلے رات دیر تک باہر ہونا، ماں باپ دونوں کو دھوکا دینا تک کر لیا، اس طرح اندلیب اور لڑکوں کے لئے بھی کر سکتی ہے، جو اپنے ماں باپ کو دھوکا دے، وہ شوہر کو بھی دے سکتی ہے، ویسے شادی تو میں ایسی لڑکی سے کروں گا، جسے کسی مرد نے نہ دیکھا ہو، اسے دیکھنے والا پہلا اور آخری مرد میں ہی ہوں گا، اپنی بیوی کو تو میں سات پردوں میں چھپا کر رکھوں گا، میری بیوی کوئی شو پیس تھوڑی ہو گی، جسے سب دیکھیں۔“ یہ کہتے ہوئے عماد نے سب پر ایک فخریہ نظر ڈالی، اندلیب کے آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے، اس نے سنا، عماد کا کوئی دوست کہہ رہا تھا۔ ”یار عماد، اندلیب اتنی خوبصورت تو ہے، اتنی پیاری ہے، جب تک اس کو دیکھ نہ لوں، آنکھ اسے دیکھنے کے لئے ترستی رہتی ہے۔“ ......”یار سہیل، تم صحیح کہہ رہے ہو، واقعی اندلیب بہت پیاری ہے، مجھے اچھی لگتی ہے، لیکن بیوی بنانے کے لائق پھر بھی نہیں ہے۔“

اندلیب میں اس سے زیادہ سننے کا حوصلہ نہیں تھا، وہ روتے روتے لائبریری سے نکل چلی گئی اور عبیرہ کو لئے بغیر خود اکیلے ہی گھر جانے کے لئے نکل گئی، سارا راستہ وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے آئی تھی، گھر پہنچ کر اس نے اپنا بستہ ایک طرف پھینکا، جوتے ایک طرف اور ڈوپٹہ پھینک کر خود اوندھی منہ گرنے کے انداز سے بستر پر لیٹ گئی اور روتی رہی، زبیدہ خاتون اندلیب کو کھانے پر بلانے اس کے کمرے میں آئی تو انہوں نے اندلیب کو بہت پکارا، ان کے پکارنے پر اندلیب نے سر اٹھایا تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا، زبیدہ خاتون پریشان ہو گئیں، اندلیب زبیدہ خاتون کے گود میں سر رکھے مسلسل رو رہی تھی، اس کا پورا جسم بخار میں پھنک رہا تھا، اس نے اپنی مما کے بہت پوچھنے پر بھی وجہ نہیں بتائی اور روتے روتے اس نے زبیدہ خاتون سے التجا کی کہ وہ اس کو اکیلا چھوڑ دیں، زبیدہ خاتون اس کے آرام کے خیال سے اس کو چھوڑ کر خود باورچی خانے میں چلی گئیں۔

☆......☆......☆

اندلیب بالکل خاموش ہو گئی تھی، وہ سب سے زیادہ اپنی والدہ سے شرمندہ تھی، اسے رہ رہ کر اپنی والدہ کی

نصیحتیں یاد آرہی تھیں، اس نے کالج جانا بھی چھوڑ دیا تھا، عیبرہ ہر دوسرے دن اس سے ملنے آجاتی، اس نے عیبرہ سے ملنا بھی چھوڑ دیا تھا، جب بھی عیبرہ آتی، وہ کوئی نہ کوئی بہانا کرکے اس کے پاس سے اٹھ جاتی، لیکن عیبرہ بالکل بھی برا نہیں مناتی تھی، کیونکہ وہ اپنی دوست سے بہت محبت کرتی تھی اور چاہتی تھی، اندلیب بالکل نارمل ہوجائے اور جو غم اس کو پہنچا ہے، وہ اس کے اندر سے نکل جائے، اسے ہر وقت خوشیاں ہی ملیں، عیبرہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کو کیا غم ہے، اندلیب نے سب کے بہت پوچھنے پر بھی کسی سے اس بارے میں بات نہیں کی تھی، شہریار صاحب بہت پریشان ہوگئے تھے، زبیدہ خاتون اچھی ماں ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی بیوی بھی تھیں، وہ اپنے شوہر کو اندلیب کے معاملے میں ہر ممکنہ حد تک مطمئن رکھتی تھی۔

☆......☆......☆

پورے دو ماہ اسی طرح گزر گئے، آج عیبرہ کے بہت سمجھانے پر اندلیب سسک پڑی تھی اور اس نے روتے روتے ساری بات عیبرہ کو بتادی اور پھر کہا۔

"عیبرہ تم ٹھیک کہتی تھی، کسی نامحرم کے ساتھ اتنی بے تکلفی جائز نہیں ہے، میری مما بھی ٹھیک کہتی تھی، واقعی یہ دنیا تو بھیڑیوں سے بھری پڑی ہے، کاش! مجھے پاپا اتنی چھوٹ نہ دیتے تو مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا کہ کوئی بھی مجھے قبول کرنے والا نہیں تھا، ہر کوئی مجھے ٹھکرا رہا تھا، عیبرہ میں تم سے شرمندہ ہوں، اپنی مما سے بھی بہت شرمندہ ہوں، مجھے پلیز معاف کردو، میری پیاری دوست، پلیز مجھے معاف کردو۔"

اندلیب ہچکیوں سے رو رہی تھی، عیبرہ سے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی، عیبرہ خود کے آنکھوں سے آنسو جاری تھے، وہ اپنی دوست سے بہت محبت کرتی تھی، اس کو کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تھی، آج بھی عیبرہ کو اندلیب کا غم اپنا ہی لگ رہا تھا، دونوں رونے میں اتنا مصروف تھے کہ ان کو زبیدہ خاتون کے آنے کا احساس بھی نہ ہوا، احساس تو اس وقت ہوا، جب زبیدہ خاتون نے دونوں کو خود سے لگاتے ہوئے آنسو پونچھے اور اندلیب سے کہا۔

"میری پیاری بیٹی، تمہیں اللہ پاک کا بہت شکر ادا کرنا چاہئے کہ تمہیں صحیح وقت پر احساس ہوگیا، بہت سی لڑکیاں آگے تک نکل جاتی ہیں، ان کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ میرے پیارے شیخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ فرماتے تھے: "یہ سوچا کریں کہ جس وقت میں گناہ کر رہی تھی، اللہ پاک بھی مجھے وہ گناہ کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے، اگر اسی وقت اللہ کا حکم ہوجاتا، اے زمین شق ہوجا اور اس نالائق کو نگل جا، یا بندر بنادیتے یا پھر اللہ پاک اسی وقت کسی دردناک بیماری میں مبتلا کردیتے تو میں اسی وقت ذلیل ہوجاتی، لوگ میری رسوائی کا تماشا دیکھتے، لیکن اے اللہ، آپ کے حلم اور کرم نے مجھ سے انتقام نہیں لیا، ورنہ میری تباہی یقینی تھی"۔

"عیبرہ اور اندلیب، زبیدہ خاتون کی باتیں بہت غور سے سن رہے تھے، ان کی یہ بات سن کر ان دونوں کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور وہ کانپ کر رہ گئیں۔

زبیدہ خاتون پھر سے گویا ہوئیں:۔

"اگر ہم کوئی گناہ کر رہے ہوں، اسی حالت میں ہمارا انتقال ہوجائے تو ہم سوچیں، ہم کس حالت میں اٹھائے جائیں گے، کیونکہ حدیث پاک کا مفہوم ہے: "جو جس حال میں مرے گا، اسی حال میں اٹھایا جائے گا۔" تو ہم یہ سوچیں کہ ہم کس حال میں اپنے رب سے ملیں گے۔ ہم یہ سوچیں کہ قیامت قائم ہے، پوری دنیا کے لوگوں کے سامنے اللہ پاک ہمارے بارے میں فرمائیں کہ پکڑو اس نالائق کو، اس کے گلے میں زنجیروں کے طوق پہنا دو اور جکڑ کر جہنم کے گھڑے میں ڈال دو۔ پوری دنیا کے لوگوں کے سامنے ہم تو ذلیل ہوجائیں گے اور بیٹا، گناہ گار لوگ جہنم کے لمبے لمبے ستونوں میں دبے آگ میں جل رہے ہوں گے، جب ان کی کھال جل کر کوئلہ ہوجائیں گی تو اللہ پاک ان کی کھالوں کو تازہ بہ تازہ دوسری کھالوں سے تبدیل فرمادیں گے اور جب ان کو بھوک لگے گی تو ان کے لئے خاردار درخت زقوم کھانے کو دیا جائے گا، وہ انکار نہیں کرسکیں گے، ان کو مجبوراً اس سے پیٹ بھرنا ہوگا اور جب ان کو پیاس لگے گی تو ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، وہ اس پانی سے بھی انکار نہیں کرسکیں گے، بلکہ اس طرح پئیں گے، جس طرح پیاسا اونٹ پیتا ہے اور وہ رونا چاہیں گے تو آنسو کے بجائے خون نکلے گا، جب شدتِ تکلیف سے بھاگنے کی کوشش کریں گے تو ان کو دوبارہ جہنم میں لوٹا دیا جائے گا اور پھر وہ اللہ پاک سے فریاد کریں گے، اللہ پاک فرمائیں گے، اسی جہنم میں ذلیل پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔ اور جو لوگ اللہ پاک کو راضی رکھتے ہیں، اپنی خوشیوں کو اللہ تعالیٰ پر قربان کرتے ہیں، یعنی اپنی خوشیوں کو مالک کی مرضی پر فدا کرتے ہیں، جس خوشی سے اللہ خوش، اسی خوشی کو لیتے ہیں اور جس خوشی سے اللہ ناراض، اس پر لعنت بھیجتے ہیں، غرض ہر وقت اللہ کو خوش رکھتے ہیں تو اللہ پاک اس کو دو جنتیں دیتے ہیں، ایک دنیا میں کہ اس کے قلب کو ہر وقت اپنی حضوری اور قرب کی لذت سے مست رکھتے ہیں، جس دل میں اللہ آجاتے ہیں، وہ دل دنیا و آخرت کی ساری خوشیاں و لذتوں کا مزہ پا جاتا ہے اور دوسری جنت آخرت میں، ان لوگوں سے مولیٰ کا ساتھ ہر وقت رابطہ قائم رہتا ہے۔ اسی لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ پاک عزوجل سے ہر وقت دعا کریں۔ اے اللہ ہمارے اعمال تو سزاوار جہنم ہیں، مگر آپ کی رحمت سے فریاد کرتی ہوں کہ جہنم کے دردناک عذاب سے نجات کو میرے لئے مقدر فرما اور بیٹا جب رونا نہ آئے تو رونے کی شکل بنالینی چاہئے۔"

"مما...... مما کیا اللہ پاک مجھے معاف کردیں گے؟" اندلیب نے روتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، میری جان، اللہ پاک ضرور معاف کردیں گے، اللہ پاک تو بہت مہربان ہیں، غفور رحیم رب ہیں، اللہ پاک کو گناہ گار بندے کا رونا بہت پسند ہے، ہمیں چاہئے ہم رو رو کر صدق دل سے توبہ کریں اور اپنے رب کو منالیں۔"

"لیکن مما، میرے گناہ تو بہت زیادہ ہیں، اللہ پاک مجھے کیسے معاف کریں گے۔" اندلیب بہت مایوس ہو رہی تھی۔

"بیٹا، اس میں کوئی شک نہیں، ہمارے گناہ خواہ کتنے ہی عظیم تر ہوں، مگر حق تعالیٰ کی عظمت اور وسعتِ رحمت کے سامنے وہ حقیر اور قلیل ہیں۔ لہٰذا میری بیٹی، مایوس نہ ہو، اسی اللہ سے ہی امید لگانی چاہئے، ایک اللہ تو ہے ہمارا، ہم اسی در پر پڑے رہیں گے مرتے دم تک۔

اگرچہ پُرخطا ہے تیرا بندہ پر کہاں جائے تیرا بندہ
تیرا بندہ تیرے در پہ بہ امید کرم آیا

اور بیٹا ہمیں چاہئے کہ ہم دو رکعت نماز توبہ پڑھیں اور اپنے تمام گناہوں سے استغفار کریں اور اللہ سے کہیں: "اے اللہ اگرچہ میرے گناہوں کی انتہا نہیں، لیکن آپ کی رحمت میرے گناہوں سے وسیع تر ہے، اپنی رحمت واسعہ کے صدقے میں میری تمام خطائیں عفو فرما دیجئے، اے اللہ، آپ عفو ہیں، عفو کو محبوب رکھتے ہیں، پس میری خطاؤں کو اپنی رحمت سے معاف فرما دیجئے۔"

یہ کہہ کر زبیدہ خاتون خاموش ہوگئیں اور اندلیب یہ کہہ کر اٹھی:

"مما، آپ کا بہت شکریہ، آپ نے مجھے اتنی اچھی باتیں بتائیں، پلیز مما، مجھے معاف کردیں، میں آئندہ ہر کام کرنے سے پہلے آپ سے اجازت لوں گی اور مما، میں ابھی ہی توبہ کی نماز پڑھ کر آتی ہوں، یہ کہتے ہوئے وہ نکل گئی، اس کے پیچھے پیچھے عیبرہ بھی آنٹی کا شکریہ ادا کرکے نماز توبہ کے لئے باہر نکل گئی اور زبیدہ خاتون سجدہ ریز ہوکر اپنے رب کا شکر ادا کرنے لگیں۔

☆......☆......☆

وہ گریجویٹ نہیں تھیں

لبنیٰ فیصل

بچے کی تعلیم و تربیت میں ماں کے کردار کو اجاگر کرتی ایک خوبصورت تحریر

آج کافی عرصہ بعد صوفے پر لگی گرد کو صاف کر رہی تھی تو اچانک کچھ گہری کھرچنیں نظر آئیں، لگتا ہے کسی نوک دار چیز سے بڑی بے دردی سے کھرچا گیا تھا، باوجود کوشش کے میں انہیں مٹا نہیں سکتی تھی، حتیٰ کہ پالش کرنے کے باوجود وہ نشانات پوری طرح صاف نہ ہو سکے۔

بچپن میں دیکھے گئے یا سنے گئے واقعات بھی شاید ایسے ہوتے ہیں جو دل و دماغ پر اس طرح نقش ہو جاتے ہیں کہ وقت بھی ان کو نہیں مٹا سکتا۔

کراچی میں تو ویسے ہی بارش بہت کم ہوتی ہے، اگر کبھی ابر آ بھی جائے تو سب کے چہرے کھل اٹھتے ہیں اور اگر بارش شروع ہو جائے تو بچے بڑے سب ہی خوش ہوتے ہیں، مجھے یاد ہے بچپن میں جب موسلا دھار بارش ہوتی تھی تو ہم سب بچے خوشی سے دیوانے ہو جاتے تھے، مگر ہماری اماں ایسے وقت میں بھی ہمیں یاد دلاتی تھیں، کہ دیکھو تم تو بھیگ چکے گھر میں، بارش کے مزے اُڑا لیے، ذرا ان بیچاروں کا خیال کرو، جن کے کچے گھر ہیں، جھونپڑیاں ہیں، وہ تو اب زمین پر بھی سو نہیں سکتے ہوں گے، ان کے تو چولہے بھی بجھ جاتے ہیں، وہ گرما گرم پکوڑے بناتے وقت بھی یہی بات یاد دلاتی رہتی تھیں کہ نہ جانے ان لوگوں کو کھانا بھی ملا ہوگا یا نہیں، ان کی تو سب لکڑیاں بھیگ چکی ہوں گی، اس وقت غریبوں سے ہمدردی کا جو جذبہ پیدا ہوتا تھا، وہ آج بھی دل و دماغ کی اس زمین میں تازہ رہتا ہے، اگر تیز آندھی آتی تو ہم سب بھائی بہنوں کو بیٹھ کر دعا کرتی تھیں کہ اللہ ناگہانی مصیبت سے اپنے بندوں کی حفاظت کرنا، نہ صرف اپنے بلکہ سب محلے کے بچوں کو بھی ہدایات دیتی کہ بجلی کے کھمبوں کو ہاتھ نہ لگانا، جہاں بجلی کے تار گرے ہوں، وہاں نہ جانا۔

اماں، محلہ کی وہ واحد خاتون تھیں، جن کے گھر کے دروازے بچوں اور بڑوں سب کے لئے کھلے رہتے تھے، کسی کے چوٹ لگی ہو تو وہ اسپرٹ لگوانے آ رہا ہے، کسی کے موچ آ گئی یا ہاتھ کی ہتھیلی اتر گئی تو وہ بلا معاوضہ اسے درست حالت میں بٹھا کر صحیح کرتی تھیں، کسی کے گھر پانی نہیں آتا تو وہ پائپ لگا کر دیتی تھیں، یہ تمام کام ہم صرف دیکھتے تھے، انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ تم ایسا کرنا، یا نہیں کرنا، ہم غیر محسوس طریقے سے اس سب عمل کو دیکھتے تھے، یہ تو بعد میں پتہ چلا کہ فلاحی کاموں کو انجام دینے کا بیج انہوں نے سب بچوں کے دل میں بو دیا تھا، کبھی کڑھی پائے، یا نہاری بنتی تو چھوٹے چھوٹے پیالوں میں دائیں بائیں آگے پیچھے گھروں میں ضرور بھجتی تھیں، اچار چٹنی خود بناتی تھیں، جب ہم ذرا بڑے ہوئے تو ہمیں ان کی یہ زحمت اچھی نہیں لگتی تھی، اتنی محنت سے بناتی تھیں کہ ہمیں بھی ان کے ساتھ محنت کرنی پڑتی اور پھر یہ سب بانٹ دیتی تھیں۔

رمضان کی آمد سے قبل گھر میں ڈھیر سارا اچار مصالحہ بناتی اور قریبی رشتہ داروں میں چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں تقسیم کرواتی، جس کا مزہ آج بھی لوگ یاد کرتے ہیں، اب پتہ چلا کہ بچپن میں کھائے گئے ان کھانوں کو لوگ بوڑھا ہونے پر بھی یاد رکھتے ہیں، شاید یہ محبت کے ایسے چھوٹے چھوٹے جگنو ہوتے ہیں جو ہماری یادوں کو روشن رکھتے ہیں اور محبتیں یاد رہتی ہیں۔

جب لوگ ملتے ہیں تو ان کا ذکر کرتے ہیں کہ آج کی گریجویٹ ماؤں سے وہ ہزار درجے بہتر تھیں، گھر پر ہی سلیٹ پر بورڈ پر گنتی اور الف ب سکھا دی، چھوٹی چھوٹی دعائیں، بڑوں کا ادب، غریبوں سے ہمدردی، اساتذہ کا احترام، جانوروں سے محبت...... کیا کچھ انہوں نے اسکول جانے سے پہلے ہی سکھا دیا تھا۔

آج کے اس نئے دور میں ہر انسان چاہے وہ ماں ہو یا باپ، اس کا رونا یہی ہے کہ بچے بات نہیں مانتے، بچے نافرمان ہیں، بچے خود سر اور ضدی ہو گئے ہیں، آج ہم ماں باپ اپنے بچوں کو وعظ و نصیحت، ڈانٹ ڈپٹ سے راہ راست پر نہیں لا سکتے تو اس کی اہم اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم خود عمل نہیں کر رہے ہوتے۔ بچہ اور نو عمر ہمارے ہر عمل کو دیکھتا ہے اور غیر شعوری طور پر اس کو اپناتا ہے، آج ماشاءاللہ تعلیم یافتہ ماؤں کی کثرت ہے، لیکن کیا وجہ ہے کہ ان کے بچے ڈگریاں تو لے رہے ہیں، کردار، اخلاق، محبت کے لحاظ سے وہ بہت پیچھے ہیں۔

"ذرا سوچئے کہ ہم اپنے بچوں کی ذہنی سطح پر کون سے نقشے ڈال رہے ہیں، اگر اچھے نقش ڈالیں گے تو کبھی نہیں مٹیں گے، ماند تو پڑ جائیں گے، وقت کی گرد سے دھندلے تو پڑ جائیں گے، لیکن فطرت انہیں بھلا نہیں سکے گی۔" "وہ ایک ماں تھیں۔"

☆......☆......☆

مدینہ کے شام و سحر

مدینہ کے شام و سحر اللہ اللہ
ہے تسکین قلب و جگر اللہ اللہ
حقیقت ہوئی جلوہ گر اللہ اللہ
اگر ہے نہ کوئی مگر اللہ اللہ
نظر کھوئی کھوئی قدم بہکے بہکے
یہ دل اور زیر و زبر اللہ اللہ
حریم نبوت میں آنکھیں بچھا کر
نظر ہوگئی معتبر اللہ اللہ
شب مہتاب اور حسن تجلی
نہ اس رات کی ہو سحر اللہ اللہ
ندامت کے اشکوں کی قیمت نہ پوچھو
ہے دامن میں جیسے گہر اللہ اللہ
ندامت تحیر، تسلی، تشفی
یہ معراج فکر و نظر اللہ اللہ
نظر اپنے عیبوں پہ پڑنے لگی ہے
ہما ہوگیا خود نگر اللہ اللہ

ارادہ ہے

مریم بلوچ

میں جب مدرسے سے فارغ ہوکر گھر آگئی، مطلب یہ ہے کہ چار سال درس نظامی میں گزار کر جب اپنے گھر آگئی تو سب محلے والے اور قرب جوار کے جاننے والے ہم سے ملنے آئے اور سب خواتین اور ہم عمر عزیزات نے ''باجی'' کہہ کر پکارنا شروع کیا اور مجھے یہ لقب سن کر اپنی وہ محترمہ باجی جان یاد آنے لگی جو ہمیں پڑھانے کے ساتھ ساتھ اپنی صورت اور سیرت سے اخلاق حسنہ کا درس دے جاتی تھی، ہر بات سچ کہنا اور خندہ پیشانی سے ملنا اور زبان سے رب کی تعریف کرنا، ان کا خاص شیوہ تھا اور سب سے بڑھ کر پُرنور چہرے کے ساتھ لباس و عادات سنت کے مطابق چلنا بولنا اور پڑھانا، سب نہایت ہی قابل دید تھا۔

اب ہمیں گھر آئے دو ہفتے ہوگئے تھے، لیکن ہم ابھی تک مدرسے کی یاد میں رہتے، گھر کے کام تو سب شکر سے کرلیتی تھی، لیکن فارغ وقت میں پھر مدرسے درسگاہیں، طالبات کا مل کر تکرار اور کبھی ہنسی مذاق، کسی طالبات سے زیادہ لگاؤ ہوتا جو بڑا یادگار تھا، اب ہم نے سوچا کہ پڑھانا شروع کیا جائے اور وقت بھی کافی فراغت کا ہوتا ہے، تو اول دل نے کہا، کیا پڑھاؤ گی، بہشتی زیور یا تاریخ اسلام، طریقۃ العصریہ یا علم صرف والنحو۔ خود ابھی تک الجھن میں تھے کہ قریب کی دو خواتین آئی اور کہا، باجی السلام علیکم، میں اٹھ کر ان سے معانقہ کرنے لگی، کیونکہ پڑھائی کے چار سالوں میں کبھی میں کسی سے نہ مل سکی تھی، ایک ماہ بعد گھر آتی اور صرف بہن بھائی سے جمعہ کے دن مل کر واپس مدرسہ اور ماہ شعبان رمضان زیادہ تر گھر میں رزلٹ کے انتظار میں گزر جاتا اور کسی کی شادی غمی میں جانا مجھے پسند نہ تھا، شرعی پردہ بھی کرتی تھی، جس کی وجہ سے گھر سے کم باہر جاتی تھی۔

ان آنے والی خواتین نے اپنے آنے کا مقصد ظاہر کیا، بچوں کو قرآن پاک پڑھانا شروع کرو، اب انکار کی گنجائش نہ تھی، ہمارا اپنا خیال تو کتابیں پڑھانے کا تھا، مگر ہمارے گاؤں میں مدرسہ نہ تھا، جس میں ہم پڑھاتے اور اکیلی کتابیں بھی کس طرح پڑھاتی، جبکہ ساتھ اور تو کوئی نہ تھا، پھر ابتداء کردی بچوں کو قرآن پاک پڑھانے سے، صبح اور ظہر کے بعد کافی بچے آنے لگے، ہم نے حفظ نہیں کیا تھا، پر ترجمہ جو استاد محترم سے پڑھا تھا، کچھ لہجے بھی سیکھ گئے تھے، دن گزرتے گئے، ہم صرف پڑھانے میں مصروف، اب صبح فجر کی نماز کے بعد سے سورج کے کافی بلند ہونے تک اور پھر گھر کے کاموں سے فارغ ہوکر کچھ طالبات کالج کی آنے لگی، ترجمہ قرآن پاک اور درس حدیث ہوجاتا، جو ان کا نصاب تھا، پھر یہ دن گیارہ بجے تک واپس جاتی، ہم کھانا بنا کر آرام کرلیتے، پھر دو بجے درس قرآن ہوتا عصر تک، اس طرح کافی وقت گزر گیا، کچھ پڑھ گئے اور پھر ہر وقت ایک طرح رہتا نہیں ہے، پر بندے کا معاملہ گمان کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور اب چار سال سے شادی کے بعد بھی وہی سلسلہ جاری ہے، باوجود اس کے کہ وہ جگہ میری موجودہ جگہ سے کافی دور ہے، کسی وقت زمین کا وہ حصہ تھا اور اب اتنے فاصلے پر وہی پڑھائی، اسی طرح وقت گزر رہا ہے، شوہر جناب کے تعاون سے صبح شام پڑھائی اور گھر میں راحت ہے۔

☆......☆......☆



راحت اور اسباب راحت

مولانا حنیف جالندھری

حق تعالیٰ شانہ نے اس دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے۔ بظاہر واقعہ اور ہر حادثہ کسی نہ کسی سبب اور وجہ کا مرہون منت نظر آتا ہے، لیکن فی الحقیقت تمام حوادث و نتائج کے پس پردہ، دستِ قدرت کارفرما ہے۔ تمام اسباب و مسبّبات حق تعالیٰ شانہ کی قدرتِ قاہرہ کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ کسی سبب پر مسبّب کا مرتب ہونا بھی انہی کے حکم سے ہے اور تخلّف بھی انہی کے امر سے۔ اسی طرح اسباب کے نہ ہوتے ہوئے اپنی قدرت کاملہ سے عدم کو وجود کا پیراہن پہنا دینا بھی انہی کا خاصہ ہے۔ بادشاہ کو تمام مادی نعمتیں اور اسباب راحت عطا فرما کر چین و راحت سے محروم کرنا چاہیں تو کسی کو مجال اعتراض نہیں اور سارے مادی سہارے چھین کر مسجد کے کونے میں پڑے کسی درویش کے دل کو بادشاہوں سے زیادہ عیش و طرب عطا کردیں تو کسی کو روکنے کی ہمت نہیں، بلکہ اپنی رضا اور محبت کے متلاشیوں کو وہ باطنی عیش و لذت عطا فرماتے ہیں کہ دنیا کے بادشاہوں کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ جنہوں نے یہ لذت چکھی انہوں نے ابراہیم بن ادھمؒ اور شاہ شجاع کرمانیؒ کی طرح شاہی تاج و تخت پر لات مار کر دائمی و سرمدی سلطنت کو حاصل کرلیا۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کو جب یہ دولت عطا ہوئی تو آپؒ نے فرمایا تھا کہاں ہیں دنیا کے بادشاہ، خدا کی قسم! اگر ان نعمتوں میں سے وہ ایک ذرّہ اور ان نظاروں میں سے ایک شمہ دیکھ پائیں تو سب تخت و تاج چھوڑ کر جنگل کی طرف دوڑ آئیں۔

حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے سلطان سنجر کو اسی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے

یہ قطعہ لکھا تھا جب سلطان نے انہیں ملک نیمروز کی پیشکش کی تھی:

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
گر در دل بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ خبر یافتم از ملک نیم شب
من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

اس باطنی دولت اور روحانی لذت کی قدر و قیمت وہی جانتے ہیں جنہوں نے یہ چاشنی چکھی ہے۔

حق تعالیٰ شانہ اپنی ذات کے عاشقوں کو اسباب و وسائل کے بغیر وہ قلبی راحت و لذت عطا فرما دیتے ہیں جس کا تصور بھی اربابِ وسائل کے لیے مشکل ہے۔ جس طرح حق تعالیٰ شانہ بعض خوش بختوں کو اسباب کے بغیر دولتِ راحت و لذت عطا فرماتے ہیں اسی طرح بہت سے لوگوں کو ظاہری اور مادی نعمتیں دے کر حقیقی راحت و لذت سلب بھی کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ بظاہر حکومت و طاقت، دولت و ثروت، سیم وزر اور مال و اسباب والے ہوتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہیں راحت و عافیت کے تمام اسباب مہیا ہیں، لہٰذا اُن کا ہر لمحہ اور ہر گھڑی پُرعیش و پُرطرب ہوگی، لیکن درحقیقت امرِ الٰہی نہ ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی حسرت و عبرت کا ایک دردناک باب ہوتی ہے۔

درسِ عبرت کے لیے دنیا کے چند نامور کروڑ پتی اور ارب پتی افراد کی حالت ذرا ملاحظہ ہو:

امریکہ کے مشہور کروڑ پتی راک فیلر کے یہ الفاظ اپنے اندر عبرت کا بہت بڑا سبق رکھتے ہیں۔ اس نے کہا تھا: ''میرے پاس اتنی دولت ہے کہ میں اس کا حساب بھی نہیں کر سکتا لیکن یہ ساری جائیداد دینے کو میں بخوشی تیار ہوں اگر ایک وقت بھی پیٹ بھر کر کھا سکوں۔''

راک فیلر کی دولت و ثروت کے افسانے دنیا کے گوشے گوشے میں زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ ایک دنیا آج تک اس کی قسمت پر رشک کر رہی ہے اور خدا جانے کتنے ایسے ہیں جن کے منہ میں اس کی دولت کا ذکر سن کر پانی بھر آتا ہوگا۔ لیکن خود اس بے چارے کا یہ حال تھا کہ باوجود اس امیری کے مفلس و لاچار تھا اور باوجود اس افراطِ سیم وزر کے ایک وقت پیٹ بھر کر کھانے کی حسرت رکھتا تھا۔ اور اس نعمت کے آگے اپنے کروڑوں ڈالروں کے ڈھیر پر لات مارنے کے لیے تیار تھا۔ پچاسی سالہ یہ شخص شروع ہی سے سوءِ ہضم کا مریض رہا۔ ظاہر ہے کہ اس نے اپنے علاج پر کیا کچھ نہ خرچ کیا ہوگا۔ بایں ہمہ چوبیس گھنٹے میں تھوڑے سے دودھ اور بسکٹوں کی قلیل مقدار کے کچھ نہ کھا سکتا تھا۔ حالانکہ اس کے مزدور اور نوکر چاکر دن بھر پیٹ بھر کر دنیا کی نعمتیں اور لذیذ غذائیں کھاتے تھے اور یہ لاکھوں انسانوں کی قسمتوں کا بظاہر مالک ایک وقت پیٹ بھر کر حسبِ دلخواہ کھانے کو ترستا تھا۔ دنیا کے مال و دولت پر رشک کرنے والے غریبوں کو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ دنیا کا متمول ترین آدمی اُن کی حالت پر رشک کر رہا ہے۔

ایک اور مشہور امریکی ارب پتی ''ہنری فورڈ'' کا نام بھی اکثر لوگوں کو معلوم ہوگا۔ یہ شخص دولت قارون سے بھی بڑے خزانوں کا مالک ہے۔ لیکن وہ بھی معمولی سی قلیل مقدار میں پرہیزی غذا کے سوا کچھ نہیں کھا سکتا۔ ڈاکٹروں کی ایک جماعت ہر وقت اس کی نگرانی میں لگی رہتی ہے۔ وہ تمام لذتوں سے یکسر محروم ہے۔ حالانکہ اس کے ادنیٰ ملازم اور نوکر چاکر اس کی آنکھوں کے سامنے عیش و عشرت کرتے ہیں اور وہ انہیں دیکھ کر ترستا ہے۔ جاننے والوں کا بیان ہے کہ دولت و ثروت سے جتنے لطف انسان اس مادی دنیا میں اُٹھا سکتا ہے اور جو جو لذتیں روپیہ سے خرید سکتا ہے اُن سب سے یہ قارونِ وقت یکسر محروم ہے۔

دولت کو حاصلِ عمر اور پیسے کو سرمایۂ زندگی سمجھنے والے زر و دولت کی اس لاحاصلی سے سبق سیکھ سکتے ہیں۔

امریکہ کا ایک اور کروڑ پتی اور کئی اخبارات کا مالک مسٹر ایڈورڈ اسکرپس تھا۔ سالہا سال کی عیش و عشرت کے بعد اس کا دل دنیا کے ہنگاموں سے سرد ہوگیا اور اُسے سکون و یکسوئی کی تلاش پیدا ہوئی۔ خالص مادی دنیا اور نام نہاد تہذیب و تمدن میں یہ بات کہاں نصیب! بالآخر چالیس لاکھ ڈالر کے خرچہ سے ایک بحری جہاز بنوایا اور آلات کی مدد سے اُسے ہر قسم کی آوازوں سے محفوظ کر لیا، یعنی کوئی ہلکی سے ہلکی آواز بھی کانوں تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ اس طرح اپنے گرد و پیش ایک مصنوعی خاموشی اور عالمِ سکوت قائم کر کے وہ یہ سمجھا کہ اب سکونِ خاطر ہو جائے گا۔ اخبارات کا کاروبار اپنے لڑکے کے سپرد کیا اور تلاشِ سکون کی مہم پر روانہ ہوگیا۔ ایک دو ملک نہیں، ساری دنیا کا چکر لگایا اور ایک مرتبہ نہیں، دو مرتبہ لگایا۔ لیکن دل کا سکون مادی آوازوں کا راستہ بند کر دینے سے نہ حاصل ہونا تھا نہ ہوا۔ اسی حالتِ حسرت و یاس میں پیامِ اجل آ پہنچا اور اس کی لاش حسبِ وصیت سمندر کی گہری خاموشیوں کے حوالے کر دی گئی۔

یورپ میں اس وقت بے اطمینانی کا ایک عالم گیر ماتم برپا ہے۔ اہلِ فرنگ نے دولت کی فراہمی میں قارون کو بھی مات کیا ہوا ہے۔ اور تمام دنیا سے سرمایہ داری اور مال داری میں گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ مگر دل کی بے اطمینانی سے چیخ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود کمالِ دولت اور سامانِ عیش و عشرت کے خودکشی کی جس قدر وارداتیں یورپ میں ہوئی ہیں، نادار اور پسماندہ ممالک میں ان کا عشرِ عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ خصوصاً مسلمان قوم جو دُنیوی حالت میں تمام قوموں سے پست اور کم تر ہے، خودکشی کی بہت کم مرتکب ہوئی ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ اگرچہ مسلمانوں نے اپنے مذہبی احکام اور دینی ارکان بہت حد تک ترک کر دیئے ہیں اور ان کی قلبی اور روحانی غذاؤں ذکر و فکر، نماز، روزہ، اطاعات اور اتباعِ سنت میں بہت کمی ہوگئی ہے، مگر پھر بھی اسلام ایک ایسا حاوی، ہمہ گیر اور محیط مذہب ہے کہ اس کے اثرات ایک مسلمان پر مہد سے لے کر لحد تک جاری و ساری رہتے ہیں۔ اس لیے مسلمان خواہ کتنا ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو، وہ قلبی و روحانی غذا کے سہارے اپنے آپ کو سنبھالتا ہے اور مضطرب و پریشان ہو کر آپے سے باہر نہیں ہوتا اور خودکشی نہیں کرتا۔ اس کے برعکس جب کافر کے عیش و عشرت میں زوال آتا ہے تو اُس کا حُبابِ زندگی حوادثِ دنیا کی بادِ مخالفت کی تاب نہ لا کر فوراً ٹوٹ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خودکشی کے اکثر وہی لوگ زیادہ مرتکب ہوتے ہیں جن کی مذہبی اور دینی حالت نہایت پست ہوا کرتی ہے۔

نیویارک میں ایک کروڑ پتی مسٹر بریوسٹر تھے۔ ان کی میم صاحبہ کا حسن و جمال زبان زدِ خاص و عام تھا۔ شوہر اس قدر دولت مند اور بیوی اس قدر حسین، بظاہر ان سے زیادہ پُرمسرت اور کامیاب زندگی کسی کی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ایک اچھی خاصی تعداد امریکہ میں ایسے لوگوں کی تھی جو اس خوش نصیب جوڑے کی زندگی پر رشک کرتی تھی۔ جون ۱۹۲۶ء میں میاں بیوی دیہات میں اپنے علاقہ پر گئے۔ ایک روز صبح کو خدمت گاروں نے دیکھا کہ مسٹر بریوسٹر کی خواب گاہ میں دونوں میاں بیوی خون میں لت پت پڑے ہیں۔ تفتیش کی گئی مگر ان کی خودکشی کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ اور یوں ان کی خودکشی کا سبب بھی دونوں کے جسموں کے ساتھ ہی مدفون ہوگیا۔

اٹلی کے ایک امیر کبیر گوسپ بوگیانی گزرے ہیں جنھوں نے امریکہ آ کر بے شمار دولت پیدا کی اور پھر امریکہ کو ہی اپنا وطن بنالیا۔ یہ آغاز تھا، انجام یہ ہوا کہ ''کومو'' کی خوش منظر جھیل کے کنارے قیام گاہ بنا رکھی تھی۔ ایک دن ایک درخت سے اپنی گردن میں پھندا لگا کر خودکشی کر لی اور حسبِ ذیل تحریر چھوڑی: ''مجھے اپنی طویل زندگی میں تجربہ ہوگیا کہ راحت کی اگر تلاش ہے تو وہ روپے کے ڈھیروں میں نہیں ملتی۔ اب میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ میں تنہائی اور افسردگی کی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ جس وقت میں نیویارک

میں ایک معمولی مزدور تھا اس وقت مجھے پوری مسرت حاصل تھی۔ لیکن آج جب کروڑوں کا مالک ہوں میری افسردگی خاطر اور بے اطمینانی کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔ میں ایسی تلخ زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔"

روپے کو ہر درد کی دوا جاننے والے دولت مند کی عاجزی اور بے بسی کو دیکھیں۔

مذکورہ بالا واقعات مفروضات اور تمثیلی قصے نہیں بیتی ہوئی سرگزشتیں ہیں۔ ایک طرف بڑے بڑے عظیم الشان سرمائے ہیں، بڑے بھاری کارخانے ہیں، بڑی بڑی تجارتی کوٹھیاں ہیں، کروڑوں اور اربوں کی جائیدادیں ہیں اور ان کے پہلو بہ پہلو بے قراریاں، بے اطمینانیاں، حسرتیں، مایوسیاں، ناکامیاں اور افسردگیاں ہیں۔ اس صورتِ حال میں قرآن کریم کی اس ابدی حقیقت کو پڑھیے اور سبق حاصل کیجئے کہ الابذکر اللہ تطمئن القلوب۔ "آگاہ رہو کہ دل اللہ کے ذکر ہی سے سکون پاتے ہیں۔"

آج بھی حقیقی راحت کی اگر تلاش ہے، اصلی سکون کی اگر تمنا ہے اور دائمی دل جمعی کی اگر آرزو ہے تو ہار کر، تھک کر، ہر طرح کا تجربہ کر کے بالاخر اللہ تعالیٰ کی یاد اس کی عبادت اس کی اطاعت کی طرف آنا پڑے گا اور اگر خودکشی کے واقعات کی تعداد بڑھانی ہے تو دنیا کے دروازے کھلے پڑے ہیں۔

عمر برق و شرار ہے دنیا
کتنی بے اعتبار ہے دنیا
داغ سے کوئی دل نہیں خالی
کیا کوئی لالہ زار ہے دنیا
گرچہ ظاہر میں صورتِ گل ہے
پر حقیقت میں خار ہے دنیا
زندگی نام رکھ دیا کس نے
موت کا انتظار ہے دنیا

☆......☆......☆

اے مسلمان! اَب بیدار ہوجا......!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیو! دجال قادیان، مرزا قادیانی کوئی معمولی نوعیت کا مجرم نہیں، یہ پورے عالم اسلام اور اسلام کا مجرم ہے، اس کی فرد جرم شیطان کی آنت سے بھی زیادہ طویل ہے، خدائی کا دعویٰ کرنے میں یہ فرعون، نمرود اور شداد ہے، نبوت کا دعویٰ کرنے کے جرم میں یہ اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب ہے، توہین رسالت کرنے کے جرم میں یہ ابو جہل، ابولہب اور ولید بن مغیرہ ہے، قرآن مجید میں تحریف کرنے کے جرم میں یہ یہودی ونصرانی ہے، صحابہ کرام کی توہین کرنے کے جرم میں یہ ابن سبا ہے، دین کی توہین کرنے کے جرم میں یہ خارجی ہے، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بکواس کرنے کے جرم میں یہ شمر ہے، اسلام کو گالیاں دینے کے جرم میں یہ راجپال اور سلمان رشدی ہے، ظاہراً مسلمان اور باطناً (اندر سے) کافر ہونے یعنی منافق ہونے کے جرم میں یہ عبداللہ بن ابی ہے، خود کو انسان کا بچہ نہیں بلکہ کرم کی خاکی (کیڑا) کہنے کے جرم میں یہ ڈارون کی اولاد ہے، جھوٹے خدا شداد نے بہشت بنائی اور جھوٹے نبی مرزا قادیانی نے بہشتی مقبرہ بنایا، اس کفریہ نقالی کے جرم میں شداد کا علم بردار ہے۔

اے مسلمان! تو بہت سوچکا...... اب بے دار ہوجا...... بہت لٹ چکا...... اب ہوشیار ہوجا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے برسر پیکار ہوجا، اپنے اسلاف کی تابندہ روایات کو پھر زندہ کر...... جہاد کا علم لے کر اٹھ...... شہادت کا جذبہ لے کر اٹھ...... طوفان کی صورت چل...... سیلاب کی صورت چل...... قادیانیت کے شجر خبیثہ کو بہالے جا اور اپنی گرج دار آواز میں یہ اعلان کرتا جا......

لکھتا ہوں خون دل سے الفاظ احمریں
بعد از رسولؐ ہاشمی کوئی نہیں

دینی مدارس کے امتیازات

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان

یہ تاریخ اسلام کی ایک آشکار حقیقت ہے کہ جب بھی دشمنانِ اسلام اور اعداء دین نے اسلامی تعلیمات کا چراغ گل کرنے اور رجال دین کی ہر طرح کی دینی سرگرمیوں پر قدغن لگانے کی ناپاک کوششیں کیں، اس چراغ کی ضیا پاشیوں اور ضوفشانیوں میں پہلے سے زیادہ بانکپن پیدا ہوا اور علماء ومشائخ دین کی سرگرمیوں اور اُن کے جوش عمل میں مزید ترقی ہوئی۔ اسلام کی تابناک تاریخ میں ایسے کئی ادوار گزرے ہیں جس میں اپنے وقت کے مقتدر اعداء اسلام اور دین دشمن طبقے، علماء دین کے درپے آزار ہوئے، انہیں اذیت ناک صعوبتوں میں ڈال کر اور طرح طرح کی تکلیفیں دے کر دینی سرگرمیوں سے دست کش اور اسلامی تعلیمات کو پھیلانے کے لئے اپنی خدمات سے دستبردار کرانے کی مذموم کاوشیں کی گئیں، لیکن ان پاکباز ہستیوں نے ہر ایسے دور میں دین کی سربلندی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن تعلیمات کی ترویج کے لئے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر قربانیاں دیں۔ انہوں نے اپنی لازوال خدمات اور قربانیوں کی لو سے دین کا چراغ ظلم، واستبداد اور وقت کے ہر مخالف ماحول میں روشن رکھا۔

برصغیر میں انگریزی استبداد کے دور میں بے پناہ صعوبتوں کے باوجود ہمارے اکابر نے دین کا چراغ روشن رکھ کر مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت اور دینی علوم کی ترویج کے لئے جس شان جرأت واستقلال کے ساتھ اپنی خدمات پیش کیں، وہ تاریخ کے اسی تسلسل کا ایک حصہ ہے۔ اس وقت کی استبدادی قوت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ علماء اور مسلمانوں کا اپنے دین و مذہب پر ایمان و ایقان اور اس کے ساتھ مضبوط وابستگی تھی۔ اس کا تدارک کرنے کے لئے انگریزوں نے مختلف تدابیر اور حربے اختیار کئے۔ عام مسلمانوں اور بالخصوص ان کے مذہبی پیشواؤں پر ظلم وجبر کے پہاڑ توڑے گئے، انہیں قتل کیا گیا، پھانسیاں دی گئیں، پابند سلاسل کیا گیا۔ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ظلم وستم اور قتل وغارت کا متشددانہ طریقہ واردات ناکام ثابت ہوا تو مسلمانوں کو سیاسی غلامی کے ساتھ ذہنی طور پر غلام بنانے کے لئے ایک نصاب تعلیم مرتب کر کے، ہندوستان کے اسکولوں اور کالجوں میں رائج کیا گیا، تاکہ مسلمانوں کی نئی پود فکر ونظر اور مسلک ومشرب کے اعتبار سے غیر شعوری طور پر انگریز کے ہم خیال بن جائے، الغرض مسلمانوں کو ذہن اور

تربیت کے اعتبار سے فرنگی بنانے کے لئے ہر طرح کے حربے استعمال کئے گئے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے اکابرین اور علماء کرام نے ہر محاذ پر ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

ایسے دل شکن اور کٹھن حالات میں اسلام اور دین سے وابستگی کو قائم و برقرار رکھنے، دینی علوم اور دینی ذہنیت کی حفاظت کے لئے دارالعلوم دیوبند کا قیام گھپ اندھیرے میں روشنی کا مینار ثابت ہوا۔ انگریزی تسلط کے بعد دینی علوم وفنون کی حفاظت اور مسلمانوں کو انگریزوں کی ذہنی غلامی کے شکنجے سے باہر نکالنے کی جدوجہد سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند نے کی۔

دارالعلوم دیوبند میں مستحکم بنیادوں پر ایسا نصاب تعلیم وضع کیا گیا، جسے صحیح معنوں میں پڑھنے والا علم وفن کے تمام شعبوں پر پُر اعتماد تبحر کے ساتھ حاوی ہونے کی صلاحیت سے مالا مال ہوسکتا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے بعد اسی نہج پر دوسری بڑی درس گاہ مظاہر علوم سہارنپور کا قیام عمل میں آیا۔ رفتہ رفتہ برصغیر کے طول وعرض میں دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے چشمہ فیض سے اکتساب کرنے والوں کے قائم کردہ دینی مدارس اور جامعات کا ایک کہکشاں بنتا گیا۔ ہمارے اکابر کی طرف سے دینی مدارس کے قیام کے اس مبارک اقدام کا مسلمان معاشرے میں والہانہ استقبال کیا گیا۔ اپنے دین کی حفاظت اور اسلامی علوم وفنون کی تحصیل کا جذبہ رکھنے والے اندرون اور بیرون ملک سے جوق در جوق ان مدارس میں داخل ہونے لگے۔ ان مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والوں نے اکناف عالم میں پھیل کر علوم قرآن وسنت کی جو خدمات انجام دیں، حدیث، تفسیر اور فقہ کے سلسلے میں امت مسلمہ کو اپنی تصنیفات وتالیفات کے ذریعے جو شاندار سرمایہ دیا، موجودہ صدی میں پورے عالم اسلام میں اس کی نظیر موجود نہیں۔

ہمارے اکابرین کی ان خدمات کے نتیجے میں قرآن وسنت کی حفاظت کا ایسا مضبوط اور مستحکم نظام تعلیم قائم ہوگیا کہ مسلسل سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود انگریز اس نظام تعلیم کے خدوخال، اپنی منشا کے مطابق تبدیل کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کرسکے۔ ان دینی مدارس کا نصاب تعلیم و ترتیب اپنی تمام تر خدوخال کے ساتھ موجود ہے اور ان شاء اللہ تاقیامت موجود رہے گا۔ لیکن بڑی جگر کاوی کے بعد لارڈ میکالے کی دماغی کاوشوں کے نتیجے میں مسلمانوں کو اپنا ذہنی غلام بنانے کے لئے انگریزوں نے جو نصاب تعلیم وضع کیا تھا، وہ برصغیر کے اسکولوں، کالجوں اور عصری یونیورسٹیوں میں آج بھی اسلامیات اور دینیات کی معمولی پیوندکاری کے ساتھ رائج ہے۔ نتیجتاً وہاں سے تعلیم حاصل کرنے والے مذہب وعقیدہ کے لحاظ سے قابل رشک اور قابل تقلید باعمل مسلمان نہیں رہتے۔ انگریزی تعلیم وتربیت کے نتیجے میں ان کا طرز فکر غلامانہ ومحکومانہ ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔ ان عصری درسگاہوں کے مقابلے میں ہمارے دینی مدارس کئی نمایاں خصوصیات وامتیازات کے حامل ہیں۔

(۱) خلوص اور دردمندی کے شرر سے دلوں کی آگ، شعلہ بن کر ظاہر ہوتی ہے۔ دینی مدارس کے اساتذہ اور طلباء تقویٰ، للّٰہیت، اخلاص اور ایثار کے جن جذبات سے سرشار ہوکر اپنے مستقبل کی تعمیر میں مصروف عمل رہتے ہیں اور دنیاوی جھمیلوں سے اپنا دامن بچا کر جس شوق اور جذبے کے ساتھ علم دین حاصل کرتے ہیں، وہ اس گئے گزرے دور میں ایسی صفات سے وابستگی کی بنا پر قابل فخر نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ الغرض اخلاص اور ایثار ان مدارس میں پڑھنے اور پڑھانے والوں کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ دین دشمن اور سیکولر طبقہ، دینی مدارس سے وابستہ رہنے والوں پر غربت اور کسمپرسی کی پھبتیاں کستے ہوئے یہ پروپیگنڈہ کرتا ہے کہ دینی مدارس کی طرف زیادہ رجحان ان لوگوں کا ہوتا ہے،

جو فلاں اور غربت کے سبب تعلیم کے اخراجات کا تحمل نہ کرسکنے کی وجہ سے اسکول، کالج اور یونی ورسٹی کے لائق نہیں رہتے۔ یہ سراسر جھوٹا الزام ہے، حقائق اور امر واقع کے بالکل برعکس ہے۔ کالج، اسکول اور یونی ورسٹیوں کی طرح یہاں بھی غریب، امیر دونوں طرح کے طلبہ ہوتے ہیں، متمول اور ذی وجاہت خانوادوں سے تعلق رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد یہاں بھی ہوتی ہے۔ وہ محض اخلاص اور دینی شوق وجذبہ کی بنیاد پر ان مدارس کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ دینی مدارس کے اساتذہ کو بقدر کفایت تنخواہ دی جاتی ہے۔ ان کی قابلیت ولیاقت اور علمی وجاہت سے متاثر ہوکر ملک اور بیرون ملک کی عصری درسگاہیں بھاری تنخواہوں اور پُرکشش مراعات اور سہولیات کے ساتھ، کوئی معقول عہدہ قبول کرنے کے لئے انہیں ترغیبات دیتی ہیں لیکن وہ اپنی موجودہ حالت پر قناعت کرتے اور اپنے موجودہ منصب کو ذریعہ نجات باور کرتے ہوئے ان کی پُرکشش ترغیبات کو جس شانِ استغناء کے ساتھ رد کردیتے ہیں، یہ ان کے اخلاص اور ایثار کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

(۲) دینی مدارس کے طلباء اور اساتذہ اپنے مقصد سے والہانہ شیفتگی رکھتے ہیں۔ وہ اپنے کام کی دھن میں مگن، دن رات طلب علم کی مشغولیتوں میں منہمک رہتے ہیں۔ اساتذہ اور طلباء دونوں کی دلچسپیاں پڑھنے اور پڑھانے تک محدود ہوتی ہیں۔ دینی مدارس کے علم پرور ماحول میں اپنی تعلیمی اور علمی سرگرمیوں سے عشق کی حد تک تعلق رکھنے والے ان اساتذہ وطلباء نے اپنے آپ کو اس علم کے لئے وقف کیا ہوا ہے۔ دنیا اپنی تمام رعنائیوں اور سازوسامان کے باوجود ان کے لئے، اپنے اندر کوئی کشش نہیں رکھتی، اس لئے تعلیم وتعلم کے ساتھ ان کی بے پناہ وابستگی کی راہ میں پیسوں کی کھنک اور دنیا کی کشش کبھی حائل نہیں ہوسکی۔ اس کی بڑی وجہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور اخلاص کا وہ جذبہ ہے، جس نے ان کو دنیا کی آرائشوں اور کشائش سے بے نیاز کردیا ہے۔

کالجوں، یونی ورسٹیوں اور عصری درس گاہوں میں یہ صفات جوہر نایاب ہیں، یہاں کے ماحول میں اپنے علم وفن سے وہ وابستگی، وہ محنت وجدوجہد اور مخلصانہ ذوق وشوق کے وہ مظاہر قطعاً نظر نہیں آتے، جو ہمارے دینی مدارس میں دن رات کے علمی وتعلیمی معمولات کا حصہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان عصری اداروں میں پڑھنے اور پڑھانے والوں کا اصل مقصد دنیاوی جاہ وحشمت اور حصول معاش ہوتا ہے، چنانچہ وہ اپنی تمام تر توجہات سند اور ڈگری کے حصول پر مرتکز رکھتے ہیں کہ اس کے ذریعے ملازمت اور معاش کے معقول مواقع ملنے کے امکانات روشن ہوجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں صرف امتحانات کے زمانے میں محنت اور جدوجہد کی وقتی طور پر کچھ سرگرمیاں نظر آتی ہیں جو امتحانات کے اختتام کے ساتھ ہی ماند پڑجاتی ہیں۔

(۳) دینی مدارس کے استاذ اور شاگرد ایک دوسرے کے لئے عظمت واحترام اور محبت ویگانگت کے مہین جذبات سے سرشار ہوتے ہیں، اساتذہ اپنے شاگردوں کے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آتے ہیں، ان کی تعلیم وتربیت پر دن رات اپنی توجہات مرکوز کئے رکھتے ہیں، طلباء اپنے اساتذہ کے سامنے جس قدر تواضع اور ادب واحترام کے ساتھ زانوئے تلمذ تہہ کرتے اور ان کی فرمانبرداری وتابعداری کے لئے جس طرح ہمہ وقت تیار رہتے ہیں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں کے درودیوار کو ایسے بے لوث جذبات کی جھلکیاں دیکھنا نصیب نہیں ہوئی ہوں گی، یہ دینی مدارس کی عظیم خصوصیت ہے، کالجوں اور یونی ورسٹیوں کے طلباء اپنے اساتذہ کے ساتھ جس ہتک آمیز سلوک سے پیش آتے ہیں، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، وہ اپنے اساتذہ پر ہاتھ اٹھانے سے بھی دریغ نہیں

کرتے، وہاں احتجاجی جلسے جلوس اور ہڑتالیں ہوتی ہیں، کبھی حالات اس قدر ناگفتہ بہ بن جاتے ہیں کہ فوج اور رینجرز تک کو مداخلت کرنی پڑتی ہے، ہمارے دینی مدارس میں الحمدللہ اس طرح کے افسوس ناک واقعات کبھی پیش نہیں آتے، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں اساتذہ اور طلباء کے درمیان محبت اور شفقت کا بے لوث رشتہ استوار ہے۔

(۴) دین کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کو عقیدہ اور نظریہ کے لحاظ سے کمزور اور گمراہ کرنے کے لئے انفرادی یا اجتماعی سطح پر جس قدر فتنے اٹھے، ان کی سرکوبی کے لئے دینی مدارس کے علماء ہی سب سے پہلے میدان میں اترے، ہر زمانہ میں ہر باطل فتنہ کے سامنے سینہ سپر ہوکر، ان مدارس نے ڈٹ کر ایسا جرأت مندانہ اور مجاہدانہ مقابلہ کیا کہ انہیں دیواروں سے لگادیا، ان فتنوں کی سرکوبی کے لئے نکلنے والوں میں کبھی کالجوں اور یونی ورسٹیوں کے تربیت یافتہ شامل نہیں ہوتے، الا ماشاءاللہ دین کی حفاظت اور باطل سے مبارزت اور لادینیت کے علمبرداروں کو شکست دینے کا فریضہ ہمیشہ ان ہی علماء نے سرانجام دیا۔

(۵) برصغیر کو انگریز کے استبدادی قبضہ سے آزاد کرانے اور مسلمانوں کی گردن سے غلامی اور محکومی کا طوق اُتارنے کے لئے سب سے پہلی صدا علماء دیوبند نے بلند کی، آزادی اور حریت کے حصول کے لئے ان علماء ربانیین نے جو قربانیاں دیں، وہ ہماری تاریخِ حریت کا ایک نمایاں عنوان ہے، شاملی کا میدان آج تک اس دور کی قربانیوں کی یاد تازہ کرتا ہے جس میں سیدالطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا قاسم نانوتوی رحمہم اللہ تلواروں اور نیزوں سے مسلح ہوکر انگریز کے خلاف آمدۂ جنگ و پیکار ہوئے۔ گھمسان کا رن پڑا، کئی علماء بے جگری سے لڑ کر خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ دوسری طرف علماء صادق پور نے پٹنہ اور صوبہ بہار کے اندر انگریز کے خلاف مسلح جدوجہد کی، ولولہ انگریز داستانیں رقم کیں، الغرض آزادی کی جنگ میں ان علماء نے بے شمار قربانیاں دیں، قتل کئے گئے، پھانسی گھاٹ پر چڑھائے گئے، پابند سلاسل کردیئے گئے اور کالے پانی کی قید کی سزائیں بھگتیں، دارالعلوم دیوبند کے شیوخ حدیث، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمدؒ، مولانا عزیر گلؒ، مولانا عبدالوحیدؒ اور حکیم نصرت حسینؒ طویل عرصہ تک مالٹا کی جیل میں قیدوبند کی اذیت ناک تکلیفوں میں مبتلا کئے گئے، بہت سے علماء کو خنزیر کی کھال میں لپیٹ کر زندہ درگور کردیا گیا، دین کی حفاظت اور مملکت کی حریت کے لئے یہ ساری قربانیاں انہیں علماء دیوبند نے دیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ ان کے جانشین اور حقیقی وارثین اب بھی ایسے حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے اپنی ہر طرح کی قربانیاں پیش کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار ہیں اور ان شاءاللہ تیار رہیں گے۔

اللہ جل شانہ دین کے محافظ ان مدارس کی حفاظت فرمائے، ان کو فتنوں اور دشمنوں کے شر سے محفوظ فرمائے اور ان کے منتظمین اور معاونین کو خلوص و استقامت کے ساتھ دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆

ہمارا عمل اور اللہ تعالیٰ کی عطا

ہماری محنت اور مجاہدہ اللہ تعالیٰ کی عطا کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، یہ ایسا ہے جیسا چھوٹا سا دانہ لے کر پورا گاؤں کسی کو دے دیں تو یہ نہیں کہیں گے کہ یہ رائی کا دانہ گاؤں کے برابر ہے بلکہ یہ بادشاہ کا انعام ہے، ایسے ہی ہمارا ذرا سا عمل لے کر اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمتوں کے پہاڑ جنت میں عطا فرماتے ہیں، یہ ان کا بہت بڑا انعام ہے، ہمیں اس انعام پر شکر گزار ہونا چاہئے۔



دو آنسو

بینا رانی

"یہ کون سے ہاتھ سے چائے پی رہی ہو تم......؟" امیمہ نے آنکھیں نکالتے ہوئے غصے سے میرے ہاتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے جلدی سے چائے کا کپ دائیں ہاتھ میں لے لیا۔

"اللہ کی بندی! کتنی بار کہا ہے بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے، دائیں ہاتھ سے کھانا پینا سنت ہے۔"

"ہاں یار، یاد ہے مجھے، وہ بس بھول ہوجاتی ہے کبھی کبھی......" میرے لہجے میں ندامت تھی۔

امیمہ میری بچپن کی دوست تھی، اس کے گھر اور میرے گھر کے درمیان ایک گلی کا فاصلہ تھا، اسے بچپن سے دین سے بہت لگاؤ تھا، وہ جب بھی میرے گھر آتی، مجھے دین کے بارے میں ڈھیروں باتیں سکھا کر جاتی، ہر کام سنت طریقے سے کرنا اس نے اپنی عادت بنالی تھی اور اپنی یہی عادت وہ وقتاً فوقتاً میرے اندر اتار رہی تھی، پہلے میں ہاف بازو والی قمیص پہن لیا کرتی تھی، مگر امیمہ نے نصیحتیں کر کر کے آخر میری یہ عادت بھی ختم کرا ہی دی تھی، مجھے شرعی پردے کی طرف راغب کرنا بھی اس کی دن رات کی محنت تھی، اس نے مجھے دنیا کے بکھیڑوں سے نکال کر خالق حقیقی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جینا سکھایا تھا، اس لحاظ سے وہ میری محسنہ بھی تھی، میں خدا کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی تھی، جس نے مجھے امیمہ جیسی دوست عطا کی، وقت دھوپ میں رکھی برف کی طرح پگھلتا رہا اور امیمہ کی شادی ہوگئی، شادی والے دن بھی اس نے ایک نماز قضا نہ کی، شادی کے بعد وہ ایک آدھ بار مجھ سے ملی اور اس کی شادی کے چھ ماہ بعد مجھے بھی رخصت کردیا گیا، شادی کے بعد ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، کہاں ہم ایک ہفتہ بھی ایک دوسرے کو دیکھے بغیر نہیں گزار سکتے تھے، کہاں اب سال ہونے کو آیا تھا، ایک دوسرے کی شکل کو دیکھے، البتہ فون پر بات ہوتی رہتی تھی، میرا امیمہ سے ملنے کو بہت جی چاہ رہا تھا، میں امی کے گھر کچھ دنوں کے لئے آئی ہوئی تھی۔

"امیمہ میں امی کی طرف آئی ہوئی ہوں، تم ادھر آؤ تو مجھ سے ملنے ضرور آنا، ورنہ میں ناراض ہوجاؤں گی۔" میں نے امیمہ کو فون کر کے کہا تو اس نے حامی بھرلی۔

"ہائے امیمہ تم......" اتنے عرصے کے بعد امیمہ کو دیکھ کر میں بے اختیار اس کے گلے لگ گئی، امیمہ بھی مجھ سے بہت گرمجوشی سے ملی، گلے ملنے کے بعد میں نے اس کے سراپے پر جو نظر دوڑائی تو میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا، مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا، میں پلکیں جھپکا جھپکا کر اسے دیکھ رہی تھی، ایسے جیسے وہ پلکیں جھپکا کر دیکھنے سے پہلے جیسی نظر آئے گی...... میرا دماغ سائیں سائیں کررہا تھا...... ہاف بازو والی شرٹ اور چست پینٹ میں سر پر اسکارف لئے وہ کوئی ماڈل لگ رہی تھی، یہ وہی امیمہ تھی، ایک ایک سنت پر جان چھڑکنے والی، آج اس کے سراپے میں ہی جانے کتنی سنتوں کا جنازہ نکل رہا تھا۔

"امیمہ یہ...... یہ تم ہو......" میرے منہ سے گھٹی گھٹی

آواز میں بس اتنا ہی نکل سکا۔
"چھوڑو بھئی ان باتوں کو...... یہ لمبا کیس ہے...... اور سناؤ کیا حال چال ہیں، کیسی گزر رہی ہے زندگی......؟" وہ ایک ادائے بے نیازی سے مسکراتے ہوئے بولی تو میرے اندر چھن سے کچھ ٹوٹ گیا۔
"مگر امیمہ...... تم تو...... نفرت کرتی تھی اس حلیے سے...... اب تم...... یہ کیا ہے......؟" میں ٹوٹے دل کے ساتھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ استعمال کررہی تھی۔
"بس یار کہہ تو رہی ہوں لمبا کیس ہے...... خیر بغیر پوچھے تو تم بھی جان نہیں چھوڑو گی، اس لئے مختصراً بتا دیتی ہوں، میرے سسرال میں آزاد ماحول ہے، سب آزاد خیال لوگ ہیں، کوئی برقعہ تو کیا چادر بھی نہیں لیتا، سب ایسا ہی لباس استعمال کرتے ہیں جو تم مجھے پہنا دیکھ رہی ہو، میں پردہ کرتی، کھلی اور بڑی قمیص پہنتی تھی تو سب میرا مذاق اڑاتے تھے، ہر وقت طعن و تشنیع، میں نہیں کرسکتی تھی یہ سب برداشت...... بہت ہتک محسوس ہوتی تھی مجھے ان کے عجیب وغریب جملوں میں...... آخر تنگ آکر میں نے بھی وہی حلیہ وہی لباس اپنا لیا جسے وہ سب پسند کرتے تھے، اب اس معاملے میں سب خوش ہیں مجھ سے...... لیکن دوسری باتوں میں پھر بھی اختلاف ہو ہی جاتا ہے۔" اتنا کہہ کر امیمہ خاموش ہوگئی، مجھے لگ رہا تھا جیسے کسی نے میرا دل مٹھی میں لے کر بھینچ دیا ہے، پھر بھی نہ چھوڑنے کے لئے، چند لمحے کمرے میں خاموشی کا راج رہا، آخر میرے لبوں کی حرکت نے اس خاموشی کو توڑا۔
"امیمہ تم ہی تو کہتی تھی بہنا کہ ہم لوگوں کو خوش کرنے کے لئے نہیں اپنے خالق کو راضی کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں، امیمہ تم نے ان لوگوں کو راضی کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے پھولوں کو پاؤں تلے روندنا شروع کردیا، تم نے دنیا کی خوشیوں کو آخرت کی کامیابی پر ترجیح دے دی امیمہ......" میں شکوہ کناں تھی، مگر صاف محسوس کررہی تھی کہ اسے میری باتوں میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہورہی، وہ بہت بے دلی سے میری درد میں ڈوبی گفتگو سن رہی تھی۔
"امیمہ یہ کون سا راستہ چن لیا تم نے...... مغربی تہذیب میں بے حیائی کے سوا کچھ نہیں امیمہ...... یہ ذلت کا گڑھا ہے...... سوچ کر تو دیکھو امیمہ، وہاں جا کر تو سورج بھی ڈوب جاتا ہے۔"
"ہوں...... اچھا سناؤ تمہارے شوہر کیسے ہیں؟" وہ میری باتوں کا رخ تبدیل کرنے کی پوری کوشش کررہی تھی، آخر کچھ ہی دیر بعد وہ اٹھ گئی۔
"اچھا میں چلتی ہوں...... اللہ حافظ۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے اٹھی اور تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکل گئی، میں اسے جاتا ہوا دیکھتی رہ گئی...... اس کے جانے کے بعد دروازے کو تکتے ہوئے میں سوچ رہی تھی۔
"کتنے عظیم لوگ تھے وہ جنہوں نے دین کی خاطر جسم چھلنی کرالئے تھے، اپنے جگر گوشوں کو لٹا دیا تھا، دہکتے کوئلوں پر لیٹنا پسند کرلیا تھا، اپنا تن من دھن قربان کردیا تھا مگر اپنے ایمان پر آنچ نہ آنے دی تھی، ایک ہم ہیں اپنے دین پر عمل کی خاطر لوگوں کی باتیں بھی برداشت نہیں کرسکتے، کتنا فرق ہے ہم میں اور ان میں...... مشرقی تہذیب کو پسند کرنے والی، اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر جان چھڑکنے والی میری پیاری سہیلی لوگوں کی باتوں کو سننے سے بچنے کے لئے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر مغرب کی بے حیا زندگی کو فخر سے اپنا بیٹھی تھی...... میں...... میں اس کے لئے صرف دعا ہی کرسکتی تھی...... وہ میری محسنہ ہے اور اس کی ہدایت کے لئے دعا کرنا، میں اپنے لئے فرض سمجھ رہی ہوں۔ یا اللہ امیمہ کو اور کل امت مسلمہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلا دے۔ آمین" میرے منہ سے نکلا اور بے اختیار دو آنسو میری آنکھوں سے نکل کر گالوں پر بہہ گئے۔

☆......☆......☆



شیطان ہر دم دشمن ہے ہمارا

بنت محمد نعیم

"یار طوبیٰ، تم اتنی بڑی ہوگئی ہو اور پردہ نہیں کرتی؟" کرن نے طوبیٰ کو صرف ڈوپٹے میں دیکھا تو حیران ہوگئی۔
"نہیں کرن، ابھی میں چھوٹی ہوں اور پھر ہمارے گھر میں کوئی بھی پردہ نہیں کرتا، تو اب اگر میں کروں گی تو سب بہت عجیب نظروں سے دیکھیں گے۔"

☆......☆......☆

"شبانہ پھپھو، آپ کے پیچھے سے بال نظر آرہے ہیں، آپ ان کو دوپٹے میں کرلیں، بالوں کا بھی پردہ ہوتا ہے۔" خدیجہ نے جب دیکھا کہ پھپھو اس طرح جارہی ہیں کہ بال نظر آرہے ہیں تو جلدی سے بتا دیا، یہ سوچ کر کہ میں عالمہ بن رہی ہوں اور کل کو اس بارے میں مجھ سے سوال ہوگا کہ تم نے انہیں تعلیم کیوں نہیں دی، پھر شبانہ پھپھو نے کیا خوب جواب دیا:
"میں ابھی عالمہ نہیں بنی، جب بنوں گی تو کرلوں گی، بالوں کا بھی پردہ۔"

☆......☆......☆

ارے فضا، کچھ دن پہلے تو تم برقعہ پہن کر آرہی تھی مدرسے، اب کہاں گیا آپ کا برقعہ؟"
"وہ خدیجہ باجی، میرے اوپر اچھا نہیں لگتا، میں بہت زیادہ بڑی لگتی ہوں، اس لئے بعد میں کروں گی۔"
ماشاء اللہ کیا بات ہے محترمہ کی، زیادہ بریانی کھانا بھی آپ پر اچھی نہیں لگتی، ابھی چھوڑ دو مرنے کے بعد کھالینا۔

☆......☆......☆

"سارا ویسے ایک بات تو بتاؤ، تم بازار برقعہ کیوں پہن کر جاتی ہو جبکہ تم باہر گلی میں تو پینٹ شرٹ پہن کر گھومتی ہو اور ہر وقت گھر کے دروازے پر کھڑی رہتی ہو۔"
"ہاں مانو بازار میں بہت رش ہوتا ہے نا اور بیہودگی بھی زیادہ ہوتی ہے، اس لئے پہننا پڑتا ہے۔"
یعنی دروازے پر کھڑے ہونا اور پینٹ شرٹ پہننا ادب کے خلاف نہیں ہے محترمہ کے لئے۔

☆......☆......☆

آج عورت نے پردے کو ایک عام چیز بنالیا ہے،

عورتیں سمجھتی ہیں، پردہ کرنا ایک تو صرف عالمات کا کام ہے، دوسرا جو عورتیں ہر جگہ تو پردے سے جاتی ہیں، مگر شادی بیاہ یا کوئی اور تقریب ہو تو اس کی زحمت نہیں کرتی، جیسے وہاں سب محرم ہی محرم ہو، آج کل بازاروں میں ایسی ایسی عورتیں نظر آتی ہیں کہ ان کو دیکھ کر خود بخود زبان سے استغفر اللہ نکل جاتا ہے، اب اگر کسی نے برقعہ پہننا بھی ہے تو صرف اس کا گاؤن پہن لیا ، باقی چادر جائے بھاڑ میں، سوٹ کا اتنا پیارا دوپٹہ ہے، وہ ہی اوڑھا اور چلتی بنی۔

پردہ اللہ رب العزت نے فرض کیا ہے تمام مسلمان عورتیں پر نا کہ صرف عالمات پر، جو عورت پردہ کرے گی، الگ ہی اس کی پہچان ہوگی کہ یہ عورت مسلمان ہے اور یہ بات تو طے ہے کہ صرف مسلمان عورت ہی پردہ کر سکتی ہے، غیر مسلم چاہے کوئی بھی ہو، وہ ہرگز پردہ نہیں کرے گی، یہ بہت عام بات ہے جو ہر مسلم اور غیر مسلم جانتا ہے، مسلمان عورت کے ایک بال پر بھی اگر کسی غیر محرم کی نظر پڑے تو اس عورت پر اللہ رب العزت اور اس کے محبوب رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت پڑتی ہے اور آج کی عورت کو تو اس چیز کا خیال ہی نہیں ہے، بغیر پردے کا تو باندیوں کو حکم تھا چلنے کا کہ ایک الگ پہچان ہو سکے کہ یہ باندی ہے تو کیا آج کی جو عورت پردہ نہیں کرتی، وہ باندی ہے؟......

آج کی عورت نے خود ہی اپنی عزت اپنے پیروں میں رکھ دی ہے، کالجوں میں خوبصورت لڑکیاں اغوا ہو جاتی ہے، کئی مرتبہ سنا ہے یا چلو مان لو کالج نہ سہی، بہت سی جگہوں سے اغوا ہوتی ہے، اگر وہ لڑکیاں پردہ کرتی تو کیا کسی کو معلوم ہوتا کہ وہ خوبصورت ہے؟ نہیں ہوتا نا تو اس لئے تو وہ پردہ نہیں کرتی، پھر خوبصورتی کی وجہ سے خوبصورت زندگی تباہ کر لیتی ہیں، اپنی بھی اور اپنے عزیزوں کی بھی اور ساری زندگی افسوس ہے، کاش میں بھی پردہ کر لیتی تو آج معاشرہ میں کچھ عزت تو ہوتی۔

ایک عورت بے پردگی کی وجہ سے چار مردوں کو جہنم میں لے کر جائے گی، باپ، شوہر، بھائی اور بیٹا، اب کیا عورت کو یہ منظور ہے کہ آج جس باپ کی وہ پیاری بیٹی ہے، جس شوہر کی خوبصورت بیوی ہے، جس بھائی کی لاڈلی بہن ہے اور جس بیٹے کی وہ سب سے اچھی ماں ہے، وہی سبب بن جائے، ان سب کو جہنم میں لے کر جانے کا۔

شرعی پردے کرنے والی عورت کو خود اللہ رب العزت جنت میں آکر اس کے حجرے میں ہی اس کو اپنا دیدار کروائیں گے، واہ...... سبحان اللہ، کیا شان ہے، معاشرے میں پردے والی عورت کی عزت ہوتی ہے، پردہ کرنے سے خود بخود ہی عزت کی حفاظت ہو جاتی، اگر ہمارے رب العزت نے ہم پر یہ فرض کیا ہے تو اسی میں ہمارے لئے بہتری ہے، کیونکہ وہ رب چاہتا ہے کہ میری بندی کو کوئی نہ دیکھے، یہ دنیا فانی ہے، ایک دن ختم ہو جانی ہے اور سارا کا سارا فیشن یہی رہ جانا ہے، کیا ہوگا قبر میں، جب اکیلے جائیں گے، ذرا سوچو تو میری ماں بہنوں؟ رب کو ایک دن جواب دینا ہے، آج پردہ کر لو، مشقت کی زندگی اتنی نہیں ہے کہ جتنی ہم نے بنا لی ہے اور اگر پردہ کی وجہ سے ہو جائے تو ہمارا رب بہت بڑا رحمٰن ہے، جب ہم اس کے سامنے جھک جائیں گے، اس کی اطاعت کرنے لگیں گے، اسی کے ہر حکم کی پیروی کرنے لگیں گے تو وہ خدا ساری دنیا کو ہمارے سامنے جھکا دے گا، ایک بار اس کے لئے مشقت کر کے تو دیکھو، ایک بار اس کی طرف آکر تو دیکھو، دل سے مانگ کر تو دیکھو۔

تقویٰ سینے میں ہے
تو مزہ جینے میں ہے

☆......☆......☆

داعی بنو بہنو

مریم قیصرانی

آپ میری بات سمجھنے کی کوشش تو کرو سعدیہ، ہو سکتا ہے تمہارا ہی فائدہ ہو، ہرگز نہیں آپی، آپ امی سے کہہ دیں، میں ہر حال میں کالج جاؤں گی، یہ میرا فیصلہ ہے، سعدیہ جلدی سے یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی، اب رب ہی مددگار ہے، ہادیہ نے دل میں کہا اور امی کو فون کرنے لگی، رابطہ ملتے ہی السلام علیکم امی جان، کیسی ہے طبیعت، اب کب آپ کی واپسی ہوگی، ماموں جان سے کہیں، وہ کل چھوڑ جائے آپ کو، ہادیہ نے مختصر بات کر کے بات ختم کر دی، سعدیہ بھی پاس آکر بولی، آپی، آپ نے امی کو کیوں نہ کہا کہ سعدیہ کالج پر ضد کر رہی ہے اور آپ ماموں سے فیس اور کتب کی رقم لے کر آنا، اب پھر فون کرو، ورنہ فون مجھے دو، میں خود ہی بات کرتی ہوں، ہرگز نہیں، سعدیہ تم اب خاموش ہی رہو اور امی کے آگے، پھر اگر کالج کا نام لیا تو جان لینا، میں امی کو پریشان نہیں دیکھنا چاہتی اور امی ٹھیک ہی کہتی ہیں، تم میٹرک کر چکی ہو اور لکھنا پڑھنا جانتی ہو، اب مزید دنیا کی تعلیم کیوں حاصل کرنا چاہتی ہو، اب دین کی تعلیم حاصل کرو، تاکہ دنیا و آخرت میں کامیابی ملے، سعدیہ نے بات درمیان میں کاٹ کر کہا، آپی میں دین کی تعلیم بعد میں سیکھ لوں گی، اب دو سال کالج جانے دو، پھر، بس بس خاموش رہو اور میری بات ذرا غور سے سنو، ہادیہ نے سعدیہ کو پاس بٹھا کر سمجھانا چاہا، اب تم بچی نہیں ہو، جو بات کو نہ سمجھو، اپنا نفع نقصان جانتی ہو اور سن لو، دین سے تم دنیا و آخرت دونوں کو کامیاب بنا سکتی ہو اور صرف دنیا کی تعلیم حاصل کر کے دنیا بھی نہ بنا سکو گی، آخرت بھی دیکھ لو، ہادیہ نے سعدیہ کو مزید تفصیل سے آگاہ کیا اور کہا، میری بہنا، تم میری ایک ہی بہن ہو اور میں چاہتی ہوں تم قرآن پاک کو خوب شوق سے، تفسیر کے ساتھ پڑھ لو اور ساتھ کتب حدیث بھی پڑھنا شروع کرو، صرف دو سال سہی، ابتداء کرو، دین سمجھنے کی، پھر مدرسے میں تم کو بتایا جائے گا، اصل کامیابی دنیا نہیں، بلکہ آخرت ہے، وہ آخرت جو کامیاب بنا لے گا، اس کی دنیا خود ہی بن جائے گی اور میری اتنی بات مان لو، ایک بار داخلہ لو، دین کے سکھانے والے بہت سے ادارے ہیں، پھر مجھے دعا ہی دو گی، اگر رب تمہاری عقل کو دین کی سمجھ عطا فرما دے گا، اپنا شوق پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مطالعہ میں لگا دو اور تم اچھی طرح جانتی ہو، میں نے بھی میٹرک کے بعد صرف ترجمہ و تفسیر سیکھ سکی تھی کہ میری شادی ہوئی اور رب کا شکر ہے، میرا گھرانہ

دینی تھا اور آپ کے بہنوئی نے مجھے پردہ کرائے، خود دین کی ترغیب دی، میرا شوق پورا ہوا اور اب میں بھی تمہیں دین پر لگانے کی کوشش کرتی ہوں، تاکہ ابو جان کی روح کو بھی اجر ملے اور امی کی بھی خواہش پوری کہ تم کو دین سے جوڑے دے اور امی ابو کا بیٹا تو کوئی نہیں، ہم دو اگر ان کے لئے صدقہ جاریہ بن جائیں تو ہم بھی کامیابیوں سے سرخرو ہو جائیں اور ہمارے والدین بھی اور جو ہماری گود میں پرورش پائیں، وہ بھی دین کے داعی بن جائیں، آمین۔

سعدیہ نے سر جھکا کر ہادیہ سے وعدہ کیا، آپی آپ کی بات اب سمجھ گئی ہوں، میں اپنے آپ کو دین سیکھنے کے لئے پیش کرتی ہوں، آپ دعا کیا کریں، رب پاک ہمیں قبول فرمادے، آمین، سعدیہ اپنی بہن سے گلے لگ کر معذرت کررہی تھی کہ کالج داخلے کا جنون غلط تھا، امی سے بھی اب معذرت کرنا، ان کو تکلیف ہوئی تمہاری اس ضد سے، اب میں اپنے گھر جارہی ہوں، دو دن سے تمہاری اصلاح کی نیت سے آئی اور شکر ہے تم اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دین سیکھ کر اور قرآن پر عمل کر کے دینا، اپنی زندگی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق گزار سکو، دوسروں کو خوب دین کی طرف بلاؤ اور رب سے مدد مانگو، وہ تمہاری دعاؤں کو قبول فرمائے گا اور تم صبر اور حوصلہ رکھنا، وہ رب آج بھی مالک ہے، کل بھی مالک تھا اور قیامت کے دن بھی مالک، وہ رب ہے، وہ ہر زندگی کے حصے میں ہمارا مددگار ہے، ظہر کی اذان کی آواز سن کر وہ وضو کرنے اٹھی اور پھر نماز خوب عاجزی سے ادا کی اور دعاؤں میں، التجائیں خدا سے جاری تھی، وہ دن بھی آیا، جب سعدیہ نے مدرسے میں ترجمہ، قرآن وحدیث اور تفسیر وفقہ خوب فرض سمجھ کر حاصل کی، ایک مسلمان کو قرآن اور حدیث سیکھنا اور دین کی تعلیم حاصل کرنا فرض ہے، تاکہ وہ اپنی دنیا و دین کامیابی سے حاصل کر جائے اور یہ سیکھنا سکھانا تو ہمارے پیارے پیغمبر کی سنت ہے، اگر نبی اکرم کا امتی بن گئے ہیں، اس پیارے نبی اکرم کو امتی ہونے کا ثبوت دیں، ہر تکلیف کو صبر اور حوصلہ سے برداشت کریں، نماز اور صبر سے مدد مانگیں اپنے رب سے، وہ ہم سب کا پروردگار ہے۔

☆......☆......☆

اب سوچ مرے دوست خدا ہے کہ نہیں ہے

انسان پر جوانی میں جو جوبن چھا جاتا ہے، بہار میں پھولوں پر جو رنگ آجاتا ہے، اس کو کسی نے دیکھا؟ دھیمی دھیمی خوش بوؤں کو جو باد بہاری کے کندھے پر اڑی اڑی پھرتی ہیں، کسی نے سونگھا؟ کیا رنگ و بو کی یہ دنیا جو ہزار جلوؤں کی جنت گاہ ہے کسی مصور کی سحر کار انگلیوں کی طرف اشارہ نہیں کرتی؟ پہاڑوں کو سبزہ نے پری بنا کر سامنے کھڑا کردیا، دریاؤں کی چاندی کی دھاریں ان کے دامن میں بل پیچ کھاتی میدانوں میں نکل جاتی ہیں، سنہرے پروں والے طائر ادھر ادھر اڑتے پھرتے ہیں، کچھ سبز پتوں کی چلمن کے پیچھے بیٹھے سامنے پھیلے ہوئے نظاروں کو دیکھ کر باغ باغ ہو رہے ہوتے ہیں، اے ان حسین نظاروں کے شیدا سوچ کرتا کہ ان کا پروردگار کوئی نہیں؟

کبھی بحر بیکراں کو طوفان خیز موجوں کے بلا خیز تیور ڈالے دیکھا؟ کیا اس کے اندر وسیع دنیا کا تصور کیا؟ رواں دواں دریاؤں کو ملاحظہ کیا؟ آہستہ خرام ندیوں کی مستانہ چال پر نگاہ کی؟ شفاف چشموں میں مست خرام لہروں کو ناچتے دیکھا؟ کیا ان مظاہرات جمال وجلال کا پروردگار کوئی نہیں؟ انار کے خوش رنگ پھول کو ہی نہ دیکھو، بلکہ دانہ انار کو دیکھو، سرد خوش گوار پانی کا کیا رنگین چشمہ ہے، نارنگی کے نظر افروز حسن کو ہی نہ دیکھو، بلکہ اس پر غور کرو کہ اس کے اندر میٹھے سوندھے پانی کی بڑی بڑی جاں بخش نہریں جاری ہیں، پھر ہر بڑی نہر کی آغوش میں سینکڑوں چھوٹی چھوٹی ندیاں سو رہی ہیں، برسات میں سبز پتوں میں سیندوری سنہری آموں کو لٹکتے ہی نہ دیکھو، بلکہ یہ دیکھو کہ دودھ اور شہد کو قدرت نے کس انداز میں ملا کر میٹھا پکوان بنایا کہ حلاوت اور شیرینی کا مزہ پا کر زبان نے جنت کی خوشی محسوس کی، دل و دماغ کوثر و تسنیم کی لذتوں کا ہلکا سا تصور دنیا میں ہی کر لیتے ہیں۔ اے ارباب دانش! سوچو کہ کیا خوش گوار پھلوں کی حلاوت کا پروردگار کوئی نہیں؟ جو سوچے گا اور جب سوچے گا، سبحانک اللھم وبحمد پکار اٹھے گا۔



آج "زندگی" کی زندگی کا فیصلہ ہو گیا تھا، نہ آج اس کے اختیار میں کچھ تھا، نہ کل، آج جب زندگی کو پھانسی کی سزا سنا دی گئی تو زندگی کے علاوہ سب کی آنکھوں میں آنسو تھے، زندگی کی ماں، جس نے زندگی کو ماں باپ دونوں کا پیار دیا تھا، ماں باپ بن کر پالا تھا اور ڈاکٹر علی جو زندگی کے لئے پسندیدگی کے جذبات رکھتا تھا، وہ آج بالکل ٹوٹ گیا تھا، زندگی جمیلہ کی بیٹی ہے، جمیلہ کا شوہر اصغر ہے، جب جمیلہ اور اصغر کی شادی کے ایک سال بعد ان کی بیٹی پیدا ہوئی تو اس کا نام زندگی رکھا، زندگی کے پیدا ہونے کے بعد اس کا باپ اصغر، جمیلہ اور زندگی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلا گیا، رفتہ رفتہ زندگی کی عمر بڑھتی گئی، اس کی جوانی کے ساتھ ساتھ اس کے دل میں اپنے باپ کی نفرت بھی بڑھتی گئی، باپ کی نفرت کے ساتھ ساتھ زندگی کے دل میں ہر مرد کے لئے نفرت پیدا ہو گئی، وہ سمجھتی تھی کہ جس طرح اس کا باپ انہیں چھوڑ کر چلا گیا اور انہیں دھوکہ دیا، اس طرح سب مرد ایسے ہوتے ہیں، اس کی ماں اسے بہت سمجھاتی کہ سب مرد ایک جیسے نہیں ہوتے، لیکن اسے کون سمجھاتا، وہ بہت ضدی لڑکی تھی، زندگی بہت ذہین لڑکی تھی، اس کی ماں کپڑے سلائی کر کے گزارہ کرتی تھی، ساتھ زندگی کو پڑھا بھی رہی تھی، اس کی ماں اس کا خرچہ اور فیس بہت مشکل سے پوری کرتی تھی، اس کی ماں کو بہت شوق تھا کہ اس کی بیٹی بہت

پڑھے، زندگی کالج جاتی تھی، جہاں لڑکیاں لڑکے اکٹھے پڑھتے تھے، لیکن زندگی لڑکوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی تھی، زندگی بہت خوبصورت لڑکی تھی، نیلی آنکھیں، لمبی سیاہ زلفیں تھیں، ہر لڑکا زندگی کی طرف دیکھنا اپنا فرض سمجھتا تھا، جب بریک ہوتا تو سب لڑکیاں لڑکے باہر نکل جاتے، کینٹین پر جاتے، کھاتے پیتے، لیکن زندگی کلاس روم میں رہتی، ایک دفعہ جب وہ تھوڑی دیر کے لئے کسی کام سے باہر گئی اور دوبارہ واپس آئی تو اس کے پیسے غائب تھے، زندگی داخلہ فیس لائی تھی، جو بڑی مشکل سے اس کی ماں نے پورے کئے تھے، زندگی بہت پریشان تھی کہ اس کے پیسے کہاں گئے، وہ ابھی ڈھونڈ ہی رہی تھی کہ پیچھے سے ان کی کلاس کا ایک لڑکا مبرم آیا، مبرم جس کا کام ہی لڑکیوں کو چھیڑنا تھا، وہ اپنی چند دوستوں کے ساتھ آیا اور زندگی کو چھیڑنے لگا اور کہنے لگا، آئے حسینہ، کیا گم ہوگیا ہے، کیا ڈھونڈ رہی ہو، میں مدد کروں، وہ بولتا رہا، لیکن زندگی نے کوئی جواب نہ دیا اور نہ مڑ کر پیچھے دیکھا، مبرم نے زندگی کے ڈوپٹے کو پکڑا اور بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تو زندگی نے مبرم کے منہ پر زوردار تھپڑ دے مارا، اس سے پہلے کہ مبرم کوئی اور بدتمیزی کرتا، میڈم رخشندہ آگئیں اور پھر مبرم وغیرہ وہاں سے بھاگ گئے، پھر میڈم رخشندہ نے زندگی سے اس معاملے کے بارے میں پوچھا تو زندگی نے سب کچھ بتادیا، تب میڈم نے زندگی کو تسلی دی، پھر زندگی کی شکایت پرنسپل تک پہنچ گئی، آگے کیا ہوا اس کی تفصیل زندگی کچھ یوں بتاتی ہے:

دوسرے دن جب میں کالج پہنچی تو مجھے سر حیدر نے بلوایا، جب میں ان کے پاس گئی تو انہوں نے کہا کہ تم نے مبرم کو تھپڑ کیوں مارا، ان کا پہلا سوال یہی تھا، پھر انہوں نے مجھے بیٹھنے کا کہا، میں نے انہیں ساری بات بتادی تو پھر انہوں نے مجھے کہا کہ تم فکر نہ کرو، میں تمہاری داخلہ فیس ادا کردوں گا اور تم بہت ذہین لڑکی ہو، ایسی معمولی سی باتوں پر ایسے کام کرکے اپنی بنی بنائی عزت خراب نہ کرو، بس پھر میں آگئی اور گھر آکر میں نے امی کو کچھ نہیں بتایا کہ امی خواہ مخواہ پریشان ہوں گی، اس طرح پھر سر حیدر مجھے بریک ٹائم بلواتے، ان کا یہ معمول بن گیا تھا، تو مجھے بہت غصہ آتا، لیکن چاہتے ہوئے بھی میں انہیں کچھ نہ کہہ سکتی، پھر ایک دن انہوں نے مجھے بلوایا تو میں نہیں گئی، تو وہ خود آگئے تو انہوں نے پوچھا کہ میں نے تمہیں بلوایا، تم کیوں نہیں آئی تو میں نے کہا کہ میں کوئی کٹھ پتلی نہیں ہوں، جو آپ کے حکموں پر دوڑے چلی آؤں، میں نے سر حیدر سے بدتمیزی سے بات کی تو انہوں نے مجھے ڈانٹا اور کہا کہ میں تمہارا ٹیچر ہوں، تمیز سے بات کرو، مجھے ان کی آنکھوں میں عجیب سی ہوس نظر آئی تو میں نے کہا کہ اگر آپ ٹیچر بن کر بات کرتے تو میں بھی آپ سے اسٹوڈنٹ بن کر بات کرتی، لیکن آپ مرد لوگ ہوتے ہی ایسے ہو، اپنی عزت کروانا آپ نہیں جانتے اور سارے مرد ایسے ہی ہوتے ہیں، میں نے اچھی خاصی سر حیدر کو سنا دیں، تب انہوں نے میرے ساتھ بدتمیزی کی، اپنی اوقات پر آگئے، جیسا کہ سب مرد ہوتے ہیں، انہوں نے میرا ڈوپٹہ کھینچ لیا اور میں بھاگ پڑی، ڈوپٹے کے بغیر تب میری ٹکر ایک لڑکے سے ہوئی، غلطی میری تھی، اس کے باوجود اس لڑکے نے سوری کی، میں بھی بنا کچھ کہے آگے چلی گئی، میں گھر گئی تو میں نے امی کو بتایا کہ راستے میں کسی لڑکے نے بدتمیزی کی ہے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ سر حیدر نے کی ہے، میری طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی، میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اب میں کالج نہیں جاؤں گی، اس وقت میں نے بی اے مکمل کیا تھا، میں آگے پڑھنا چاہتی تھی، ابھی ایم اے کی کلاسز شروع ہورہی تھیں لیکن دنیا اتنی ظالم ہے کہ یہاں کسی غریب کا گزارہ نہیں ہوتا، دنیا کسی غریب کو جینے نہیں دیتی، پھر تین دن میں کالج نہیں گئی، تین دنوں کے بعد سر حیدر کا فون آیا، امی نے بات کی تو انہوں نے میرے بارے میں پوچھا کہ میں تین دنوں سے کالج

کیوں نہیں آرہی تو امی نے بتایا کہ زندگی کی طبیعت خراب ہے، اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی انہوں نے فون کیا، بڑے شرم کی بات تھی، دو دن گزرنے کے بعد وہ خود ہمارے گھر آگئے، امی سے کہا کہ کل اسے کالج بھیجنا ہے، اپنے لئے میرا رشتہ بھی مانگا، جب مجھے اس بات کا پتہ چلا تو میں نے امی سے کہا کہ میں نے شادی نہیں کرنی، مجھے مردوں سے نفرت ہے اور اس جیسے مردوں پر تو میں تھوکتی ہوں، امی نے مجھے بہت سمجھایا، لیکن میں نے صاف صاف انکار کردیا۔

اس کے بعد امی نے مجھے بتایا کہ ان کا فون آیا ہے، وہ جواب مانگ رہے ہیں تو میں نے امی سے کہا کہ آپ انکار کردیں اور میں کالج بھی نہیں جاؤں گی اور اگر آپ منع نہیں کریں گی تو میں خود منع کردوں گی، اس کے بعد امی نے سر حیدر کو بتایا کہ زندگی نہیں مان رہی، کچھ دن گزرنے کے بعد مجھے بخار ہوگیا اور ایسا بخار ہوا کہ اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا، امی نے ڈاکٹر کو بھی بلوایا، لیکن میرا بخار کم نہ ہوا، تب امی مجھے اسپتال لے گئیں، جیسے کہ مجھے مردوں سے نفرت تھی، ہر جگہ میرا سامنا مردوں سے ہوتا، یہاں بھی میرا علاج ڈاکٹر علی کررہے تھے، انہوں نے میری امی کو بہت تسلیاں دے رہے تھے اور امی نے انہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتایا تو انہوں نے امی کو پیسے بھی دیئے اور بہت مدد کی، ڈاکٹر علی بہت امیر آدمی تھے اور ان کا کوئی نہیں تھا، دنیا میں سوائے ان مریضوں کے، انہوں نے ہماری مدد بھی کی، لیکن ان کی یہ بات مجھے بالکل اچھی نہ لگی، شاید اس لئے کہ مجھے مردوں سے نفرت تھی اور سب ہی کو میں خود غرض سمجھتی تھی، یہ وہی ڈاکٹر علی تھے، جن سے میری ٹکر ہوئی تھی، کالج سے بھاگتے ہوئے، جب وہ مجھے انجکشن لگانے لگے تو میں نے انہیں انجکشن نہیں لگانے دیا اور میں نے انہیں کہا کہ آپ نے امی کو پیسے کیوں دیئے، آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں، نہ جانے کیوں مجھے دنیا میں ہر کوئی مطلبی لگتا تھا، تبھی میں نے ان سے بھی بدتمیزی کی اور امی سے کہا کہ ڈاکٹر کو پیسے واپس کردیں، ورنہ میں آپ سے نہیں بولوں گی، امی نے ڈاکٹر کو پیسے واپس کردیئے اور کہا کہ آپ اپنی بیٹی سے کہہ دیجئے گا کہ واپس دے دیئے ہیں اور میں یہ سب دیکھ رہی تھی، لیکن میں خاموش رہی، میں نے امی سے دوبارہ نہ پوچھا، ہاں، میں نے ان کو اچھی خاصی سنائیں تھیں یعنی ڈاکٹر علی کو، تب ایک دن وہ میرے روم میں نہیں آئے، انہوں نے ایک نرس کو بھیج دیا تھا، میں نے نرس سے ڈاکٹر علی کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگی، ڈاکٹر علی میری جگہ سے ڈیوٹی کررہے ہیں اور میں ان کی جگہ پر تو میں نے پوچھا، کیوں، وہ تو کہنے لگی، پتہ نہیں، انہوں نے خود مجھ سے کہا کہ تم میری جگہ ڈیوٹی کرو اور وہ نرس بھی ڈاکٹر علی کی تعریفیں کررہی تھی، ڈاکٹر علی واقعی نیک، اچھے انسان تھے، چند دن بعد میری طبیعت ٹھیک ہوگئی اور مجھے اسپتال والوں نے ڈسچارج کردیا، یہ پہلی دفعہ ہوا تھا کہ مجھے غلطی کا احساس ہوا، واقعی میں نے غلطی کی ہے ڈاکٹر علی سے بدتمیزی کرکے، وہ مجھے ایک اچھے انسان معلوم ہوتے تھے، تبھی میں نے جانے سے پہلے ان سے سوری کی تو انہوں نے کہا کہ کوئی بات نہیں، ہمارے پاس ہر قسم کے مریض آتے ہیں، ہم مائنڈ نہیں کرتے، ان کے ان الفاظوں نے مجھے شرمندہ کردیا، پھر انہوں نے امی کو کارڈ دیا کہ جب بھی میری ضرورت پڑے تو مجھے ضرور یاد کیجئے گا، پھر ہم گھر چلے گئیں، گھر جاکر امی سو گئیں، کافی تھکی ہوئی تھیں۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی، میں دروازہ کھولنے گئی تو کچھ لڑکے اندر آگئے اور ان لڑکوں میں مبرم بھی تھا، ان سب نے مجھے پکڑلیا، میں نے شور کیا تو امی جاگ بھی گئیں، لیکن وہ لڑکے تھے، امی کیا کرسکتی تھیں، میں روتی چلاتی رہی، لیکن وہ لڑکے مجھے گاڑی

میں ڈال کرلے گئے، انہوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی، جب میری آنکھوں سے پٹی کھلی تو میں ایک اندھیرے کمرے میں بند تھی، میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا کہ کبھی میرے ساتھ اس طرح ہوگا، اس لئے تو اسلام میں پردے کی بہت زیادہ تاکید ہے کہ یہ حالات ہوتے ہیں، نہ کالج میں لڑکیاں لڑکے اکٹھے پڑھتے اور نہ اس طرح ہوتا، اب میں کمرے میں بند تھی، وہاں امی نے ڈاکٹر علی کو فون کیا اور وہ تھانے گئے اور رپورٹ درج کروائی، میں کمرے میں تھی کہ اچانک دروازہ کھلا، اتفاق سے اس کمرے میں چھری رکھی ہوئی تھی، جیسے ہی مبرم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو میں نے اس کے پیٹ میں چھری ماری اور بھاگ گئی، میں بھاگتی گئی لیکن مجھے نہیں پتہ تھا کہ میں کس سمت جارہی ہوں، اندھیری رات تھی، مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا، اچانک میں ایک تنگ سی گلی میں آگئی، جہاں میں نے کچھ سانس لیا کہ اچانک میرے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سر جیدر تھے، میں ان کو دیکھ کر ڈر گئی کہ یا اللہ میں کہاں پھنس گئی تو اس نے میرا بازو پکڑ لیا اور کہا کہ بیچاری ایک جگہ سے آزاد ہوئی اور دوسری جگہ پھنس گئی، اس نے میرا بازو پکڑا ہوا تھا، میں نے اپنا ناخن اسے چبھویا اور بھاگ پڑی، میں بھاگتی گئی، وہ میرے پیچھے تھے، ساتھ دو مرد اور بھی تھے، اچانک میں ایسی جگہ آگئی، جہاں آگے سے سمندر تھا اور پیچھے وہ لوگ تھے، تو مجھے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ میں کہاں جاؤں تو سمندر میں چھلانگ لگالی، پھر میں بہہ کر برطانیہ پہنچ گئی، رہتی میں لاہور میں تھی، میری یادداشت کھوگئی، وہاں ڈاکٹر علی نے میری امی کو اکیلا نہیں چھوڑا، ڈاکٹر علی میری امی کو اپنے گھر لے آئے، ان کا بہت پیارا بنگلہ تھا، وہ بہت امیر تھے، لیکن بہت اچھے انسان تھے، وہاں مجھے ایک بوڑھے سے آدمی نے اپنی بیٹی بنالیا، وہ مچھلیاں پکڑتے تھے اور ان کے جال میں بھی آگئی تھی، میرا نام انہوں نے شنار کھ دیا، کیونکہ میں اپنا ماضی بھول گئی تھی، چھ ماہ اس طرح گزر گئے، چھ ماہ بعد زلزلہ آیا اور میرا بوڑھا باپ اس زلزلے کی نظر ہوگیا، جب بھی کسی ملک میں کوئی ایسا واقعہ ہوتا، ڈاکٹر علی وہاں پہنچ جاتے تو جہاں میں تھی، وہاں بھی ڈاکٹر علی آگئے، وہ سب کی مدد کیا کرتے تھے، کیونکہ ان کے پاس بہت پیسہ تھا، وہ پیسہ غریبوں پر خرچ کرتے تھے، تبھی اللہ نے انہیں اتنی دولت دی تھی، جب وہ وہاں آئے تو انہوں نے مجھے پہچان لیا، لیکن میری یادداشت کھو چکی تھی، اس لئے میں انہیں نہ پہچان سکی، انہوں نے جب مجھے زندگی کہہ کر بلایا تو میں نے کہا کہ میرا نام شناء ہے تو وہ کہنے لگا کہ نہیں تو زندگی ہے، تیری ایک ماں بھی ہے، لیکن مجھے کچھ یاد نہیں تھا، تب وہ چلا گیا، تیسرے دن امی کو لے کر آگئے، لیکن میں ان کو بھی نہ پہچان سکی، جب امی نے مجھے زندگی کہہ کر بلایا تو میں وہاں سے بھاگ گئی، تبھی میں بھاگتے ہوئے گر گئی اور میرا سر پتھر پر لگا اور مجھے سب کچھ یاد آگیا، پھر وہاں امی سے مل کر بہت روئی تب امی اور ڈاکٹر علی مجھے لے کر اپنے گھر آگئے، اب ہم اس پرانے گھر میں نہیں رہتے تھے، بلکہ ڈاکٹر علی کے بنگلے میں رہتے تھے، ڈاکٹر علی نے میری امی کو کسی موڑ پر اکیلا نہیں چھوڑا، وہ واقعی مخلص انسان تھے، مجھے بھی ان سے محبت ہوگئی تھی، کبھی کبھی علی مجھے باہر گھمانے بھی لے جاتے تھے، وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے، ابھی ہمیں کچھ دن ہی گزرتے تھے کہ مبرم کے گھر والوں نے مجھ پر کیس کردیا قتل کا اور پولیس آئی اور مجھے گرفتار کر کے لے گئی، شاید میری زندگی میں صرف مصیبتیں لکھی تھیں، تکلیفیں میرا مقدر بن چکی تھیں، جیل والوں نے میرے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا، ایک رات گزر چکی تھی، لیکن میرے پاس انکوائری کرنے کوئی نہ آیا، صبح میرے پاس امی اور ڈاکٹر علی

آئے، وہ دونوں بہت پریشان تھے اور علی نے مجھے کہا کہ جب تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے قتل کیا ہے یا نہیں تو تم نے کہنا کہ میں نے نہیں کیا، پھر سب ٹھیک ہوجائے گا، میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا، تو میں نے آگے سے کہا کہ نہیں، جب میں نے قتل کیا ہے تو میں جھوٹ کیوں بولوں، علی کو میری بات پر بہت افسوس ہوا، لیکن وہ خاموش ہوگئے، پھر وہ چلے گئے، تب ایک پولیس افسر آیا، اس نے مجھ سے پہلا سوال یہی کیا کہ تم نے قتل کیا ہے یا نہیں تو میں نے کہا کہ ہاں، میں نے قتل کیا ہے تو افسر میرے منہ کی طرف دیکھنے لگا اور چلا گیا، دوسرے دن ایس پی نے علی کو بلوایا اور کہا کہ اگر یہ لڑکی کہہ دے کہ میں نے قتل نہیں کیا تو یہ بچ سکتی ہے، نہ جانے سب مجھے کیوں بچانا چاہتے تھے، تبھی مجھے جھوٹ بولنے کا کہتے تھے، لیکن میں جھوٹ بولنا نہیں چاہتی تھی، کیونکہ میں جانتی تھی کہ جھوٹ کبھی چھپ نہیں سکتا، اگر اس دنیا میں بچ بھی گئی تو لیکن اگلی دنیا میں پیش ہونا ہے اللہ کے سامنے تو میں کیا جواب دوں گی کہ میں نے جھوٹ کیوں بولا، میں نے بہت سوچا علی اور امی کے بارے میں بھی، لیکن میرا دل جھوٹ بولنے پر مطمئن نہ ہوا، سو وہ دن آگیا، جس دن میری پھانسی کی سزا تھی، سب رو رہے تھے، لیکن نہ جانے کیوں میں بے حس ہوگئی تھی، آج فیصلہ ہوگیا تھا، میری ماں بھی دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی اور علی کی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی اور جیسے ہی میں اس جگہ کے قریب پہنچی تو علی نے مجھے پکڑ لیا اور جج سے کہا کہ زندگی کی جگہ مجھے پھانسی دے دیں، لیکن اسے نہ دیں، میں سوچنے لگی کہ یہ کتنا پاگل ہے، بھی کسی کی سزا کسی اور کو ملنی ہے، لیکن پھر کچھ مردوں نے علی کو پکڑا، لیکن اچانک ایک لڑکا کھڑا ہوا اور اس نے زوردار آواز سے کہا کہ ہم اس لڑکی کو معاف کرتے ہیں، اس کے فوراً بعد ایک عورت کھڑی ہوئی، اس نے کہا کہ ہم اس شرط پر اسے معاف کرتے ہیں کہ اس کا رشتہ میرے بیٹے کے لئے دیا جائے، وہ کھڑا ہونے والا لڑکا تابش مبرم کا بھائی تھا اور وہ عورت مبرم کی ماں، میری امی بیچاری کیا کرتی، انہیں یہ شرط ماننی پڑی، میری زندگی بچانے کے لئے اور علی کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا، بالکل بے سدھ کھڑا رہا، کچھ نہ بولا، پھر ایک امتحان شروع، یا اللہ میرے امتحان کب ختم ہوں گے، شاید میری زندگی کے ساتھ ختم ہوں گے، اس کے بعد ہم گھر چلے گئے، دو دن بعد میرا نکاح ہونا تھا، مبرم کے بڑے بھائی تابش سے، تابش اور مبرم دو بھائی تھے اور ان کی ایک بہن فضا تھی اور ان کی امی ناہید بیگم اور ان کے باپ افتخار انتقال کر گئے تھے، دو دن بعد میرا نکاح ہوگیا، تابش بہت اچھے انسان تھے اور فضا بھی بہت اچھی لڑکی تھی، لیکن اس کی امی مجھ پر بہت ظلم کرتی تھیں، فضا ان سے اکثر کہتی تھی کہ امی جس طرح میں آپ کی بیٹی ہوں، اس طرح یہ بھی کسی کی بیٹی ہے، اگر آپ بھابھی کے ساتھ اس طرح کریں گی تو آپ کی بیٹی کے ساتھ بھی اس طرح ہوگا، تو وہ کہتی کہ نہیں، اس کا قصور ہے، اسے سزا ملے گی، خیر میں گھر کا سارا کام کرتی تھی، حالانکہ امی کے گھر میں کوئی کام نہیں کرتی تھی، لیکن یہ بات تابش کو نہیں پتہ تھی کہ میں اتنا کام کرتی ہوں، ایک دن علی ہمارے گھر آئے تو میں فرش پر ٹاکی لگا رہی تھی، اس نے دیکھا تو اسے بہت افسوس ہوا، میں جیسے ہی کچھ بولنے لگی تو میری ساس آگئیں اور بات چھپانے کے لئے کہنے لگی کہ کتنی دفعہ منع کیا ہے کہ کام نہ کیا کرو، اسے بہت شوق ہے کام کرنے کا، میں کچھ نہیں بولی، لیکن علی سب کچھ سمجھ گئے تھے، تابش کی امی اور تابش یہ سمجھتے تھے کہ علی میرا بھائی ہے، اس دن میری ساس کو پتہ چلا کہ وہ میرا بھائی نہیں ہے، جب میری ساس نے کہا کہ تم شادی کیوں نہیں کرلیتے، تمہاری ماں بھی اکیلی ہے، تو علی نے کہا کہ میں ایک لڑکی کو چاہتا تھا، وہ مجھے ملی نہیں اور ویسے بھی

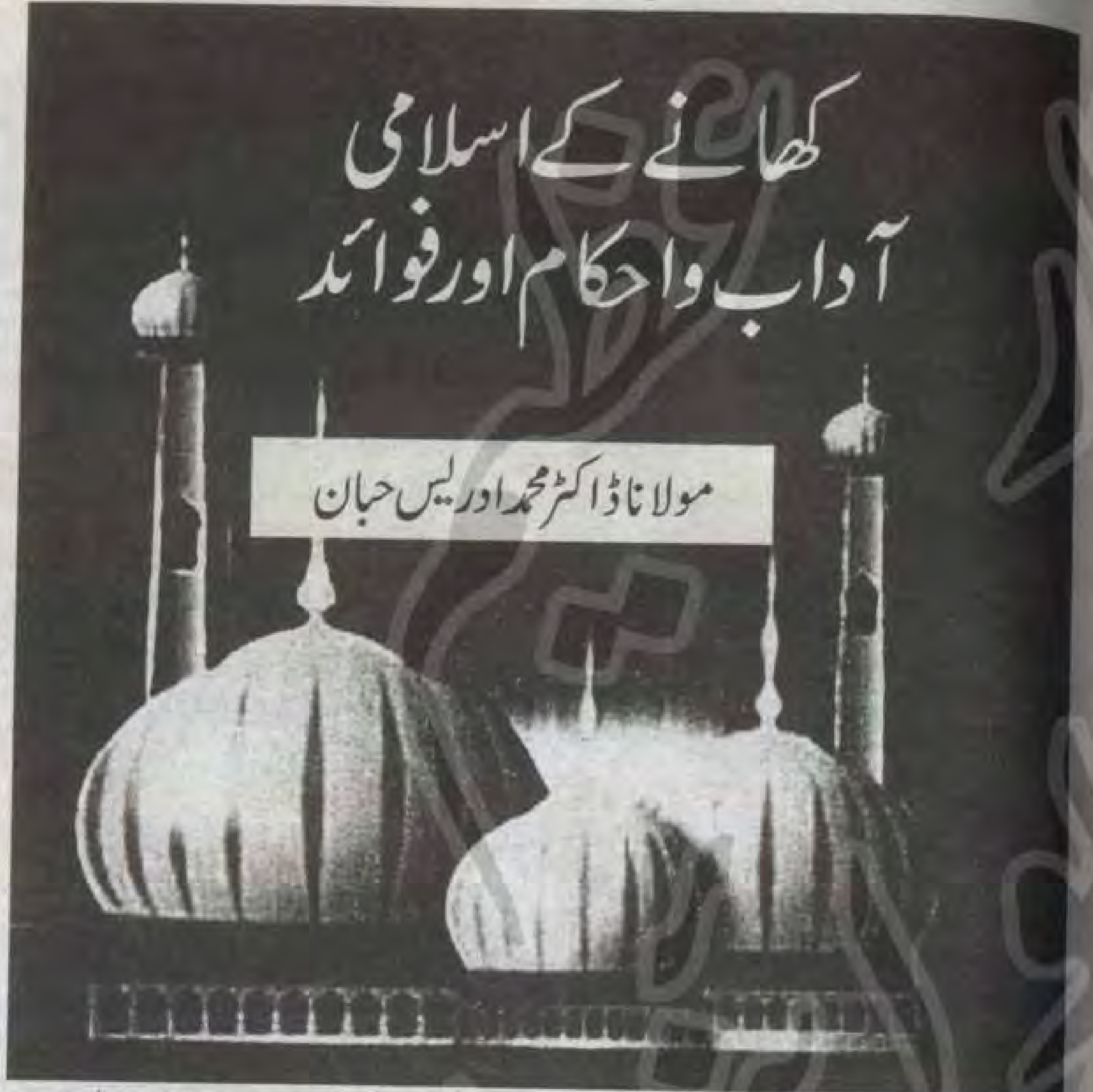
آنٹی اور میں دونوں ٹھیک ہیں، پھر میری بیوی آجائے گی تو ہمارا پیار کم ہوجائے گا، میری ساس نے کہا کہ وہ تمہاری ماں نہیں ہے کیا تو علی نے کہا کہ نہیں، وہ میری آنٹی ہیں، پھر ایک دن میں امی کے گھر گئی تو میں نے علی کو بہت سمجھایا کہ تم شادی کرلو، لیکن وہ نہیں مانتا تھا، وہ کہتا تھا کہ میں ہمیشہ تمہارا انتظار کروں گا، پھر ایک دن میری نند فضا کا رشتہ آیا، اس کی منگنی کردی گئی، پھر اس کی شادی کی تیاری شروع ہوگئی، وہ لوگ جلدی شادی کرنا چاہتے تھے، سو وہ دن آگئے، جس دن فضا کی شادی ہوئی تھی، اس لڑکے کا نام عمر تھا، انہوں نے کہا تھا کہ ہم فضا کو شادی کے بعد امریکہ لے جائیں گے، فضا کی شادی ہوگئی، اس کے بعد تابش نے مجھے کہا کہ ہم گھومنے کے لئے مری جاتے ہیں، سو ہم مری چلے گئے، وہاں دو دن ہم رہے اور گھر سے فون آگیا کہ گھر واپس آجاؤ، فضا کو طلاق ہوگئی ہے، ہم جلدی سے واپس آرہے تھے، تابش بہت تیز گاڑی چلا رہے تھے کہ اچانک ہمارا ایکسیڈنٹ ہوگیا اور پھر جب مجھے ہوش آیا تو مجھے خبر ملی کہ تابش کی ڈیتھ ہوگئی ہے، مجھے بہت افسوس ہوا اور ادھر فضا کے شوہر اسے دھوکہ دے کر اس کا سارا زیور لے کر بھاگ گیا تھا، مبرم کو امی کی سزا مل گئی تھی، ادھر اس نے اپنے دو بیٹوں کو کھو دیا، ادھر اس کی بیٹی بے گھر ہوگئی، اسی صدمے کی وجہ سے میری ساس پاگل ہوگئی، مجھے کافی چوٹیں آئی تھیں، علی میرا علاج کر رہے تھے اور ایک دن کہنے لگے کہ میں نے کہا تھا کہ نا کہ میں ہمیشہ تمہارا انتظار کروں گا، میری زندگی میں تکلیفیں بھی بہت آئیں، لیکن میں ان سب کو بھول چکی تھی، چھ ماہ بعد میری اور علی کی شادی ہوگئی اور مجھے زندگی کی ساری خوشیاں مل گئیں، سچ کہتے ہیں کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

آگ ہمارے دوستوں کو نہیں جلاتی

ایک کنجوس نے اپنی بیوی کو قسم دی کہ اگر اس نے کسی کو خیرات دی تو اسے طلاق دے دوں گا، یہ کہہ کر وہ کسی کام سے چلا گیا، اس کے بعد کوئی بھکاری آیا، اس نے اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کیا، عورت نے اسے تین روٹیاں دے دیں، وہ لے کر چلا، ایسے میں اس کا سامنا اس کنجوس سے ہوگیا، اس نے پوچھا، تمہیں یہ تین روٹیاں کس نے دیں ہیں؟ اس نے بتایا کہ فلاں گھر سے ملی ہیں، یہ اس کنجوس کا گھر تھا، یہ گھر آیا اور بیوی سے بولا کہ میں نے تجھ کو قسم دی کہ اگر تو نے خیرات دی تو تجھے طلاق دے دوں گا، اس پر عورت بولی، میں نے یہ روٹیاں اللہ تعالیٰ کے نام پر دی ہیں، کنجوس کا غصے سے برا حال ہوگیا، اس نے تنور گرم کیا، جب خوب گرم ہوگیا تو بولا، تو اپنے آپ کو تنور میں ڈال دے، عورت اٹھ کر زیورات پہننے لگی، یہ دیکھ کر خاوند نے کہا، یہ کیا کر رہی ہو؟ زیورات اتار دو۔ جواب میں عورت نے کہا، دوست دوست کے لئے زینت اختیار کرتا ہے اور اب میں اپنے حبیب، اپنے رب سے ملاقات کرنے جا رہی ہوں، یہ کہتے ہی اس نے خود کو تنور میں ڈال دیا، کنجوس منافق نے تنور کو اوپر سے ڈھانپ دیا، تین دن بعد اس نے تنور کا دھانہ کھولا تو دیکھا کہ عورت زندہ سلامت ہے، یہ دیکھ کر وہ حیران ہوا، اسے ایک غیبی آواز آئی۔ ”کیا تم نہیں جانتے کہ آگ ہمارے دوستوں کو نہیں جلاتی۔

☆......☆......☆



کھانے کے اسلامی آداب و احکام اور فوائد

مولانا ڈاکٹر محمد ادریس حبان

آدابِ طعام:

(۱)......بلاضرورت کھانے کو نہ سونگھیں۔

(۲)......روٹی سے انگلیاں صاف نہ کریں۔

(۳)......کھانے کے دوران منہ کو اتنا نہ کھولا جائے کہ نوالہ نظر آئے۔

(۴)......بار بار منہ میں انگلی ڈال کر دانتوں سے کچھ نہ نکالا جائے، ان باتوں سے دستر خوان پر ساتھ بیٹھنے والوں کو کراہیت ہوتی ہے۔

(۵)......پلیٹ میں جو کچھ رہ جائے، خوب صاف کرلیا جائے اور انگلیوں کو بھی چاٹ کر صاف کرلیں۔ (شمائل الرسول)

(۶)......غذا کو خوب چبا کر کھائیں، ہر نوالہ کو ۲۰، ۳۰ مرتبہ چبا کر نگلا جائے۔ (ہیرالڈ آف ہیلتھ)

(۷)......غذا وقت پر کھائی جائے، دونوں کھانوں کے درمیان کم از کم پانچ تا چھ گھنٹے کا وقفہ ہونا چاہئے۔

ماہرین غذا دن میں صرف دو دفعہ غذا کی سفارش کرتے ہیں، دونوں کھانوں کے درمیان دوپہر میں ہلکی غذا کھائی جاسکتی ہے۔ (شمائل)

حکم:......سوتے وقت کوئی غذا نہ لی جائے، جس سے ہاضمے میں خرابی ہوکر بیداری میں چستی نہیں رہتی، صبح جلدی ناشتہ کرنا دن بھر کی جسمانی اور دماغی صلاحیتوں کو بڑھاتا ہے۔

غذا کھانے کے بعد کے احکام:

(۱)......حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد

دونوں ہاتھ اچھی طرح دھو لیتے اور فرماتے کہ اپنے ہاتھوں کو کھانے کی بو سے پاک کرو، تاکہ اس کی بو سے لوگوں کو ایذا نہ پہنچے۔ (شمائل) اس کے لئے صابن وغیرہ استعمال کریں۔

(۲)..... کھانے کے بعد دونوں ہاتھ دھونے کے بعد تولیہ یا رومال سے پونچھیں، غذا کھانے کے بعد ایک گھنٹہ تک ہر قسم کی دماغی، جسمانی محنت حکمت کے خلاف ہے۔

حکمت:

(۱)..... اس لئے کہ خون کی جو مقدار ہضم غذا کے لئے معدہ کو درکار ہوتی ہے، وہ دماغی کام کرنے سے دماغ کی طرف رجوع ہو جائے گی تو لازماً غذا کا ہضم ہونا بھی متاثر ہوگا۔

(۲)..... کھانے کے دوران گہرا مطالعہ ہضم کو روک دیتا ہے، یہی حکم جسمانی ورزش کا ہے، اس سے دوران خون عضلات میں چلا جاتا ہے۔

(۳)..... سخت محنت کے بعد غذا فوری نہ کھائی جائے، اس لئے کہ خون کی کافی مقدار بھی عضلات میں رہتی ہے۔

(۴)..... اس طرح غیر مساوی خون سپلائی میں قلب پر بار پڑنے کے سبب ممکن ہے، یہ قلب کی کسی بیماری کا سبب بن جائے، رات کی غذا کے فوری بعد سونے کے بجائے چاہئے کہ گھنٹہ یا آدھا گھنٹہ چہل قدمی کی جائے۔

حکم:..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیوں قبل جب کہ دنیا میں جہل کی تاریکی چھائی ہوئی تھی، اپنی امت کو حکم فرمایا تھا کہ: (تغد تمد) دوپہر کا کھانا کھاؤ تو قدرے دراز ہو جاؤ اور (تعش تمش) رات کا کھانا کھاؤ تو چہل قدمی کیا کرو۔ (شمائل الرسول)

حکم:..... تھوڑی تھوڑی غذا آہستہ آہستہ کھائی جائے، اگر آپ غذا کو اچھی طرح چبا کر کھائیں تو سستی غذاؤں میں بہترین اور مہنگی غذا کے فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ (ہیرالڈ آف ہیلتھ)

پُرخوری کی لعنت:..... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن ایک آنت میں کھانا کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے، اس طرح کم خوری کی ترغیب دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہے، اس طرح پرخوری کی مذمت کی گئی ہے اور کم خوری کو سراہا گیا ہے۔

سادہ غذا کی ترغیب:..... غذا سادہ ہو، بغیر چھنے آٹے کی روٹی (بروایت ابوہریرہؓ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تھے۔ آٹے میں صرف پھونک مارنے کی اجازت تھی: کنا ننفخہ۔ (بخاری) تاکہ بھوسی اڑ جائے۔

آٹے میں بھوسی کی اہمیت:..... بھوسی (Bran) کی حالیہ تحقیقات کی رو سے بھوسی میں مفید غذائی اجزاء اور ضروری حیاتین پائے گئے ہیں، مثلاً (میٹر اجنس) جو اجزائے خون اور عضلات میں ہوتے ہیں اور ہڈیوں کو قوت دیتے ہیں اور وٹامن بی (B) اور سی (C) بھوسی کی مہین تہہ میں ہوا کرتی ہے، غذا میں ان کے اجزاء کی کمی ہونے سے کئی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، مثلاً قبض، جلدی امراض، اعصاب اور عضلات کی کمزوری کے علاوہ مرض بیری بیری (Beri Beri) (جسمانی خون کی کمی اور نچلا دھڑ بے حس) ہو جاتا ہے، وغیرہ۔

زیادہ پالش زدہ چاول:..... یہی حال چاول کا ہے کہ زیادہ پالش کر کے اس کے مفید اجزاء کو برباد کر دیا جاتا ہے، اس مسئلے میں سائنس کا یہ مشاہدہ بیان کیا گیا ہے کہ چند چوہوں کی غذا میں خوب پالش شدہ چاول اور بغیر بھوسی کے آٹا دیا گیا تو وہ ان چوہوں سے کمزور اور اعصابی امراض میں مبتلا پائے گئے، جن کو غیر پالش شدہ چاول دیئے گئے۔ (جامع الحکمت)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بھوسی اور کونڈے میں مفید اجزاء موجود رہتے ہیں، اس لئے شریعت مطہرہ نے مسلمانوں کو اس کے نکالنے سے منع فرمایا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے مفید چیزوں سے بلا تامل پوری طرح مستفید ہوں۔

انگلیاں اور رکابی صاف کرنا:..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلیوں سے رکابی پونچھ کر چاٹ لیتے اور انگلیوں کو بھی اس قدر چوستے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیاں سرخ ہو جاتی تھیں۔ (شمائل الرسول)

حکمت:..... انگلیوں کو کھانے کے بعد اور برتن کو اس طرح صاف کرنے سے اظہار بندگی و عاجزی کے علاوہ غذا کا کوئی جز بھی بیکار ضائع نہیں جاتا، اس طرح اسلام نے غذا جیسی نعمت کی قدر کرنی سکھائی ہے اور معاشی مسائل کو آسانی سے حل فرما دیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر تین مرتبہ اپنی مبارک انگلیاں چاٹ لیتے: کان یلعق اصابعہ ثلاثا۔ (ترمذی)

اطباء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ عمل ہضم طعام کے لئے نہایت ضروری ہے، رات دن تجربہ بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ کھانے کی جن اشیاء پر ہمارے ہاتھ کا لمس ہوتا ہے، وہ بہ نسبت اس غذا کے کہ جس پر انسانی ہاتھ نہ لگا ہو، بہت جلد گل سڑ جاتی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسانی ہاتھوں میں بھی تحلیل غذا کا مادہ موجود ہوتا ہے، اس لئے پاک صاف ہاتھوں سے کھائی جانے والی غذائیں بہ نسبت چھری کانٹوں سے کھائی جانے والی غذاؤں کے بہت جلد تحلیل ہو جاتا کرتی ہیں اور یہ تمام خوبیاں سنت نبویؐ میں یکجا موجود ہیں۔ "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔"

دوسروں کو کھلانا:..... خیر کم من اطعم الطعام (مستدرک) "تم میں بہتر وہ ہے، جو دوسروں کو کھانا کھلائے۔" جو شخص پیٹ بھر کھائے، اگرچہ وہ جائز اور حلال کمائی کا ہو اور اسے معلوم ہو کہ اس کا پڑوسی بھوکا سویا ہو، تو وہ جان لے کہ اس نے حرام خوراک سے اپنا تنور شکم پر کیا۔ (العیاذ باللہ)

ایسے شخص کو خوش خبری دی گئی ہے، جس نے اپنے بھائی کو خوب سیر ہو کر کھلایا پلایا، اللہ پاک اس کو آگ کی سات خندقوں سے پار کر دے گا۔ (طبرانی)

کھانے کے بعد آپؐ دعا فرماتے:..... الحمدللہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین۔ "سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔" اور میزبان کے واسطے فرماتے: اللھم بارک لھم فیما رزقھم واغفرلھم وارحمھم، اللھم بارک لھم من اطعمنی واسق من سقانی۔ "اے اللہ! ان کے رزق میں برکت عطا فرما اور ان کی مغفرت فرما اور ان پر رحم فرما، اے اللہ! جس نے مجھے کھلایا تو اسے کھلا اور جس نے مجھے پلایا تو اسے پلا۔"

اسراف کی ممانعت:..... اس طرح غذا کی قلت کا مسئلہ بھی کسی حد تک حل ہو جاتا ہے، اسی طرح پانی کے خرچ سے متعلق تاکیدی احکام موجود ہیں کہ حقیقی ضرورت اور شرعی مقدار سے زیادہ پانی نہ بہایا جائے، حتیٰ کہ وضو میں تین مرتبہ سے زیادہ پانی نہ بہایا جائے، ورنہ یہ بھی اسراف میں داخل ہوگا، ارشاد باری ہے: ان اللہ لایحب المسرفین۔ "اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔" غذا اور پانی جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، جو بنی نوع انسان کو اس لئے دی گئی ہیں کہ اس سے سب کو مکمل استفادہ کا موقع حاصل رہے اور انگلیوں کو چوسنے سے لعاب دہن کا مناسب حصہ معدہ میں داخل ہونے سے غذا کا پورا پورا تجزیہ ہو کر مفید بدن اجزاء کو معدہ اور آنتوں میں جذب ہونے کا موقع ملتا ہے اور ان اعضاء پر غیر معمولی ہاضمہ کا بار بھی نہیں پڑتا، ان احکام کی پابندی سے ہم نظام ہضم کی بیشتر خرابیوں سے محفوظ رہتے ہیں اور غذائی بے اعتدالی کے اہم مسئلے میں ان سادہ اور قابل عمل تدابیر سے بروقت استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

بعد غذا حلال کی اہمیت:..... اسلام نے بعد غذا

دانتوں میں خلال کو بڑی اہمیت دی ہے۔

احکام:......حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کھانے کے بعد دونوں ہاتھوں کو اچھی طرح دھوئے اور کلی کرنے کے بعد خلال کرے (یعنی دانتوں میں کاڑی کرنے کے بعد خلال کرے (یعنی دانتوں میں کاڑی کرے) وہ خوب ہیں۔'' طبرانی)

حکمت:......تمام ڈاکٹرز اس بات پر متفق ہیں کہ جسم انسان میں گندہ ترین مقام صرف منہ ہوسکتا ہے، حالانکہ دیگر مقامات میں جو اس سے گندہ تر شمار کئے جاسکتے ہیں، لیکن اس پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوجاتی ہے کہ دیگر مقامات پر اتنے خطرناک مراکز عفونت نہیں ہیں، جتنا کہ دہن انسان میں ہیں، اس لئے عدم صفائی سے یہ جلد مرکز عفونت بن جاتا ہے، یہی وہ راستہ ہے جس کا تعلق ۳۲ دانتوں کے دروازوں میں محسوس اور غیر غذائی ذرات کے ذریعے جلد عفونت پذیر ہونے کے علاوہ بات چیت کے دوران کھلی ہوا سے براہ راست متاثر ہوتا ہے، اس لئے منہ کھول کر جمائی لینے یا گندے مقامات اور بیت الخلاء وغیرہ میں تھوکنے سے شریعت نے منع فرمایا ہے، اس مقام کی اہمیت کے لحاظ سے صفائی کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے، جو غذائی اجزاء دانتوں کی دروازوں میں جمے رہتے ہیں، وہ خلال کرنے سے بڑی آسانی سے نکل جاتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے اجزاء کلی کرنے سے نکل جاتے ہیں، خلال بھی نیم کی کاڑی کا بہتر خیال کیا جاتا ہے، جو خود بھی جراثیم کش اور بے ضرر ہے۔

راستہ چلتے کھانا:......راستہ چلتے کھانا ایک بری عادت ہے، سوائے مجبوری کے ''الاکل فی السوق دناء ۃ''

گری ہوئی غذا:......دستر خوان پر گری ہوئی غذا چن کر کھانے سے کئی امراض سے شفا ہوسکتی ہے اور اس سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

خوبصورت اشعار

رہ کر دنیا میں بشر کو زیبا نہیں غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے ہر آن رہے
کوئی بشر آتا ہے جب دنیا میں کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے
ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم......!
چپکے چپکے، رفتہ رفتہ دم بدم
سانس ہے اِک زاہر و ملک عدم
دفعتاً اِک روز یہ جائے گا تھم
اس قدر غفلت تیری ہستی نہیں
دیکھ جنت اتنی سستی نہیں
یہ دارالفنا ہے بستی نہیں
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جاہ ہے تماشا نہیں ہے

☆......☆......☆

قطرہ مانگوں کو دریا میں بہا دیتا ہے
مجھے میری اوقات سے بڑھ کر خدا دیتا ہے
پکاروں تب تنہائیوں میں اسے
میرے ویران دل میں شمع سی جلا دیتا ہے
جس دل میں بھی رہے الفت اس کی
اسے اپنا ہونے کا احساس دلا دیتا ہے
(شاعرہ:......رافعہ عبدالغنی، غلہ منڈی کمالیہ)

☆......☆......☆

نماز کی فرصت نہ ملی تو کیا کرو گے
اتنی مہلت نہ ملی تو کیا کرو گے
روز کہتے ہو کل پڑھوں گا نماز
کل اگر سانس نہ رہی تو کیا کرو گے
(شاعرہ:......ہادیہ حبیب الرحمان، باغ آزاد کشمیر)

☆......☆......☆

میری مادر علمی

چند خوش گوار یادیں

قرۃ العین

آج میں آپ کو اپنی مادر علمی ''جامعہ صدیقیہ'' کے بارے میں بتاؤں گی، اس سے پہلے میں یہ بتانا چاہوں گی کہ مجھے مدرسے میں داخلہ کا شرف کیسے حاصل ہوا۔

میرا مدرسے میں نہیں بلکہ کالج میں داخلہ لینے کو دل چاہ رہا تھا، لیکن اللہ پاک کو میرے لئے کچھ اور ہی منظور تھا، میں نے بہت ضد کی کہ میں کالج میں ایڈمیشن لوں گی اور میں نے بہت کوشش بھی کی، لیکن میرے بھائی عمیر کو اللہ پاک جزائے خیر فرمائے اور ان کی صحت و زندگی میں اللہ پاک برکتیں نازل فرمائے۔ آمین، تو میرے بھائی نے مصمم ارادہ کرلیا کہ میں مدرسے میں داخلہ لوں، پہلے عالمہ بن جاؤں، پھر کالج پڑھ لوں، یوں میں نے داخلہ لے لیا، لیکن شروع میں، میں نے بہت چھٹیاں کیں اور گھر میں آکر میں کہتی کہ میں کل سے مدرسے نہیں جاؤں گی، لیکن گھر والوں کے اصرار کی وجہ سے میں چلی جاتی، پھر آہستہ آہستہ میرا دل مدرسے میں لگ گیا اور اللہ پاک نے میرے دل میں مدرسہ کی محبت ڈال دی، پھر جب مدرسے میں اتنا اچھا ماحول ملا اور شفقت و محنت سے پڑھانے والے اساتذہ ملے تو پھر چھٹی کرنے کو دل نہیں کرتا تھا تو پھر میں سوچتی، یا اللہ تو کتنا مہربان و رحم کرنے والا ہے کہ کس طرح تو نے میرے دل کو پھیر دیا اپنی رحمت و فضل سے، حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ دلوں کو پھیر دیتا ہے جب وہ چاہتا ہے۔'' اسی طرح حدیث مبارکہ میں ہے ''اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ پاک جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں، اس کو دین کی سمجھ عطا کردیتے ہیں۔'' یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، اس نے میرے دل کو مدارس کی طرف پھیر دیا، اب مجھے اپنی جامعہ سے بہت محبت ہے اور کیوں نہ ہو، جہاں سے انسان اپنا ظاہر و باطن صحیح کرے اور اپنی آخرت سنوارے اور بہت سے فوائد حاصل کرے تو پھر محبت تو ہوتی ہے۔

میری مادر علمی جامعہ صدیقیہ ایک دلفریب اور ممتاز ادارہ ہے اور اندھیرے میں چراغ کی مانند ہے اور کیوں نہ ہو چراغ کی مانند ہمارے استاذ محترم مولانا شفیق الرحمان صاحب نے یہ چھوٹا سا پودا لگایا ہے اور ماشاء اللہ سے اب یہ پودا اتنا پروان چڑھا کہ اس کا شمار بنات کے بڑے اداروں میں ہوتا ہے۔

ہمارے اساتذہ نے ہمیں بہت محنت سے پڑھایا، درجہ عامہ، خاصہ، عالیہ میں معلمات سے پڑھا، دورہ

حدیث میں مسلم شریف، سنن ابی داؤد اور ترمذی ثانی معلمات سے پڑھیں اور بخاری اول، بخاری ثانی اور ترمذی اول استاذوں سے پڑھیں۔

دورہ حدیث میں ہمارے استاذ محترم مولانا شفیق الرحمان نے ہمیں چالیس احادیث یاد کروائی تھیں، استاذ صاحب نے کہا تھا کہ جو طالبہ بھی یہ چالیس احادیث سند و متن کے ساتھ زبانی سنائے گی، اسے انعام دیا جائے گا۔ بس پھر ہم نے احادیث یاد کرنا شروع کردی اور جب استاذ صاحب نے ٹیسٹ لیا تو کسی کو بھی ازبریاد نہیں تھیں، تو استاذ صاحب نے فرمایا کہ پھر یاد کریں، ہم نے پھر یاد کیں، جب استاذ صاحب نے ٹیسٹ لیا تو ایک طالبہ کو پکی یاد تھیں جبکہ تین طالبات کی تھوڑی بہت غلطیاں تھیں، لیکن استاذ صاحب نے چاروں کو کتاب "حصن حصین" انعام میں دی۔

مدرسے میں گزرا ہوا ایک ایک لمحہ بہت یاد آتا ہے، ہماری کلاس پڑھائی میں تیز ہونے کے ساتھ ساتھ شرارتوں میں بھی بہت تیز تھی۔

ایک مرتبہ ہمیں ہمارے مدرسے کی معلمات نے کہا کہ سب طالبات مل کر صفائی کریں، بس ہمیں تو شرارت کا موقع مل گیا تھا، ساتھ ساتھ صفائی کررہے تھے اور ساتھ ساتھ ایک دوسرے پر پانی بہا رہے تھے، کلاس کی صفائی کے ساتھ طالبات بھی گیلی ہوچکی تھیں۔

ہماری کلاس میں اکثر لڑائی ہوجاتی، اس بات پر کہ آج حدیث میں پڑھوں گی، ہر طالبہ خاص کر ہم پانچ طالبات تو اس بات پر ڈٹی رہتی کہ میں پڑھوں گی۔

ایک مرتبہ ہماری مسلم شریف کی معلمہ تشریف لائیں اور حدیث پڑھنے کے لئے کہا تو میں اور ساجدہ دونوں پڑھنے لگ گئیں، وہ بھی پڑھی جارہی تھی اور میں بھی، جب کہ پوری کلاس ہم دونوں پر ہنس رہی تھی، آخر ناچار مجھے خاموش ہونا پڑا، کیوں کہ معلمہ بیٹھی تھی اور وہ بھی ہنس رہی تھی ہم دونوں کی بے وقوفی پر۔

جب ہم اکثر اس بات پر لڑتے کہ آج عبارت کون پڑھے گا، اکثر طالبات کہتی کہ ہم پڑھیں گے تو ہماری عابدہ باجی اللہ پاک ان کی صحت و زندگی میں برکات نازل فرمائے، آمین، ہمیں اکثر کہتی کہ تم لوگ آپس میں لڑتی ہو، لیکن یہ محدود مدت ہے، فارغ ہوجانے کے بعد تم لوگ اگر چاہو گے کہ سب طالبات ایک جگہ جمع ہوجائیں تو کبھی بھی پوری کلاس ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتی، آپس میں محبت و پیار پیدا کریں اور اس بات کا احساس، اب جبکہ ہم سب فارغ ہوچکی ہیں، تو افسوس ہوتا ہے کہ کاش ہم کبھی بھی نہ لڑتے، لیکن اب تو سب فارغ ہوچکی ہیں، اللہ تعالیٰ میری تمام دوستوں کو دنیا و آخرت میں کامیاب و سرخرو رکھے، آمین

وقت نہ کبھی پہلے ٹھہرا ہے اور نہ ٹھہرتا ہے، وقت گزرتا گیا اور ہماری تقریب ختم بخاری کے دن قریب آتے گئے۔

5 مئی کو ہماری بخاری کی تقریب منعقد کی گئی، تقریب شروع ہونے سے پہلے ہماری کلاس کی ایک طالبہ نے دعا کروائی، تقریب کے اختتام پر سب طالبات کو چادریں پہنائی گئیں۔

تقریب والے دن ہماری پوری کلاس غمگین تھی، کیونکہ اب سب کو یقین تھا کہ اب ہم نے جدا ہونا ہے، یا اللہ میری پوری کلاس کی طالبات جہاں کہیں بھی ہوں تو ان کو یارب خوش رکھنا۔ آمین

نازک سا دل رکھتیں ہیں دوستیں
معصوم سی ہوتی ہیں دوستیں
جھگڑتی ہیں لڑتی ہیں
کلاس بھی مہک اٹھتی ہے
جب مسکراتی ہیں دوستیں
ہوتی ہے عجب سی کیفیت
جب مدرسہ چھوڑ کر چلی جاتی ہیں دوستیں

29-05-2011 بروز ہفتہ ہمارے استاذ محترم

حضرت مولانا شفیق الرحمان صاحب کی کتاب بخاری اول اختتام پذیر ہوئی، اس وقت دل بہت اداس تھا، استاذ صاحب نے ہمیں بہت اچھی اچھی نصیحتیں کیں، جس میں سے چند یہ ہیں:

(۱)......سب سے پہلے ایک قصہ سنایا، ہارون الرشید اور بہروپیے والا، مین پوائنٹ یہ بتلایا کہ انسان کو اپنے عالمہ یا عالم ہونے کی نسبت کا خیال رکھنا چاہئے، جس طرح اس بہروپیے نے اپنے بزرگ ہونے کا خیال رکھا تھا کہ کہیں اولیاء پر داغ نہ لگ جائے۔

(۲)......عزت، مال، علم تینوں کی حفاظت کریں۔

(۳)......ظاہر کو سنوارنے کی کوششیں کریں، باطن اللہ کے ذمے ہے، اللہ خود سنوار دے گا۔

(۴)......وظائف کا اہتمام کریں۔

(۵)......درس و تدریس کا اہتمام کریں، چاہے گھر میں ہو یا مدرسے میں، اس علم کے اندر اترنے کی دعا کریں، اپنے والدین اور اساتذہ سب کے لئے دعا کریں۔

بروز بدھ 11 مئی 2011ء کو مولانا اسلم صاحب اور مولانا سلطان صاحب کی کتابیں اختتام پذیر ہوئیں، مولانا سلطان صاحب نے ترمذی اول کے اختتام کے وقت یہ فرمایا، اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو معاف کردیں، ڈانٹا ہو تو معاف کردیں اور ساتھ ہی فرمایا کہ ہم ڈانٹتے تو ان کو ہیں جن کو ہم اپنا سمجھتے ہیں، جس طرح ایک والد گلی میں بچوں کو دیکھتا ہے تو اپنے ہی بچوں کو گھر لاتا ہے، اسے ہی ڈانٹتا ہے، اس طرح ہم بھی آپ لوگوں کو اپنا سمجھتے ہوئے ڈانٹتے ہیں، ہمارے دل میں کچھ نہیں، جب استاد صاحب نے یہ جملے ارشاد فرمائے تو بے ساختہ آنکھوں سے موتی کی لڑیاں بہنے لگیں۔

اللہ پاک ہمارے استاذ و معلمات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور دونوں جہاں میں کامیابیاں نصیب فرمائیں۔ آمین

اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہم سب کو اس علم کی قدر کرنے والا بنادے کیونکہ یہ ایسا عظیم الشان ہے اور اس کے اتنے فضائل ہیں کہ ہم ناقص العقل اس کو بیان کرنے سے قاصر ہیں، چند فضائل پیش ہیں:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ علم مال سے بہتر ہے کہ علم انبیاء کی میراث ہے اور مال فرعون و ہامان کا ترکہ ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی رضا کی نیت سے ایک حدیث کا سیکھنا دنیا کی تمام نعمتوں سے افضل ہے۔

رسوخ فی العلم پیدا کرو، تعلق مع اللہ بناؤ اور باطل کے خلاف سینہ سپر ہوجاؤ۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیت نیک ہو تو طلب علم سے افضل کوئی عمل نہیں۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب نیک نیت و اخلاص نہ ہو تو ہمارے لئے یہ علم حاصل کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا، یہ علم واقعی ترقی پیدا کرے گا، مگر اخلاص شرط ہے۔

آخر میں میں اپنی تمام عالمات بہنوں سے گزارش کروں گی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس علم کے لئے چن لیا ہے تو اس علم کی قدر کریں اور علم کے ساتھ ساتھ عمل میں بھی پختگی لائیں، کیونکہ جب اللہ پاک نے اپنے علم کے لئے ہمیں چن لیا تو ہمارا حق بنتا ہے کہ اس علم کی قدر کریں، کیونکہ کتنی ہی لڑکیاں ہیں جو کہ اس وقت یونیورسٹی اور کالج میں تعلیم حاصل کررہی ہیں اور ہمیں اللہ پاک نے چن کر مدرسے سے جوڑ دیا ہے۔

میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ پاک تمام مدارس دینیہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، تمام مدارس کو قیامت تک قائم و دائم رکھے اور حاسدین کے شر اور فتنوں سے حفاظت فرمائے اور ہمیں اس علم پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆



گلشن ان کی یادوں سے مہکتا ہی رہے گا

بنت عبداللہ

جو گزرے ہیں یہاں پر روز و شب وہ یاد آئیں گے
وہ جب جب یاد آئیں گے ہمیں پہروں رلائیں گے
جہاں ہم لوگ مل جل کران سے قرآن کا درس سنتے تھے
جہاں ہم لوگ گل مل کران سے حدیث پاک کا درس سنتے تھے
وہ جگہیں یاد آئیں گی وہ کمرے یاد آئیں گے
وہ جب جب یاد آئیں گے ہمیں پہروں رلائیں گے

کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جو ہماری ہر بات میں رہنمائی کرتی ہیں، دین پر چلنے کا طریقہ، اس پر استقامت کا طریقہ بتاتی ہیں، ہر صحیح اور غلط بات کی طرف نشاندہی کراتا ہے، وہ محسن رہبر جب جدا ہوتا ہے، تب قدر ہوتی ہے اور تب تک دیر ہو چکی ہوتی ہے، ہمارے ساتھ بھی کچھ اس طرح ہوا کہ وہ محسن ہستی جن کے احسان تلے ہمارا بال بال دبا ہوا عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے پیارے محسن ہمیں چھوڑ کر اپنے اصلی وطن چلے گئے، ۲ جون ۲۰۱۳ـ۲۳ رجب ۱۴۳۴ پیر وقت سات بج کر چالیس منٹ پر انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرت فیروز عبداللہ میمن صاحب نے فرمایا کہ ایک عرصے سے ہماری زبانوں پر دامت برکاتہم چڑھا ہوا تھا، اب بار بار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہوئے زبان لڑکھڑا جاتی ہے، حضرت شیخ حضرت والا سے بہت محبت کرتے ہیں اور حضرت والا کے چہیتے خلیفہ تھے، بھائی سے سنا کہ ایک دفعہ حضرت والا نے حضرت سے فرمایا کہ فیروز میمن آپ کی داڑھی میں سفید بال آگئے ہیں، جب ہی کہہ رہا ہوں کہ مجھے آپ سے محبت ہے، حضرت والا کی صحبت میں حضرت ۲۲ سال رہے، فرماتے ہیں کہ حضرت والا ۱۳ سال سے فالج کی بیماری میں مبتلا تھے، ایک دفعہ بھی ان کو شکایت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، ایک لمحے کو بھی ان کے چہرے پر فکر کے آثار نہ ہوتے تھے، بہت مطمئن ہوتے تھے، حضرت بتاتے ہیں کہ حضرت والا کی صرف ایک کوشش ہوتی تھی کہ سارے عالم میں اللہ کا دین پھیل جائے، بیماری میں بھی ہر نماز کی پابندی ہوتی تھی، حضرت فرماتے ہیں کہ حضرت والا کا چہرہ اتنا نورانی، اتنا نورانی ہے کہ ایک دفعہ کسی سفر میں گئے تو کسی خلیفہ کے خادم نے کہا کہ مجھے اس شخص کے دین پر کرلیں، یہ چہرہ کسی سچے کا لگتا ہے کہ یہ جس دین پر ہیں، مجھے بھی اس دین میں کرلیں، حضرت والا کی روح اتنی آسانی سے قبض ہوئی اور چہرے پر اتنا نور کہ کچھ نے کہا، دودھ جیسا سفید گلاب جیسا لال چہرہ تھا، کچھ نے کہا، چاند جیسا سفید تھا، ۸۸ سال کی عمر تھے، مادر زاد ولی تھے، ہر آنکھ اشکبار تھی، ہر زبان پر یہ فغاں تھی کہ سارا عالم ایک مشفق رہبر سے محروم ہوگیا اور یہ خلا پر نہیں ہوسکتی، حضرت والا کے بارے میں اور کیا لکھوں، باتیں بہت ہیں پر الفاظ نہیں، حضرت والا کی وصیت تھی، جو کہ حضرت فیروز میمن نے پڑھ کر بتائی کہ ہر دم اللہ پر فدا رہیں، تقویٰ والی زندگی گزاریں، بس اتنا ہی کہوں گی کہ ”گلشن ان کی یادوں سے مہکتا ہی رہے گا۔“

نماز جنازہ پیر کے دن صبح 9 بجے ہوئی، حضرت والا کے صاحبزادے حضرت مولانا مظہر صاحب دامت برکاتہم نے پڑھائی، ہر آنکھ اشکبار تھی، جنازے میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔

اللہ ہمیں حضرت والا کی تعلیمات پر مکمل عمل کی توفیق عطا فرمائے، امین اور مجھے اور حضرت والا کے گھر والوں اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین

☆......☆......☆

جن خاتون کی نصیحت

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات ارضی کو پیدا کیا، سلسلۂ نبوت قائم فرمایا، انسانوں اور جنوں کی مخلوق کو ”مکلف“ بنا کر فرماں برداری پر اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا اور حکم عدولی پر سزا دینے کا اعلان فرمایا اور ان کی پیدائش کا مقصد یوں واضح فرمایا:

”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔“

جس طرح انسانوں میں نیک اور بد دونوں ہوتے ہیں، اسی طرح جنات میں بھی نیک اور بد دونوں ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جنوں کے قول کو حکایتاً ذکر فرمایا: ”اور یہ کہ ہم میں کچھ نیک ہیں اور کچھ ایسے نہیں ہیں (یعنی بد ہیں) اور ہم مختلف طریقوں پر چلے آرہے ہیں۔“ (سورۃ الجن:۱۱)

مطلب یہ ہے کہ جنات میں کچھ تو ایسے ہیں، جو طبعی طور پر نیک ہیں، جو حق بات کو قبول کرنے کا مادہ رکھتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں، جو طبعی طور پر شریر ہیں، اس کے علاوہ تمام جنات کا مذہب ایک سا نہیں ہے، بلکہ جنات میں بھی مختلف عقیدوں کے لوگ ہیں۔

واقعہ:......علامہ ابن جوزیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ ”حضرت صالح بن عبدالکریمؒ فرماتے ہیں: مجھے اس کا شوق تھا کہ کسی جن سے ملاقات ہو اور اس سے بات چیت کروں، چنانچہ ایک جن عورت کو دیکھا اور میں اس کے ساتھ ہوگیا اور اس سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت کرو تو اس نے کہا: ”لکھو! غزالہ کہتی ہے، تمام کاموں سے بہتر کام یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ تعلق قائم کرو اور ایک لمحہ بھی غفلت نہ کرو، اگر وہ لمحہ فوت ہوگیا تو کبھی ہاتھ نہیں آسکتا۔

☆......☆......☆

مولانا طلحہ سہارنپوری رح

حالات و واقعات

بنت حافظ محمود قریشی

اسم گرامی: محمد طلحہ کاندھلوی، سہارنپوری۔

ولادت:......آپ کی ولادت ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ ۲۸ مئی ۱۹۴۱ء بروز اتوار، نئی دہلی میں ہوئی۔

تعلیم:......فرماتے ہیں کہ میری ابتدائی تعلیم قرآن پاک حفظ نظام الدین اور سہارنپور دونوں جگہ ہوتا رہا، اس لئے کہ والدہ چھ مہینے سہارنپور رہتی تھیں اور چھ ماہ نظام الدین اور انہیں کے ساتھ بندہ کا بھی آنا جانا رہتا تھا اور جہاں قیام ہوتا تھا، وہی تعلیم ہوتی تھی، ابتداء میں اپنی بیماری اور کمزوری کی وجہ سے حفظ میں بہت دیر لگی، چنانچہ کچھ پارے متفرق طور سے نظام الدین کے قرآن پاک کے اساتذہ سے اور مولوی نصیر الدین کے مکتب ابو المدارس کے اساتذہ سے پڑھے، البتہ تلک الرسل کا پارہ بہت بڑے بڑے اکابر حضرات سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، صبح حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی تصنیف کے وقت میں گھر کی چھت پر حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے سامنے بیٹھا کرتا تھا، تیسرے اور چوتھے گھنٹے میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب، مفتی اعظم مظاہر علوم کی خدمت میں دارالافتاء ان کے فرمانے پر قرآن پاک پڑھنے کے لئے جانا ہوتا تھا۔

تیسرے گھنٹے میں مفتی سعید احمد صاحب کی خدمت میں جانے کے بعد مولوی نصیر صاحب کی ٹال میں عصر کے بعد حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی مجلس شروع ہونے سے پہلے چھ سبق یعنی موجودہ سبق کے ساتھ پچھلے پانچ سبق حضرت مفتی صاحب ہی کو سناتا تھا، پارہ ختم ہونے پر بھی مفتی صاحب کو سناتا تھا، پارہ یاد ہونے کی تصویب پر حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی طرف سے انعام بھی ملتا تھا جو مفتی صاحب ہی نے طے کر رکھا تھا اور یاد نہ ہونے کی صورت میں ڈانٹ پڑتی تھی۔

حفظ کی مدت پوری ہونے تک مستقل سہارنپور ہی میں قیام رہا، قرآن پاک کا اختتام ۱۶ رجب ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۹ فروری ۱۹۵۶ء کو رائے پور میں حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کی مجلس میں ہوا اور پہلی محراب ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں مسجد شاہ جی والی دہلی میں سنائی۔ فارسی کی تعلیم کا آغاز ۵ دسمبر ۱۹۵۶ء چہار شنبہ کو سہارنپور میں ہوا، پھر والد صاحب کے تجویز فرمانے پر چھ سال نظام الدین ہی میں تعلیم کے سلسلے میں رہنا ہوا، ہر ماہ ماموں جان مولانا یوسف صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ سہارنپور آنا ہوتا تھا۔ والد صاحب نے بچپن سے ہی تربیت کا سلسلہ فرما دیا تھا، چنانچہ سہارنپور کے قیام کے دوران اگر مدرسہ قدیم میں بھی جانا ہوتا تو بلا اجازت کے نہیں جاتا تھا، جب نظام الدین ہوتا تو بعض حضرات کی بالا بالا نگرانی ہوتی، سہارنپور کے زمانہ قیام میں حضرت والد صاحب قدس سرہٗ دارالتصنیف میں تشریف فرما ہوتے اور بندہ بالکل سامنے چھت پر چارپائی پر بیٹھا قرآن پڑھتا رہتا، جب کبھی پڑھتے پڑھتے کھیلنے لگتا تو والد صاحب اپنی جگہ سے اٹھ کر باز پرس فرماتے۔ اس زمانے میں مولوی نصیر صاحب نے ایک پریس ٹھیکے پر لے رکھا تھا، محلہ نخاسہ میں، ایک بار میں پریس بغیر اجازت چلا گیا، جس پر ڈانٹ پڑی اور پٹتے پٹتے رہ گیا، بندہ کی اعلیٰ تعلیم نظام الدین میں ہوئی، کچھ عرصہ سہارنپور میں بھی رہا، لیکن فراغت نظام الدین سے ہی ہوئی، بندہ بارہا تبلیغی اجتماعات میں شریک رہا، اس شرکت پر والد صاحب نے تحریری اور زبانی مسرت کا اظہار فرمایا، اس جگہ ایک لطیفہ یاد آیا، بچپن میں مجھے قاری ظہیر صاحب تبلیغ میں نکلنے کے لئے کہا کرتے، چنانچہ چند آدمیوں کی موجودگی میں ایک مرتبہ انہوں نے مجھے تبلیغ میں نکلنے کے لئے کہا اور کہا کہ یہ بھی تبلیغ میں نہیں جاتا، اس پر میں نے جواب دیا کہ میں تو اپنی نانی اماں کے یہاں آیا ہوں، اس پر سب ہنس پڑے۔

میرے بچپن میں مجلس کے لئے حضرت کی چارپائی کچے گھر کے چھوٹے چبوترے کے متصل ہوتی تھی اور لوگ چھوٹے چبوترے پر بیٹھا کرتے تھے، حضرت مفتی محمود صاحب بھی اس چھوٹے چبوترے پر تشریف فرما ہوتے، میں گھر سے نکل کر مجلس میں آتا، حضرت کی چارپائی پر چڑھ کر چھوٹے چبوترے پر چڑھ جاتا اور پھر مفتی محمود صاحب کو تلاش کرتا، اگر کوئی مجھے گود میں بٹھانا چاہتا تو میں نہ بیٹھتا اور میں کہتا، اپنے مفتی صاحب کے پاس جا کر بیٹھوں گا، چنانچہ مفتی صاحب جہاں نظر آتے، ان کے پاس چلا جاتا، حضرت مفتی صاحب اپنی گود میں بٹھا لیتے، اگر ٹھنڈ کا موسم ہوتا تو مجھے اپنی چادر میں چھپا لیتے، ادھر حضرت والد صاحب بھی بنظر غائر دیکھتے رہتے کہ کس کے پاس جا کر بیٹھا اور حضرت مفتی صاحب کے پاس بیٹھا دیکھ کر خوش ہوتے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کثرت سے تشریف لاتے اور ان کی شفقتیں اس قدر تھیں کہ میرے بغیر وہ کھانا نہیں کھاتے، بہت سی مرتبہ ایسے واقعات بھی آئے کہ دستر خوان پر روٹی رکھی گئی اور سالن بھی آ گیا، حضرت والد صاحب حضرت مدنیؒ سے فرماتے، شروع فرمائیں، اس پر حضرت مدنیؒ فرماتے، پیر صاحب (طلحہ) آئے تو شروع کروں گا، میرا "پیر صاحب" کا لقب حضرت مدنیؒ نے ہی رکھا، جس کا قصہ بھی عجیب ہے، ایک مرتبہ بچپن میں اپنے کتب خانہ پر بیٹھا بچوں کو بیعت کر رہا تھا، جیسا کہ بچے مختلف طرز کے کھیل کھیلا کرتے تھے، میرے لئے یہ ایک کھیل تھا، اتنے میں حضرت مدنیؒ کا تانگہ آ گیا، حضرت تانگہ سے اترے اور مجھے جو بیعت کرتے دیکھا تو فرمایا، مجھے بھی بیعت کر لیں، میں نے بلا تکلف کہہ دیا، آجایئے اور حضرت مدنیؒ کو بیعت کر لیا، اس کے بعد سے میرا "پیر صاحب" کا لقب پڑ گیا اور حضرت مدنیؒ ازراہِ شفقت پیر صاحب ہی کہہ کر پکارا کرتے تھے، جب مولانا یوسف صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو اس واقعے کی خبر ہوئی، جب کہ میں بڑا ہو گیا تھا تو ماموں جی فرمایا کرتے تھے، طلحہ تجھ سے چوک گئی، ایک چلہ ہی ان سے مانگ لیا ہوتا۔

حضرت شیخ کی مجلس جب شام کو ختم ہو جاتی اور حضرت مغرب کے لئے تشریف لے جاتے تو میں حضرت کی چارپائی پر بیٹھ جاتا، اس زمانے میں جو خادم تھا، اس کا نام عبدالمجید تھا، اس سے کہتا، لا مجید ایک پان کھلا دے، اسی طرح سے کوئی عورت تعویذ لینے والی آ جاتی تو اس سے کہتا، ارے چلی جا، بروقت کوئی تعویذ ملا کرے ہے، اب مغرب کو جا رہے ہیں۔

اسی طرح بچپن میں حضرت والد صاحب اور ماموں حضرت مولانا یوسف صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے قرآن پاک کی نقل اتارنی خوب جانتا تھا، جب میں نظام الدین جاتا تو حضرت والد صاحب کے قرآن پاک کی نقل اترواتے اور خوب سنتے اور جب سہارنپور آتا تو یہاں کے کچھ تبلیغی احباب حضرت مولانا یوسف صاحب کے قرآن پاک کی نقل اترواتے اور سنتے۔

☆......☆......☆

سانحہ راولپنڈی کی دردناک داستان

مولانا عبدالقدوس محمدی

سانحہ راولپنڈی صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ پوری انسانی تاریخ کے انتہائی المناک ،دلخراش اور افسوسناک سانحات میں سے ہے۔اس سانحہ کے حوالے سے بہت سے سوالات اور بہت سے ابہام ہیں ۔گزشتہ دو تین دنوں سے ملک بھر سے مسلسل اصرار بڑھتا جارہا ہے کہ اس واقعہ کے حالات اور لوگوں کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کے بارے میں اصل اور حقیقی حقائق کے بارے میں ہر طرف تاریکی اور اندھیرے ہیں ۔جھوٹ کے سوداگر ان تاریکیوں میں مسلسل اضافہ کیے جارہے ہیں ایسے میں سچ کا ''اجالا'' اور حقائق کی روشنی چاہیے۔ مسلسل فون کرنے والے مہربانوں کی خدمت میں عرض ہے کہ ایک تو اس واقعے کے حوالے سے وفاق المدارس کے اکابر نے جو فعال کردار ادا کیا اس کی وجہ سے مصروفیت رہی اور دوسرے اس وجہ سے کہ اس معاملے میں محض سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر کچھ لکھا اور کہا نہیں جا سکتا تھا جب تک کہ اس واقعے کے حقیقی عینی شاہدین اور اس معاملے کے متاثرین سے نہ پوچھ لیا جاتا ۔اس حوالے سے سب سے موزوں اور ذمہ دار شخصیات میں سرفہرست جانشین شیخ القرآن ،قائد جمعیت اہلسنت مولانا اشرف علی ہیں جو دارالعلوم تعلیم القرآن کے مہتمم ہیں ،دوسرے نمبر پر دارالعلوم تعلیم القرآن کی مسجد میں خطبہ جمعہ دینے والے ،مولانا اشرف علی کے جواں سال صاحبزادے مولانا امان اللہ ہیں جن کے بارے میں یہ افواہ گردش کرتی رہی کہ ان کو بیوی بچوں سمیت ذبح کردیا گیا،جبکہ تیسری اہم ترین شخصیت مولانا گوہر الرحمٰن ہیں جو دارالعلوم تعلیم القرآن کے ناظم اعلیٰ ہیں اور چوتھی نام نواسہ شیخ القرآن مولانا شاکر محمود کا ہے۔ میں ان لوگوں سے رابطے اور ملاقات کی کوشش کرتا رہا لیکن کرفیو ،حالات کی سنگینی ،موبائل فونوں کی بندش اور غیر یقینی صورتحال کی وجہ سے ان سے رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا لیکن پھر حسن اتفاق سے جب وفاق المدارس کے جنرل سیکرٹری ،سرمایہ اہل حق مولانا محمد حنیف جالندھری اور وفاق المدارس کے دیگر قائدین کے ہمراہ حکومت سے مذاکرات اور ملاقات کے لیے جانا ہوا تو وہاں ان چاروں شخصیات سے ملاقات ہوگئی (مذاکرات ،وفاق المدارس اور دیگر دینی جماعتوں کی اس واقعے کے حوالے سے مساعی اور دیگر امور پر انشاءاللہ اگلی نشست میں بات ہوگی)اس موقع پر یہی سوال ہر زبان پر تھا کہ یہ سب کیا ہوا؟

کیسے ہوا؟ کیوں ہوا؟ اس سوال کے جواب میں مولانا اشرف علی اور ان کے رفقاء نے عمومی اور انفرادی مجالس اور ملاقاتوں میں جو احوال بیان کیا ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

وزیراعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف، وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان، وفاقی وزیر مذہبی امور سردار محمد یوسف ،وزیر مملکت برائے مذہبی امور پیر سید امین الحسنات،صوبائی وزیر قانون رانا ثناء اللہ اور دیگر کے ساتھ علماء کرام کی ملاقات کے موقع پر جب یہی سوال کیا گیا اور مولانا اشرف علی اور مولانا امان اللہ نے سانحہ راولپنڈی کے دلخراش حالات بیان کیے تو پوری مجلس پر سناٹا چھا گیا، درد دل رکھنے والے آبدیدہ ہو گئے۔

مولانا اشرف علی نے وزیراعلیٰ موجودگی میں اور بعد ازاں راقم الحروف کے سوالات کے جواب میں جو کچھ بتایا اس کا لب لباب یہ ہے کہ ''یہ جلوس دارالعلوم کے سامنے سے گزشتہ کئی برسوں سے گزرتا رہا اور ہمیشہ وسعت ظرفی ، برداشت اور صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے پورا پورا دن محصور رہتے ،ہمارے سارے کاموں اور آمد و رفت میں خلل رہتا، گاہے ایسا بھی ہوتا کہ جلوس کے شرکاء محض سنی مسلمانوں کو چڑانے کے لیے گھنٹوں مسجد و مدرسہ کے سامنے چوک میں جلوس روکے رکھتے ،نعرے بازی اور ہنگامہ آرائی کی جاتی لیکن کبھی جلوس والوں کے لیے ہماری طرف سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کیا گیا تاہم مشاورتی اجلاسوں میں صرف ہم ہی نہیں بلکہ قرب و جوار کے دکاندار اور وہاں کے مکین بارہا حکومت سے یہ مطالبہ کرتے رہے کہ اس گنجان آبادی ،کاروباری مرکز اور حساس علاقے سے اس جلوس کے روٹ تبدیل کیا جائے ورنہ کوئی بھی حادثہ ہو سکتا ہے ۔لیکن کبھی ہمارے اس آئینی اور قانونی تقاضے کو سنجیدگی سے نہیں لیا گیا۔ اس سال یہ ہوا کہ یہ جلوس اپنے طے شدہ وقت سے پہلے ہی دارالعلوم کے سامنے آ گیا حالانکہ جلوس کے دارالعلوم کے سامنے سے گزرنے کا وقت عموماً سہ پہر ساڑھے تین اور چار بجے کے درمیان ہوتا ہے لیکن اس سال حیرت انگیز طور پر یہ جلوس پونے دو بجے ہی مسجد کے سامنے آ گیا۔ مولانا امان اللہ جمعہ کے اجتماع سے خطاب کر رہے تھے۔ خطاب کے دوران کچھ پولیس اہلکاروں نے مولانا کو پرچی دی کہ لاوڈ اسپیکر بند کر دیا جائے چنانچہ لاوڈ اسپیکر بند کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود کچھ شرپسند عناصر مسجد میں داخل ہو گئے یوں لگتا تھا کہ انہوں نے پہلے سے ہی سب کچھ طے کر رکھا ہے۔ان شرپسند جوانوں کے پاس بوتلیں تھیں جن میں کوئی محلول سا تھا۔انہوں نے ان بوتلوں سے نمازیوں پر حملہ کیا۔ کچھ لوگوں نے بیچ بچاؤ کروایا۔ وہ بلوائی وقتی طور پر تو مسجد سے نکل گئے ۔اس کے بعد عربی خطبہ اور نماز ادا کی گئی۔لوگ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک مرتبہ پھر بلوائیوں کا ایک جتھہ مسجد پر چڑھ دوڑا۔ان لوگوں نے نمازیوں اور طلباء پر تشدد شروع کر دیا۔ان کے ہاتھوں میں خنجر تھے،ان سے وار کرنے لگے ۔پھر تھوڑی بعد ایک مسلح جتھہ مسجد کی محراب والی جانب سے مسجد میں آ گھسا۔انہوں نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔اب ہر کسی کو اپنی اپنی جان بچانے کی فکر لگ گئی۔ہم ،طلباء کرام اور عام نمازی سب کے سب نہتے تھے''۔ مولانا اشرف علی بتانے لگے ''مجھے طلباء اپنے حصار میں لے کر ایک کمرے میں لے گئے پھر جب وہاں ہم نے خود کو غیر محفوظ سمجھا تو ہم دارالحدیث میں چلے گئے ۔ہمارے سامنے قتل و غارتگری کا کھیل جاری تھا اور ہم بے بسی سے ہاتھ مل رہے تھے کچھ کر نہیں سکتے تھے۔

انہوں نے بتایا'' ایک طالبعلم سے ظالموں نے اپنی مرضی کے کچھ نعرے لگوانے کی کوشش کی ،جن نعروں کی شریعت میں گنجائش تھی وہ تو اس نے لگائے لیکن جب اس نے صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنے سے انکار کیا تو اس کی زبان کاٹ ڈالی ،بعض طلباء کی نعشوں کو مسخ

بھی کیا گیا۔ اسی اثناء میں مسجد و مدرسہ کے نیچے جو مارکیٹ تھی اسے آگ لگادی گئی۔ اس مارکیٹ میں چونکہ کپڑے اور گارمنٹس وغیرہ کی دکانیں تھیں اس لیے بہت جلد وہاں آگ کے شعلے بڑھک اٹھے جبکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہاں ایسا کوئی محلول پھینکا گیا جس کا پہلے سے بندوبست کر رکھا تھا اور آنا فاناً ایسی آگ بھڑکی کہ سب کچھ جل کر خاکستر ہو چکا تھا۔ موبائل فون کی بندش کی وجہ سے اس صورتحال سے ہم کسی کو آگاہ بھی نہیں کر سکتے تھے ایک پولیس افسر چودھری حنیف نے بھی مدرسہ میں پناہ لے رکھی تھی ان سے ہم نے گزارش، انہوں نے فون کر کے مزید نفری منگوانے کی کوشش کی لیکن نفری نہ آسکی نفری تو دور کی بات آگ بجھانے کے لیے فائر بریگیڈ اور نعشیں اور زخمیوں کو اٹھانے کے لیے ایمبولینسوں تک کو نہیں آنے دیا گیا'' مولانا اشرف علی اور مولانا امان اللہ داستان درد وغم بیان کر رہے تھے اور سب لوگ بڑے انہماک سے ان کی بپتا سن رہے تھے۔

وزیر اعلیٰ اور چودھری نثار علی خان مختلف سوالات پوچھ پوچھ کر معاملے کی حقیقت اور اصلیت سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ سب کچھ کتنے بجے شروع ہوا؟ اس پر دارالعلوم تعلیم القرآن کے حضرات نے بتایا کہ اس سلسلے کا آغاز پونے دو بجے ہوا۔ زیادہ سخت حملہ تقریباً سوا دو بجے ہوا۔ سوا دو بجے سے لے کر شام چھ سات بجے تک زخمی کراہتے رہے، مظلوم دہائیاں دیتے رہے، دکانیں جلتی رہیں، دھواں اٹھتا رہا ،خون بہتا رہا لیکن پیچ شہر میں کوئی ہماری مدد کو نہ پہنچا ،پولیس آئی تو ان سے اسلحہ چھین لیا گیا اور وہ اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ایمبولینسیں آئیں تو ان پر بلوائیوں نے دھاوا بول دیا، فائر بریگیڈ کی گاڑیاں آئیں تو قاتلوں نے ان پر پتھراؤ کر دیا اور انہیں آگے بڑھنے کا راستہ نہیں دیا گیا۔'' اس پر سب نے گہرے افسوس اور غم و غصہ کا اظہار کیا۔

میں نے مولانا اشرف علی صاحب اور ان کے رفقاء سے پوچھا کہ اس وقت شہداء کی تعداد کا مسئلہ عجیب صورتحال اختیار کر گیا ہے آپ حضرات بتائیں کہ آپ کی اس بارے میں کیا معلومات ہیں جس پر مولانا کے صاحبزادے مولانا امان اللہ کا کہنا تھا ''ہم جب مسجد سے نکلے تو مسجد کے صحن میں نعشیں بکھری پڑی تھیں۔ دار العلوم تعلیم القرآن صرف ایک مسجد کا نام نہیں ظاہر ہے کہ وہ ایک بہت بڑا کمپاؤنڈ ہے۔ جس میں پر پیچ راستے ،سینکڑوں دکانیں، تنگ و تاریک گلیاں، مدرسہ کے دفاتر ،کمرے اور درسگاہیں، اساتذہ کے رہائشی مکانات سب کچھ ہی تھا۔ مدرسہ میں زیر تعلیم مسافر طلبہ کی تعداد چھ سو تھی، اس تعداد میں عام نمازیوں اور بازار کے تاجروں کی تعداد بھی شامل کر لی جائے تو خود اندازہ کیجیے کہ معاملہ کہاں جا پہنچتا ہے؟ اور حال یہ تھا کہ مسجد کے اندر بلوائی لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے ،مسلح جتھے باہر نکلنے والوں پر ٹوٹ پڑتے تھے، آگ کے شعلوں نے اس پورے کمپاؤنڈ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ایسے میں ہم کیا کرتے؟ فون کیے، پولیس کے موقع پر موجود افسران سے پولیس بلانے کو کہا لیکن کوئی ہماری مدد کو نہ آیا، موبائل فون بند تھے، ہم نہتے تھے، نہ مزاحمت کر سکتے تھے، نہ شور مچا سکتے تھے، نہ فون کر سکتے تھے ۔جس وقت ہم مسجد سے نکلنے لگے اس وقت ہم نے تو صرف مسجد کے صحن میں موجود چند نعشیں دیکھی تھیں۔ باقی کمروں میں، گلیوں میں، دکانوں میں، گیلریوں اور چھتوں پر کتنی نعشیں تھیں ان کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سانحہ راولپنڈی سانحہ لال مسجد کی دوسری قسط ہے۔ جس طرح لال مسجد میں کرفیو لگا کر بچوں اور بچیوں کی نعشوں کو ٹھکانے لگایا گیا اسی طرح یہاں بھی کرفیو لگا کر شواہد مٹائے گئے، حکومت کو کیا پڑی تھی کہ رات کے اندھیرے میں شہداء کی میتیں انتہائی توہین آمیز انداز میں ان کے ورثاء کے حوالے کی گئیں؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

سوال یہ ہے کہ صرف تین یا دس گیارہ شہداء کی وجہ سے راولپنڈی جیسے شہر میں کرفیو لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ میڈیا کو کیوں بروقت نہیں آنے دیا گیا؟ گزشتہ دو دنوں کے دوران فوج، پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں نے سر توڑ کوشش کر کے دارالعلوم کے احاطے کو اپنے تئیں کلیئر کیا لیکن اس کے باوجود ابھی تک وہاں سے نعشیں نکالنے کا سلسلہ جاری ہے۔ تو آپ خود اندازہ کریں کہ یہ واقعہ کس قدر سنگین ہے۔ ہم تعداد کے معاملے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔ حکومت کی طرف سے 9 کے عدد پر اصرار کیا جا رہا ہے اور اب اس عدد میں بھی مزید اضافہ ہو گیا لیکن کوئی بھی ذی شعور اس عدد پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جہاں پانچ گھنٹے آتش و آہن کا بھیانک کھیل کھیلا گیا ہو، جہاں کوئی ادارہ دادرسی کے لیے نہ آپایا ہو اور جہاں دو دن تک کرفیو لگا کر دارالعلوم کی طرف جانے والا ہر راستہ بند کر دیا گیا ہو وہاں خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنا جانی اور مالی نقصان ہوا ہے؟''

جب مولانا اشرف علی اور مولانا امان اللہ وزیر اعلیٰ کے سامنے اس سانحہ کی تفصیلات بیان کر رہے تھے اس وقت وزیر اعلیٰ اور وزیر داخلہ دونوں نے مارکیٹ میں پھیلائے جانے والے سب سے مشہور جھوٹ کے بارے میں سوال کیا'' آپ نے خطبے میں ایسی کیا اشتعال انگیز بات کی تھی جس کی وجہ سے یہ حادثہ رونما ہوا؟'' جس کے جواب میں مولانا امان اللہ نے کہا'' میں نے صرف حضرت حسینؓ کی شان اور حضرات اہلِ بیت اطہار کے مناقب بیان کیے۔ میری گفتگو میں کوئی بھی بات قابل اشکال نہیں تھی۔ لیکن بلوائی چونکہ پہلے سے اس تاک میں تھے اور انہوں نے ہر قیمت پر ہنگامہ آرائی کرنی ہی تھی اس لیے انہوں نے یہ بہانہ گھڑا ۔اس موقع پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے جنرل سیکرٹری مولانا محمد حنیف جالندھری نے مداخلت کرتے ہوئے کہا'' اگر ایک لمحے کے لیے یہ بات مان بھی لی جائے کہ مولانا امان اللہ نے کسی قسم کی قابل اعتراض گفتگو کی بھی تھی تو کیا وہ گفتگو اس ظلم و سربریت کے لیے جواز کی وجہ بن سکتی ہے؟ اگر ایسی کوئی بات تھی تو اس کا ثبوت پیش کیا جاتا، قانون کے مطابق کارروائی کی جاتی'' سوال یہ ہے کہ اگر قابل اعتراض گفتگو اور دلآزاری والی بات ہی قتل و غارتگری کا جواز بن سکتی ہے تو پھر وہ لٹریچر، وہ تقریریں، وہ باعثِ نفرت مواد، وہ اشتعال انگیز چیزیں جن کا ہدف صحابہ کرامؓ جیسی مقدس ہستیاں رہی ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔ اگر یہی منطق ہر جگہ چلائی جائے تب تو شیعہ سنی فساد اور فرقہ واریت کی آگ میں جو کچھ جل چکا اس سب کو سند جواز عطا کرنی پڑے گی۔

ہماری دانست میں یہ واقعہ ملک کی بنیادیں ہلا دینے کے مترادف ہے۔ اگر خدانخواستہ خاکم بدہن اس سانحے کے نتیجے میں ملک میں خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، مذہب و مسلک کے نام پر خون بہنے لگتا ہے تو مستقبل میں پاکستان کا جو نقشہ بنے گا اسے سوچ کر ہی خوف آتا ہے اس لیے اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ مستقل بنیادوں پر مفاہمت اور بین المذاہب اور بین المسالک ہم آہنگی کا اہتمام کیا جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس واقعے کے حوالے سے انصاف کے تمام تر تقاضے پورے کیے جائیں، حضرت جالندھری کے بقوم محض بیانات پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ اقدامات کی طرف توجہ دی جائے، اس واقعے میں ملوث افراد کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے، جانبدارانہ طرزِ عمل اور دوہرے معیار ترک کیے جائیں۔ اس ملک میں بسنے والا ہر فرد وہ شیعہ ہو یا سنی اس کو ریاست جان و مال کے تحفظ کی گارنٹی دے تب اس سیلاب کو روکا جا سکتا ہے ورنہ بصورت دیگر یہ دعا ہی کی جا سکتی ہے کہ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے اور پاک وطن کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

فرقہ وارانہ قتل وغارتگری کی روک تھام کیونکر ممکن ہے؟:......راجہ بازار راولپنڈی میں واقع مسجد و مدرسہ دارالعلوم تعلیم القرآن میں جو افسوسناک ،المناک اور دلخراش سانحہ رونما ہوا وہ ایک ایسا تاریخی اور قومی سانحہ ہے جس کے زخم مدتوں تک رستے رہیں گے۔اس واقعے کے حوالے سے کئی چیزیں ایسی ہیں جو گہرے غور وفکر کی متقاضی ہیں اوران پر صدق دل سے غور نہ کیا گیا اوران کا تدارک کرنے کا اہتمام نہ کیا گیا تو اس بات کا سنگین خطرہ ہے کہ ملک دشمن قوتیں اس ملک کو تباہی و بربادی کے دہانے تک لے جانے کی کوشش کریں گی اور پاکستان کو شام اور عراق بنانے کی سعی کی جائے گی۔اس سلسلے میں بعض امور فوری توجہ کے متقاضی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

☆......پاکستان کے تنازعات اور اختلافات کی سب سے بڑی جڑ مختلف مذاہب کے پیروکاروں اور مختلف مسالک کے وابستگان کے نزدیک قابل احترام ہستیوں کے بارے میں گستاخی ،دل آزاری اور ہرزہ سرائی کا ارتکاب ہے۔اس سلسلے میں تمام مکاتب فکر کی سرکردہ شخصیات کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے اور اس معاملے میں اتفاق رائے پیدا کرنا چاہیے کہ صحابہ کرامؓ ہوں یا حضرات اہل بیت اطہارؓ......یہ حضرات دین اسلام کی اساس اور بنیاد ہیں اوران کا احترام ہر کسی پر لازم ہے۔اس سلسلے میں مولانا سمیع الحق کی تجویز کے مطابق ملی یکجہتی کونسل کی سترہ نکاتی تجاویز اور اہلسنت والجماعت کے مولانا محمد احمد لدھیانوی کے بقول متحدہ علماء بورڈ پنجاب کے مشترکہ اعلامیہ کے نتیجے میں قانون سازی بھی کی جائے اور اس پر عملدرآمد کا اہتمام بھی کیا جائے۔

☆......کچھ عرصے سے جس طرح قتل وغارتگری کا ماحول بنتا جارہا ہے۔اور راولپنڈی کے حالیہ واقعہ میں جس ظلم وستم اور درندگی اور سربریت کا مظاہرہ کیا گیا اس کے بعد یہ سلسلہ مزید بڑھنے کا خدشہ ہے اس سلسلے میں وفاق المدارس کے قائدین یہ کوشش کر چکے ہیں کہ فریقین کے رہنماؤں کو بٹھایا جائے اور کم از کم اختلافات کی حدود کا تعین کیا جائے اوراس بات پر اتفاق کیا جائے کہ ایک دوسرے کے خلاف اسلحہ نہیں اٹھایا جائے گا اور کسی انسان کا خون بہانے سے گریز کیا جائے گا۔

☆......اس سے قبل جتنے واقعات ہوئے اور اب جو تازہ ترین سانحہ ہوا اس کے غیر جانبدارانہ ،آزادانہ اور منصفانہ تحقیقات کروائی جائیں اور ان تحقیقات سے دونوں طرف کے لوگوں کو باخبر بھی کیا جائے بالخصوص اس قسم کے واقعات میں ملوث کوئی بھی فرد ہو اس نے کسی بھی قسم کا لبادہ اوڑھا ہوا ہو اس کو اس طرح نشان عبرت بنانا چاہیے کہ دوبارہ کسی کو جرات نہ ہوسکے۔

☆......حکومت اور میڈیا کو دوہرے معیار ترک کرنے چاہیں۔شیعہ کو اس بات کا احساس نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اقلیت ہیں اس لیے ان کی جان مال محفوظ نہیں جبکہ اہلسنت کو یہ شکوہ نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی ہوتی ہے۔ان کے شہداء کے لیے معاوضوں کا اعلان کیا جاتا ہے،نہ حکومت کی طرف سے ان سے ہمدردی کے دو بول بولنے کی زحمت گوارا کی جاتی ہے،نہ میڈیا ان کو جگہ دینے کے لیے تیار ہوتا ہے،نہ حکومت حقائق کو سامنے لانے کی اجازت دیتی ہے اور پھر ہر واقعے میں ملوث افراد کو کسی نا کسی طریقے سے چھوڑ دیا جاتا ہے اس لیے شیعہ سنی دونوں فریقوں کے ساتھ غیر جانبدارانہ اور منصفانہ طرز عمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے اوران کی صحیح معنوں میں اشک شوئی کا بندوبست کرنا چاہیے۔

☆......میڈیا کو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ذرائع ابلاغ میں واضح طور پر عدم توازن اور جانبداری کا طرز عمل دکھائی دیتا ہے۔کہیں تو میڈیا اصل تصویر دکھانے اور شہداء کی صحیح تعداد بتانے کے لیے تیار

نہیں ہوتا اور میڈیا کی ذمہ داری کا خوبصورت عنوان دے کر سب کچھ قالین کے نیچے چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے اور کہیں ذاتی اور خاندانی دشمنیوں کو فرقہ وارایت کا شاخسانہ قرار دیا جاتا ہے۔میڈیا کے اس طرز عمل میں ایک طرف تو میڈیا میں موجود بعض لوگوں کی اپنی مذہبی اور نظریاتی وابستگی کا بھی دخل ہوتا ہے جو کہ صحافت جیسے پیشے کی توہین کے مترادف ہے اور گاہے حکومتی پابندیوں کے باوجود بھی میڈیا کے طرز عمل پر سوالات اٹھنے لگتے ہیں۔جبر اور فسطائیت کے یہ ہتھکنڈے گزرے دور کا تو شاید بہت اچھا ہتھیار تھا لیکن اب یہ ایسا ہتھیار ہے جس سے "بیک فائر" ہورہا ہے۔راولپنڈی واقعے پر جس قدر ابہام ،جانبداراری اور سرکاری پابندیوں کے پردے ڈالنے کی کوشش کی گئی اور جتنا زیادہ اس واقعے کو سنسر کیا گیا اسی قدر افواہوں نے جنم لیا اور لوگوں نے اپنے دل کی بات کہنے کے لیے سوشل میڈیا،موبائل سروس اور زبانی تبصرہ آرائیوں کا سہارا لیا جس کی وجہ سے حالات مزید ابتر ہوتے چلے گئے۔

☆......راولپنڈی جیسے واقعات میں حکمران وقتی طور پر تو بہت سے وعدے اور دعوے کرتے ہیں لیکن ان کی حقیقت عملدرآمد کے وقت سامنے آتی ہے پاد رہے کہ لیپا پوتی کا یہ طرز عمل محض ایک وقت تک کارگر ثابت ہوسکتا ہے لیکن دوبارہ جب کبھی اس قسم کا واقعہ یا سانحہ پیش آتا ہے تو پھر عدم اعتماد کی وجہ سے اس الجھن کو سلجھن میں بدلنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔

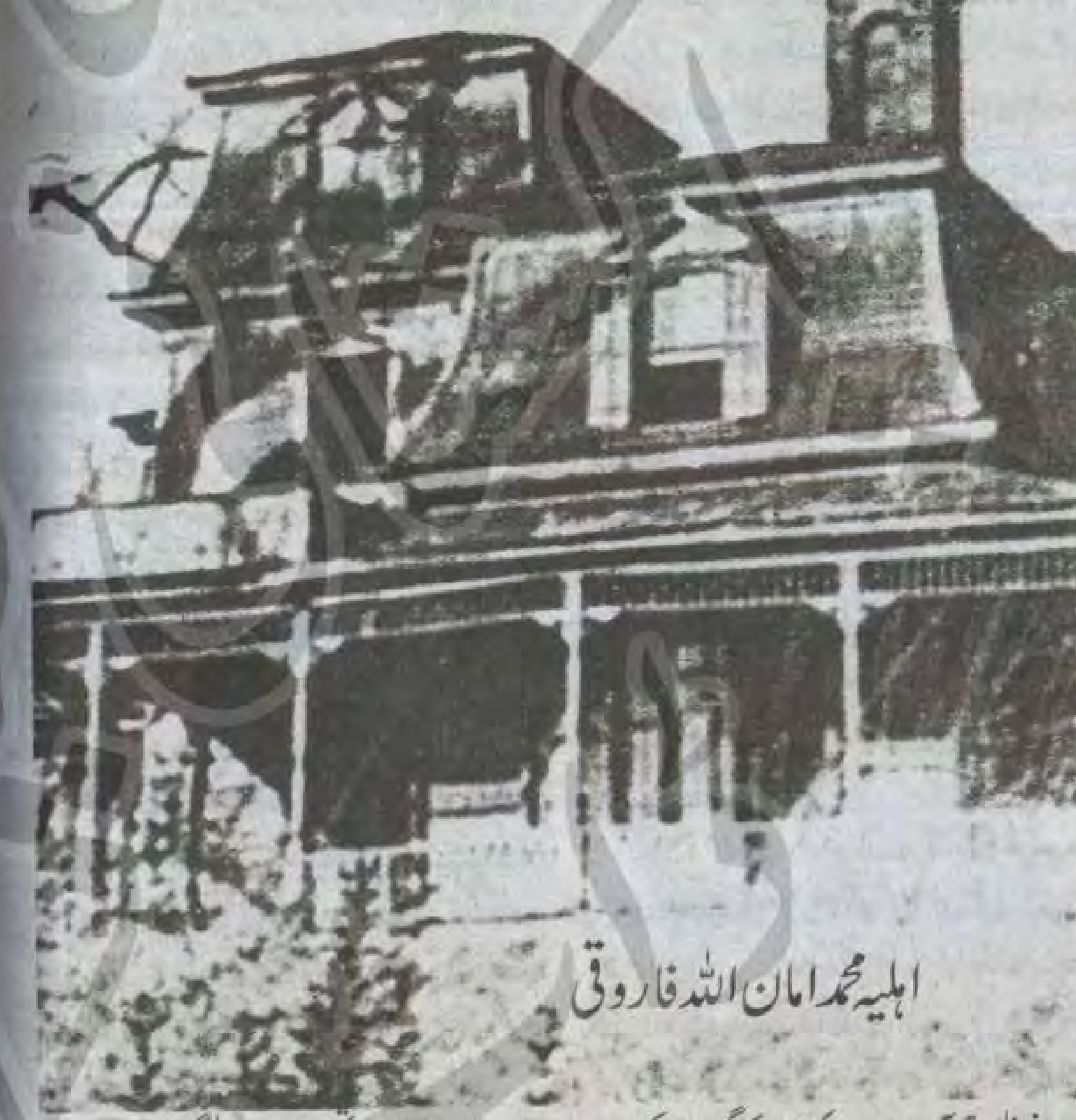
☆......اس وقت حالات جس رخ پر چل نکلے ہیں ان کا تقاضہ یہ ہے کہ محض کسی ایک گروہ کے مطالبے پر نہیں لیکن اجتماعی طور پر شیعہ سنی اور دیگر تمام مکاتب فکر کی سرکردہ شخصیات کو اعتماد میں لے کر یہ بات طے کروائی جائے کہ مذہبی جلوسوں کو چاردیواری کے اندر تک محدود کیا جائے۔اگر ان جلوسوں کو عبادت گاہوں تک محدود کرنا قابل عمل نہ ہو تو کم از کم ہر شہر کے کھلے میدانوں کا انتخاب کرکے وہاں ماتم اور زنجیر زنی وغیرہ کی اجازت دی جائے کیوں کہ اس وقت اس ملک میں صرف راجہ بازار راولپنڈی ہی نہیں بلکہ ہر محلہ،ہر بازار،ہر شہر بارود کا ڈھیر بنا ہوا ہے اوراس کو ذرا سی چنگاری بھی خاکستر بنا سکتی ہے اس لیے دونوں طرف کے رہنماؤں کو امت کے حال پر رحم بھی کرنا چاہیے اور ملک وملت کے وسیع تر مفاد میں بعض اقدامات اٹھانے چاہیے۔کیونکہ ہماری دانست میں نہ تو شیعہ زعماء یہ چاہیں گے کہ ملت تشیع سڑکوں پر دہشت گردوں کے رحم وکرم پر رہے اور نہ ہی اہلسنت رہنما یہ چاہیں گے کہ دوبارہ راجہ بازار جیسا کوئی سانحہ پیش آئے۔

☆......صرف اشتعال اور محاذ آرائی کے دنوں میں ہی نہیں بلکہ مستقل طور پر ایسے فورم تشکیل دیئے جانے چاہیے جو صحیح معنوں میں بین المسالک اور بین المذاہب ہم آہنگی پیدا کرنے کی محنت کریں اور اس محنت پر نہ تو مفاد پرستی کا لیبل ہو اور نہ ہی کسی قسم کی اقرباء پروری کا تاثر......یہ محنت محض بند کمروں اور میزوں تک ہی محدود نہیں رہنی چاہیے بلکہ اس کو عوامی سطح پر منظم کرنے کی ضرورت ہے۔

☆......بہت سے معاملات کے بگاڑ میں بیرونی ممالک اور خارجی عوامل کا بھی گہرا عمل دخل ہے۔اس سلسلے میں اس بات کا پورا پورا اہتمام کیا جانا چاہیے کسی بھی دوسرے ملک کے ایماء اور اشاروں پر یہاں کوئی سرگرمی نہ ہونے پائے اور قانون نافذ کرنے والے ادارے ایسے لوگوں کو بے نقاب کریں،ان کی سپلائی لائن کاٹیں جو ایسے ممالک سے رابطے میں ہیں اوران سے فنڈز حاصل کرتے ہیں۔بالخصوص گزشتہ کچھ عرصے سے بعض پڑوسی ممالک کی طرف سے فرقہ پرستوں کی سرپرستی اور پشت پناہی کی جو اطلاعات مل رہی ہیں ان کی روک تھام کی جائے۔

☆......☆......☆

گھر کہانی



اہلیہ محمد امان اللہ فاروقی

بشریٰ باجی آپ اس ماریہ کو خالہ کے گھر روانہ کریں، اب دوسری بار فون آرہا ہے تو ثوبیہ کا کہ ماریہ کو بھیجو، صائمہ نے کمرے میں داخل ہوکر کہا تو بشریٰ نے کتاب بند کرکے رکھی اور کہا، ماریہ تم آج طاہرہ کے ساتھ چلی جاؤ، خالہ کے گھر اور سنورات سات بجے سے پہلے تم اس کمرے میں حاضر ہونا، گویا یہ حکم ہے آپ کا، ضرور تعمیل ہوگی، ماریہ نے چادر اوڑھتے ہی کہا اور طاہرہ کو آواز دی، جو جھولے پر جھول رہی تھی، پھر وہ تو چلی گئی۔

اب صائمہ نے کاپی کے کاغذ پر نام لکھ کر پرچی بنانی شروع کی اور ساتھ ہی آواز دے کر کہا، آؤ آصفہ کا شفہ اب وقت ہوا ہے چار بجے شام کا اور دن ہے اتوار کا تو آپ نے آج صبح کہا تھا دو سوٹ استری کردو، پھر شام کو کھیل سکیں گے تو آجاؤ، اتنا بڑا اعلان سن کر سب کمرے میں داخل ہوئے ہی تھے کہ فون بجنے لگا۔ جاؤ صائمہ بات کرو، آصفہ نے کہا، چند منٹ ہی گزرے تھے، وہ کمرے میں داخل ہوکر بولی: آج ابو جان تشریف نہیں لاسکیں گے، وہ ضروری کام سے لاہور جارہے ہیں، پھر سب پرچیاں کھیلنے لگی۔

یہ سات بہنیں تھی اور دو بھائی تھے، ان میں سب سے چھوٹی طاہرہ جو تھی چار سال کی تھی، پھر دو بھائی تھے وہ اتوار کے دن ہونے کی وجہ سے نانا جی کے گھر امی کے ساتھ تھے، بشریٰ ابھی مڈل میں تھی، باقی سب ایک کلاس کے فاصلے سے تھی، چھٹی ساتویں وغیرہ میں، اب ایک گھنٹہ کھیلنے کے بعد سب عصر کی اذان سنتے ہی نماز کی تیاری میں اٹھنے لگیں، پھر وہ دادی اماں کو یاد کرکے مسکرانے لگی، جو اکثر ہی کہا کرتی تھی، اذان سنتے ہی دوپٹہ سر پر رکھو، ورنہ اپنا ہاتھ سر پر رکھو، اب سب دادی کو یاد ضرور کرتی تھی، دو ماہ ہوئے تھے، ان کی وفات کو۔ پھر سب نے نماز ادا کی، نماز کی یہ عادت دادی اور امی نے اکٹھے ڈالی تھی، وہ جب بھی نماز ادا کرتی تھی، چھوٹی بچی کو اپنے ساتھ کھڑا کرکے سکھاتی تھی، رات کو بھی پڑھاتی تھی، اس طرح نماز جلدی یاد ہوئی تھی اور پھر مغرب کے بعد اکثر گھر میں تعلیم ہوتی، فضائل اعمال پڑھی جاتی، وہ بھی امی جان دادی کی ہی فرمائش پر پڑھتی تھی اور پھر سورہ واقعہ پڑھ کر سب عشاء کی نماز پڑھ کے سوجاتے تھے۔

اب ہر کام بشریٰ کے ذمہ تھا، بڑی جو تھی، دادی جان کی وفات کے بعد امی نے تعلیم کی فضیلت سے بشریٰ کو آگاہ کیا اور ساتھ یہ بھی کہا، ہر نماز کے وقت سب بہنوں کو اپنی نگرانی میں نماز ادا کراؤ، تعلیم میں مغرب کے بعد سب شرکت کریں اور اپنے اسکول کے کام دن کو ہی مکمل کیا کریں، سب کی اس طرح عادت بن گئی تھی تو وقت بھی اچھا گزر رہا تھا، سکون راحت برکت سب کچھ تھا اور گھر میں ٹی وی نہ ہونے کی وجہ سے سب کام بھی وقت پر اور رات کو بھی جلد سونا صبح جلدی اٹھنے کی عادت بھی پختہ تھی۔

جبکہ ان کے چچا کا گھرانہ ان کے برعکس تھا، ٹی وی صبح سے رات گئے تک چلتا رہتا تھا، ان کے بچے اسکول سے واپسی سے رات گئے تک ٹی وی کے سامنے ہوتے، جس کی وجہ سے دو تین کو عینک بچپن سے لگ گئی تھی اور سب نماز تلاوت اور دیگر دینی کتب کے مطالعہ سے دور تھے، رات گئے جاگنا صبح بڑی مشکل سے اسکول جانے تک تیار ہوتے، پھر ہر وقت لڑائی کسی کی کتاب نہ ملتی تو کسی کے شوز جگہ پر نہ ہوتے، صبح ہی لڑنا شروع، گھر میں برکت برائے نام تھی، یعنی ان کی ماسی کام والی جو تھی، اس کا نام تھا، برکت ہی صبح آٹھ بجے سے شام تک ان کے کام کرتی تھی، بچے سب ٹی وی سے اٹھنے کا نام نہ لیتے، خود چچی بھی بڑی شوقین تھی بچپن سے ٹی وی کی، تو اب بھی وہ بچوں کے ساتھ ہوتی تھی، ہماری دادی ان کے گھر کم رہتی تھی، کیونکہ وہ دادی کی بات سنتے نہ تھے تو دادی تھک کر ہمیں سمجھاتی تھی، شکر ہے ہم سمجھ گئے۔

☆......☆......☆

مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ ''مشکوٰۃ کی شرح ''مرقاۃ'' میں لکھتے ہیں کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''مسجد میں ذکر کرنا تو ٹھیک ہے، مگر بلند آواز سے ذکر کرنا جس سے نمازیوں کی نماز میں یا قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں کی تلاوت میں خلل ہو، یا کوئی مسافر سو رہا ہو، یا کوئی بیمار ہو اور اس آواز سے ان کو ایذاء اور تکلیف پہنچے تو ایسا ذکر بالکل حرام ہے۔'' اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ایک ہے ذکر کرنا اور ایک ہے شور کرنا، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، مسجد میں ذکر کرنا تو عبادت ہے لیکن شور کرنا جس سے دوسروں کو ایذاء ہو، حرام ہے۔ (البتہ خالی مسجد میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی نیت سے ہلکی بلند آواز سے ذکر کرلیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں)

الحجامة

(حجامہ، پچھنا)
علاج بھی سنت بھی

ڈاکٹر امجد احسن علی

صحت کے بنیادی اصول قرآن وحدیث کی روشنی میں:.......صحت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے:

ترجمہ:.......دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کی ناقدری کرنے کی وجہ سے اکثر لوگ نقصان اٹھاتے ہیں۔

(۱).......صحت وتندرستی

(۲).......فرصت وفراغت

(رواہ البخاری)

ذیل میں قرآن وسنت کی روشنی میں حصول صحت کی اہمیت کے بارے میں کچھ اصول کا بیان ہے:

(۱) اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں حقیقی زندگی:.......''اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی دعوت کو قبول کرو، جب رسول تمہیں اس بات کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔'' (الانفال:۲۴)

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی شرح میں یوں فرماتے ہیں:

''یہ آیت کریمہ متعدد امور پر مشتمل ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فائدہ مند زندگی اللہ اور اس کے رسول کا کہنا ماننے (اور اس کی اطاعت) سے حاصل ہوتی ہے، پس جس کو یہ اطاعت کی صفت حاصل نہیں، وہ گویا زندہ ہی نہیں، اگرچہ حیوانی حیات (زندگی میں وہ دوسری نچلے درجے کی مخلوقات کے ساتھ شریک ہے، لیکن حقیقی اور پاکیزگی زندگی اللہ اور اس کے رسول کے حکم اور فرمان کی قلبی تصدیق اور عملی فرمانبرداری سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ (اس لحاظ سے آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ) یہ لوگ (یعنی جنہوں نے اللہ اور رسول کا کہنا مانا) حیات (دائمی) کے ساتھ متصف ہیں، اگرچہ وہ بھی مرجائیں اور جنہوں نے کہنا نہ مانا، وہ مردہ ہیں، اگرچہ جسمانی لحاظ سے وہ زندہ نظر آتے ہوں، لہٰذا جو جتنے مکمل طریقے سے اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، اسے اتنی ہی کامل حیات حاصل ہوگی اور جس میں جتنی اطاعت کی کمی ہوگی، اس میں (حقیقی) حیات وزندگی بھی کمزور ہوگی، یعنی صحت کی زندگی ہی نہیں اطاعت کے بغیر۔'' (الفوائد ص:۱۳۲، للحافظ، ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ)

(۲) پریشان انسانیت اور اس کا واحد علاج:.......اللہ تعالیٰ کا پوری انسانیت کے لئے اٹل قانون ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یادرکھو کہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔''

(الرعد:۲۸)

روح اور دل انسانی جسم کی اصل ہے اور اسے حقیقی سکون اور راحت اللہ کے ذکر ہی سے حاصل ہوتا ہے، اگرچہ عارضی سکون اور راحت بعض مادی چیزوں سے بھی حاصل ہوجاتا ہے، مگر یہ ان اسباب کے ختم ہوتے ہی ختم ہوجاتا ہے۔

ذکر کے لئے نماز دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز قائم کرو۔''

(طٰہٰ:۱۴)

اندازے کے مطابق آج کل صرف پانچ فیصد مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور پھر جو پڑھتے بھی ہیں، ان میں سے کم ہی لوگوں کی نماز، سنت کے مطابق ہو پاتی ہے، اس وجہ سے ساری انسانیت کو پریشانی اور فکروں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے، جس کی وجہ سے لوگ ٹینشن اور بے خوابی کے امراض میں مبتلا ہوگئے ہیں، اس کا علاج اسلام یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق ہر انسان کی زندگی ہوجائے، اللہ تعالیٰ کے حکموں میں عظیم حکم نماز ہے، جو کہ مومن کی معراج اور دین کا ستون ہے۔

انسان کی زندگی کا پہلا مقصد اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرنا ہے اور دوسرا اللہ کے حکموں کو ساری انسانیت تک پہنچانا ہے۔

شرح صدر (اطمینان دل) کے اسباب:.......امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ''زاد المعاد'' میں اطمینان دل کے اسباب میں فرماتے ہیں:

پہلا سبب:.......دل کے سکون اور راحت کا سب سے بڑا سبب توحید ہے، جس اعلیٰ درجے کی توحید ہوگی، اسی کے بقدر دلی سکون حاصل ہوگا، اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

''بھلا کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنے پروردگار کی عطا کی ہوئی روشنی میں آچکا ہے، (سنگ دلوں کے برابر ہوسکتا ہے؟)'' (سورۃ الزمر:۲۲)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

غرض جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت تک پہنچانے کا ارادہ کرلے، اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو (اس کی ضد کی وجہ سے) گمراہ کرنے کا ارادہ کرلے، اس کے سینے کو تنگ اور اتنا زیادہ تنگ کردیتا ہے کہ (اسے ایمان لانا اتنا مشکل معلوم ہوتا ہے) جیسے اسے زبردستی آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہو۔

لہٰذا دل کے سکون واطمینان کے سب سے بڑے اسباب، ہدایت اور توحید ہیں، جب کہ بے قراری اور بے چینی کے سب سے بڑے اسباب شرک اور گمراہی ہیں۔

دوسرا سبب:.......دل کے سکون کے اسباب میں سے وہ نور بھی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دل میں ڈالتا ہے اور وہ ایمان کا نور ہے جو کہ انسان کے سینے کو کھول دیتا ہے اور دل کو خوشی فراہم کرتا ہے اور اس نور کی عدم موجودگی میں دل اتنا زیادہ تنگ ہوجاتا ہے گویا کہ کسی سخت قید میں ہے، سنن ترمذی میں روایت ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نور دل میں داخل ہوتا ہے تو دل کشادہ اور مطمئن ہوجاتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: اس کی کیا علامت ہے کہ نور داخل ہوگیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے آدمی کو ہمیشہ کے گھر کی تیاری، دھوکے کے گھر سے دوری اور موت سے پہلے موت کی تیاری نصیب ہوجاتی ہے۔''

تیسرا سبب:.......سکون قلب کے اسباب میں سے علم بھی ہے، جتنا انسان کا علم وسیع ہوتا ہے اتنا ہی اس کا قلب بھی وسیع ہوجاتا ہے اور ایسے آدمی کو دل کی خوشی ساری دنیا سے بڑھ کر ہوتی ہے جبکہ اس کے بالمقابل جہالت دل میں بے قراری، تنگی اور قید کی صورت پیدا کردیتی ہے، یہ علم جتنا بڑھے گا، اطمینان اور سکون اتنا ہی زیادہ ہوتا رہا اور وہی علم نافع بھی ہے، ایسے علم والے سب

سے زیادہ پرسکون، دلوں میں سب سے زیادہ گنجائش والے، سب سے زیادہ عمدہ اخلاق اور سب سے زیادہ پاکیزہ زندگی والے ہوتے ہیں۔

چوتھا سبب:...... انہی اسباب میں انابت الی اللہ (ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ) اور اپنی پوری دل جمعی سے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا اور اس کی عبادت سے لطف اندوز ہونا ہے، اس سے بڑھ کر اور کوئی عمل انسان کے سینے کو نہیں کھول سکتا، حتیٰ کہ بعض اللہ والے یوں کہتے ہیں کہ اگر جنت میں بھی مجھے ایسی ہی حالت ملے تو میں بڑی عیش والی زندگی میں ہوں گا، اس کے برعکس سب سے بڑا سبب دل کی تنگی، فکر، غم اور خوف کا یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق سے دل متاثر ہو اور اللہ کے ذکر سے غفلت اور مخلوق کی محبت بہت زیادہ ہو، یہ محبت روح کا عذاب ہے، فکروں اور پریشانیوں کا سبب ہے۔ حقیقت میں محبتیں دو طرح کی ہیں، ایک وہ محبت ہے جو کہ دنیا میں بھی جنت کا مزہ دیتی ہے اور نفس کی خوشی، دل کی لذت، روح کی غذا اور اس کا علاج ہے، یہ اللہ کی خالص محبت ہے۔ دوسری محبت جو کہ روح کا عذاب ہے، فکر، پریشانی اور دل کی تنگی کا سبب ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے اتنی محبت کرنا ہے، جو نافرمانی کا ذریعہ بن جائے، اللہ تعالیٰ کی محبت پر غالب آجائے۔

پانچواں سبب:...... اطمینان قلب کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ کا ذکر ہوتا رہے، دل کے سکون اور فرحت کے لئے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں بڑی عجیب تاثیر ہے جبکہ دل کو تنگ کرنے، اس کو فکروں اور پریشانیوں میں مبتلا کرنے میں اللہ کے ذکر سے غفلت کی بھی عجیب تاثیر ہے۔

چھٹا سبب:...... انہی اسباب راحت میں مخلوق کو حتیٰ الوسع نفع پہنچانا بھی ہے، چاہے وہ جسمانی نفع ہو یا مالی نفع ہو، کیوں کہ ایک سخی محسن بڑے کھلے دل والا ہوتا ہے، پرسکون اور خوش گوار زندگی گزارتا ہے، اس کے برعکس بخیل شخص بڑا ہی تنگ دل ہوتا ہے اور بے چین اور درد بھری زندگی گزارتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنجوس اور صدقہ کرنے والے شخص کی مثال یوں بیان فرمائی ہے:

"بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال ایسے دو شخصوں کی طرح ہے جن کے بدن پر لوہے کی ڈھال (لباس کی مانند) ہے، تو جب سخی صدقہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ لوہے کی ڈھال (لباس) خوب کشادہ ہو کر ایسا لگتا ہے کہ گویا وہ (ان ڈھیلے ڈھالے لٹکتے ہوئے) کپڑوں کو گھسیٹ کر اپنے قدموں کے نشانات کو بھی مٹا رہا ہے اور جب بخیل صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ ڈھال کی ہر کڑی اپنی جگہ سخت اور بے لچک ہو گئی اور لباس تنگ سے تنگ ہوتا چلا جا رہا ہے (سخی جتنا خرچ کرتا ہے پرسکون ہوتا رہتا ہے اور بخیل جیسے ہی صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو طبیعت میں گھٹن ہو جاتی ہے)" (البخاری)

ساتواں سبب:...... انہی اسباب میں سے ایک بہادری ہے، جو کہ آدمی کے سینے کو کشادہ اور نرم کر دیتی ہے، اس کے برخلاف ڈرپوک آدمی ایسے چھوٹے دل کا مالک ہوتا ہے، جسے خوشی، سرور اور لذت کا احساس ہی نہیں ہوتا، گویا وہ جانور کی مانند ہے، جو کہ ان چیزوں کا ادراک ہی نہیں رکھتا اور اس طرح وہ روح کی خوشیوں، نعمتوں اور لذتوں سے بھی محروم ہو جاتا ہے، جس طرح کہ کنجوس آدمی، اللہ کی یاد سے اعراض کرنے والا، اس کی یاد سے غافل اور اس کے ناموں اور اس کی صفات اور اس کے دین سے بے بہرہ شخص بھی خوشی کا احساس نہیں کرتا، بس جس کا دل اللہ کی یاد سے روحانی طور پر بھرا ہوا ہو گا اور اس کی معرفت سے منور ہو گا اور اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہو گا، تو دنیا کی عمدہ خوشیوں کے ساتھ ساتھ اس کی یہ خوشیاں قبر میں جنت کا باغ بن جائیں گی اور پھر وہی شخص آخرت کی دائمی لذتوں، خوشیوں اور نعمتوں سے فائدہ اٹھائے گا۔

......(جاری ہے)......

اسلامی نام

خوبصورت ناموں کا ایک حسین سلسلہ

مولانا محمود عباسی

اسماء حسنیٰ سے نام رکھنے کے طریقے

(۱)...... اسماء حسنیٰ سے نام رکھنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ شروع میں لفظ "عبد" کا اضافہ کر دیا جائے، جیسے عبداللہ، عبدالاحد، عبدالباری، عبدالجبار، عبدالحق، عبدالحلیم، عبدالحئی، عبدالرب، عبدالرحمٰن، عبدالستار، عبدالعلیم، عبدالقیوم، عبدالوہاب، یہاں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، اول یہ کہ رحمٰن، رحیم، اعلیٰ، عظیم، علی، جبار، سبحان، ستار، غفار، قہار، باری، حکم، حی، خالق، قیوم، غفور، قدوس، مالک، ملک، مولا اور مہیمن ایسے صفاتی نام ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک اور سہیم نہیں، اس لئے ان صفات الٰہی کے ساتھ نام رکھنے میں لازمی ہے کہ ان کا پہلا جز "عبد" ہوتا کہ کسی قسم کا ادنیٰ سے ادنیٰ بھی شرکت اور مماثلت کا امکان نہ ہو، ان ناموں کو بطور کنیت استعمال کرنا بھی نامناسب ہے، یعنی ابوالرحمٰن، ابوالاعلیٰ، ابوالحکم جیسی کنیت رکھنا درست نہیں، دوسرے یہ کہ ان ناموں کے استعمال میں بے احتیاطی کی جاتی ہے، مثلاً نام تو عبدالرحمٰن، عبدالرحیم، عبدالغفار، عبدالقدوس، عبدالمالک وغیرہ رکھے جاتے ہیں لیکن انہیں پورے نام کے بجائے صرف رحمٰن صاحب، رحیم صاحب، غفار صاحب، قدوس صاحب، مالک صاحب کہہ کر پکارا جاتا ہے، یہی نہیں بلکہ صاحب نام بھی اپنا تعارف رحمٰن، رحیم، غفار، قدوس، مالک وغیرہ کہہ کر کراتے ہیں، انتہا یہ ہے کہ نام تو قدرت اللہ یا قدرت خدا ہے لیکن انہیں اللہ صاحب یا خدا صاحب کہہ کر پکارا جاتا ہے اور خود صاحب نام ٹیلی فون پر اپنا تعارف اللہ یا خدا بول رہا ہوں کہہ کر کراتے ہیں، یہ سب نامناسب ہی نہیں بلکہ مفتی محمد شفیع صاحب کے نزدیک ایسا کرنا ناجائز، حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ (معارف القرآن جلد ۴، تفسیر، معارف ومسائل، آیت ۱۸۰ سورت اعراف ۷) اس لئے احتیاط لازمی ہے۔

(۲)...... دوسرا طریقہ یہ ہے "عبد" کی طرح لفظ "غلام" اور "عبید" کا شروع میں اضافہ کیا جا سکتا ہے جیسے:

(ا)...... غلام اللہ، غلام الباری، غلام الحی، غلام الرب، غلام کبریا۔

(ب)...... عبیداللہ، عبیدالرحمٰن، عبیدالرحیم، عبیدالحق، عبیدالعلیم، عبیدالمعبود، عبیدالکریم، عبیدالقدوس وغیرہ۔

اسی طرح بعض اور الفاظ مثلاً ضیاء، عطاء، فدا، فضل، مطیع وغیرہ کے سابقہ کے ساتھ بھی نام رکھے جا سکتے ہیں، جیسے:

(ا)......ضیاء الاسلام، ضیاء اللہ، ضیاء الحق، ضیاء الحمید، ضیاء الحی، ضیاء الرحمٰن، ضیاء السلام، ضیاء القدوس، ضیاء المتین، ضیاء المعبود، ضیاء المعید، ضیاء المنعم۔

(ب)......عطاء اللہ، عطاء الرحمٰن، عطاء الرحیم، عطاء الرزاق، عطاء الغنی، عطاء الکبیر، عطا الکریم، عطاء المجید، عطاء المعز، عطاء المقیت، عطاء المومن، عطاء الواحد، عطاء الوہاب، عطاء الہادی۔

(ج)......فداء الباری، فداء الحق، فداء الرحمٰن، فداء الصبور، فداء الودود۔

(د)......فضل اللہ، فضل الباری، فضل الحق، فضل حکیم، فضل حمید، فضل الرب، فضل الرحمٰن، فضل الرحیم، فضل القادر، فضل قدوس، فضل قدیر، فضل کریم، فضل مالک، فضل متین، فضل المعبود، فضل منعم، فضل مولیٰ، فضل الودود۔

(ہ)......مطیع اللہ، مطیع الباری، مطیع الوہاب، مطیع الحق، مطیع الرب، مطیع الرحمٰن، مطیع الستار۔

(۳)......تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ان صفاتی ناموں سے "ل" حذف کرکے شروع یا آخر میں لفظ محمد یا احمد کا اضافہ کیا جائے جیسے:

(ا)......محمد باسط، محمد بصیر، محمد حفیظ، محمد رؤف، محمد سمیع، محمد عزیز، محمد غنی، محمد قوی، محمد متین۔

(ب)......باسط محمد، بصیر محمد، حسیب محمد، رافع محمد، مغیث محمد، لطیف محمد، وکیل محمد، وہاب محمد۔

(ج)......احمد باسط، احمد حکیم، احمد حلیم، احمد رشید، احمد علی، احمد کبیر، احمد لطیف، احمد مصور۔

(د)......نصیر احمد، جلیل احمد، حسیب احمد، سبوح احمد، سلام احمد، سمیع احمد، قدیر احمد، متین احمد، مجیب احمد، وکیل احمد۔

(۴)......چوتھا طریقہ یہ ہے کہ "ال" حذف کرکے آخر میں "الدین" کا اضافہ کردیا جائے، مثلاً بدیع الدین، جلیل الدین، رافع الدین، رشید الدین، عزیز الدین، قدیر الدین، متین الدین، محی الدین، معز الدین، نور الدین، ولی الدین۔

(۵)......بعض اسماء ربانی کے بعد مختلف لاحقے (خاں، زماں، شاہ، حسن، حسین) لگا کر بھی نام رکھے جاسکتے ہیں جیسے:

(ا)......اول خاں، جبار خاں، عزیز خاں، عظیم خاں، غفور خاں، قدیر خاں، قہار خاں، کبیر خاں، نور خاں۔

(ب)......بدیع الزماں، خلیق الزماں، رافع الزماں، رفیع الزماں، عزیز الزماں، مقیت الزماں، وارث الزماں، ولی الزماں۔

(ج)......بصیر شاہ، جبار شاہ، حلیم شاہ، رحیم شاہ، سلام شاہ، ظاہر شاہ، عظیم شاہ، غفار شاہ، کبیر شاہ، نور شاہ۔

(د)......جواد حسن، حکیم حسن، رزاق حسن، ستار حسن، شہید حسن، قادر حسن، مقسط حسن، ہادی حسن۔

(ہ)......جبار حسین، حسیب حسین، رقیب حسین، عزیز حسین، قہار حسین، مجید حسین، واجد حسین، وہاب حسین۔

(۶)......داد، بخش اور نواز بعض اسماء حسنیٰ کے ساتھ استعمال ہوسکتے ہیں جیسے:

(ا)......اللہ داد، حق داد، خالق داد، غنی داد، کریم داد، ملک داد، مولا داد، نور داد۔

(ب)......اللہ بخش، خدا بخش، رحمٰن بخش، کریم بخش، مولا بخش، نور بخش۔

(ج)......اللہ نواز، حسیب نواز، رحمٰن نواز، سلام نواز، قدیر نواز، قیوم نواز وغیرہ۔

(د)......اللہ بچایا، اللہ بسایا، اللہ دتہ، اللہ دیا، اللہ رکھا، اللہ وسایا، اللہ یار۔

(۷)......"ال" حذف کرکے دو اسماء حسنیٰ کو ملا کر بھی نام رکھے جاسکتے ہیں جیسے:

(ا)......حفیظ اللہ، حمید اللہ، رحیم اللہ، سلام اللہ، سمیع اللہ، شہید اللہ، عزیز اللہ، علیم اللہ، متین اللہ، نور اللہ، ولی اللہ۔

(ب)......حفیظ الحق، حمید الحق، رحیم الحق، سمیع الحق، شہید الحق، عزیز الحق، علیم الحق، متین الحق، نور الحق، ودود الحق، ولی الحق۔

(ج)......باسط علی، باطن علی، نواب علی، رشید علی، قدیر علی، کبیر علی، ماجد علی، مالک علی، مصور علی، مقتدر علی، نور علی، واجد علی، ودود علی، وہاب علی، ہادی علی۔

اسماء مبارک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(ا)

ابر......بہت نیکوکار، مہربان

ابلج......روشن، ظاہر، سفید

ابطحی......بطحی، بطحاء (مکہ معظمہ کی ایک وادی کا نام) سے تعلق رکھنے والا۔

ابوالقاسم......قاسم کے والد، (آپ کی کنیت)

ابیض......سفید، گوری رنگت والا، اجالا

اتقی، اتقی اللہ......پرہیزگار، متقی، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا۔

اجود......احسن، افضل، اکرم، زیادہ سخی

احسن......بہت خوب

احمد......سب سے زیادہ حمد کرنے والا، بڑی صفات والا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک جو انجیل میں آیا۔

آخر......پچھلا، آخری (نبی)

اخذ......لینے والا، پکڑنے والا

اخشی......سب سے زیادہ ڈرنے والا اللہ تعالیٰ سے

ارجع......غالب، حاوی، قوی، قابل ترجیح

ارحم......نہایت مہربان

ازہر......نہایت چمکدار، روشن

اشجع......بڑا معزز، عزیز تر

اعلم......بڑا علم والا، جید

اکرم......بڑا بزرگ، بہت بخشنے والا

اکلیل......تاج (انبیاء کے)

امام......قائد، رہبر

امام المتقین......پرہیزگاروں کے امام

آمر......حکم دینے والا، حاکم، قائد

امن......صلح، آشتی، امان

آمن......بڑے بے خوف

اُمی......ناخواندہ، ام القریٰ سے تعلق رکھنے والا، حضرت اسماعیل کی اولاد سے۔

امین......امانت دار، قابل اعتبار، مستقیم

اول......اول، سب سے اہم

اولیٰ......بہتر

(ب)

بار......نیک، صالح، بر

باطن......پوشیدہ

بر......نیکوکار، مہربان

برہان......دلیل

بشریٰ عیسیٰ......بشارتِ عیسیٰ

بشیر......خوش خبری دینے والا

بلیغ......خوش بیان

بینہ......روشن دلیل، شاہد، عادل، سچا گواہ

(ت)

تامی......کامل، مکمل

تھامی......تہامہ یعنی مکہ کی سرزمین سے تعلق رکھنے والا

(ج)

جامع......تمام کمالات والا، شامل، جمع کرنے والا

جواد......سخی، کریم، جواد

(ح)

حاشر......سب سے پہلے اٹھنے والا، جمع کرنے والا، روز قیامت سب کا امام اور پیشوا، نقیب

حافظ......یاد رکھنے والا، محافظ

حامد......سراہنے والا، تعریف کرنے والا

حبیب......دوست، محبوب

حبیب اللہ......اللہ تعالیٰ کا محبوب، آپ کا ایک لقب

......(جاری ہے)......

آپ کے مسائل کا حل



مفتی محمد ساجد
جامعہ تراث الاسلام

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ صرف ایسے علمی اور معاشرتی سوال ارسال کریں جن کا تعلق عام زندگی سے ہو۔

☆......ذاتی نوعیت کے سوالات، شرم وحیا کے متعلق مسائل اور اختلافی مسائل بھیجنے سے گریز کریں، ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا جائے گا۔

☆......سوال مختصر اور جامع ہو، غیر ضروری طوالت سے اجتناب کریں۔

☆......تحریری صاف ستھرے کاغذ پر لائن چھوڑ کر لکھیں۔

☆......لفافے پر "آپ کے مسائل کا حل" لکھنا نہ بھولیں۔

سوال:...... آج کل عموماً مارکیٹ میں ایسے کھلونوں کی بھرمار ہے جو کسی نہ کسی جاندار کی شکل و صورت پر بنائے گئے ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ جانوروں کی شکل اور کچھ انسانی اشکال پر تراشے ہوئے ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آیا ان کو گھروں میں سجاوٹ اور خوبصورتی کے لئے رکھنا، ان کو دکانوں میں خرید و فروخت کے لئے رکھنا، خوشی کے مواقع پر مثلاً برتھ ڈے، یا امتحان میں کامیابی وغیرہ پر تحفہ کے طور پر دینا کیسا ہے؟

(ہما یٰسین، حیدرآباد)

جواب:...... اصل مسئلہ کی وضاحت سے قبل تصویروں کے رکھنے اور بنانے کے بارے میں احادیث مبارکہ میں وارد شدہ وعیدیں ذکر کی جاتی ہیں، تاکہ ان وعیدات کو سامنے رکھ کر ایک عام مسلمان کے لئے تصویر کے گناہ کبیرہ سے بچنا آسان ہو جائے۔

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: إن أشد الناس عذاباً عنداللہ یوم القیامۃ المصوّرون. (صحیح بخاری: ۵۵۱۵، صحیح مسلم: ۹۳۲۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "اللہ کے ہاں قیامت کے دن سخت ترین عذاب کا مستحق تصویر بنانے والا ہوگا۔"

جاء رجل الی ابن عباس فقال انی رجل اصور ھذہ الصور فأفتنی فیھا، فقال لہ: ادن منی فدنا منہ، ثم قال: ادن منی فدنا حتیٰ وضع یدہ علی رأسہ، قال: انبئک بما سمعتُ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: کل مصور فی النار یجعل لہ کل صورۃ صورھا نفساً فتعذبہ فی جھنم (صحیح مسلم: ۳۹۴۴)

ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: "میں یہ تصویریں بناتا ہوں، مجھے ان کے بارے میں فتویٰ دیجئے! تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: میرے قریب ہو جاؤ، وہ قریب ہوا تو فرمایا: اور قریب ہو جاؤ، یہاں تک کہ آپ نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر فرمایا کہ میں تجھے وہ بتلاتا ہوں، جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہر تصویر بنانے والا دوزخ میں ڈالا جائے گا اور اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر کے بدلے ایک شخص پیدا کیا جائے گا، جو تصویر بنانے والے کو دوزخ میں عذاب دیتا رہے گا۔"

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخرج عنق من النار یوم القیامۃ، لھا عینان تبصران و أذنان تسمعان ولسان ینطق، یقول انی و کلت بثلثۃ، بکل جبار عنید وبکل من دعا مع اللہ الھاً آخر وبالمصورین (جامع ترمذی: ۳۰۱۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن دوزخ میں سے ایک گردن نکلے گی (یعنی آگ کا ایک شرارہ لمبی گردن کی صورت میں نکلے گا) جس میں دیکھنے والی دو آنکھیں، سننے والے دو کان اور بولنے والی زبان ہوگی، وہ کہے گی: "میں تین طرح کے لوگوں پر مسلط کی گئی ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات پر متعین کیا ہے کہ میں ان تین طرح کے لوگوں کو دوزخ میں کھینچ کر لے جاؤں اور لوگوں کے سامنے ان کو ذلیل و رسوا کر کے عذاب میں مبتلا کروں) ایک تو وہ لوگ جنہوں نے حق کے ساتھ تکبر و عناد کا برتاؤ کیا، دوسرے وہ جنہوں نے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارا ہے اور تیسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے تصویر سازی کی ہے۔

چنانچہ اسی طرح کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں تصاویر بنانے، بنوانے، رکھنے اور اس کے ہر قسم کے استعمال کو علماء امت نے بالاتفاق حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ مرقات شرح مشکوۃ میں ملا علی قاری لکھتے ہیں:

قال اصحابنا وغیرھم من العلماء: تصویر صورۃ الحیوان حرام شدید التحریم وھو من الکبائر لانہ متوعد بھذا لوعید الشدید المذکور فی الاحادیث سواء صنعہ ثوب أوبساط أودرھم أودینار أوغیر ذالک

(مرقات، ج، ۳۲۶، امدادیہ)

ہمارے علماء وغیرہ فرماتے ہیں کہ جاندار کی تصویر بنانا سخت ترین حرام ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اس لئے کہ اس پر وہ سخت ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں جن کا تذکرہ مذکورہ احادیث میں ہے، عام ہے کہ یہ تصاویر کسی کپڑے پر بنائی جائیں یا چٹائی اور قالین پر یا درہم و دینار (کرنسی) پر یا کسی اور چیز پر۔

مذکورہ تمہید کے بعد سوال کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

ایسے کھلونے جن پر کسی جاندار کی تصویر ہو یا جنہیں کسی جاندار کی شکل پر بنایا گیا ہو، انہیں بنانا، بیچنا، خریدنا، کسی کو گفٹ کرنا، تزئین و آرائش کے لئے سجانا اور بچوں کو کھیلنے کے لئے دینا وغیرہ جیسے تمام امور ناجائز اور حرام ہیں، البتہ ایسی اشیاء جن پر کسی جاندار کی ایسی مبہم تصویر ہو کہ جو دور سے نظر نہ آتی ہو، یعنی اتنی غیر واضح اور مدہم ہو

کہ اگر تصویر والی چیز زمین پر پڑی ہو تو زمین پر کھڑے ہوئے شخص کو اس تصویر کی شکل وصورت نظر نہ آئے تو ایسی اشیاء کے استعمال کو علماء نے جائز قرار دیا ہے، نیز کسی جاندار کی شکل کے وہ کھلونے جو بچے خود اپنے ہاتھوں سے تیار کرتے ہیں اور ان کی شکلیں واضح نہیں ہوتیں تو علماء نے ایسے کھلونوں کے ساتھ بچوں کو کھیلنے کی گنجائش لکھی ہے۔

اسی طرح وہ اشیاء جن پر غیر جاندار اشیاء کی تصویر بنی ہوئی ہیں، مثلاً درخت، پودے، باغات اور جھیل وغیرہ جیسے مناظر تو ایسی اشیاء سے ہر قسم کی منفعت مثلاً بنانا، بیچنا اور خریدنا وغیرہ سب جائز ہے۔

غرض کہ ہر طرح کا استعمال شرعاً ناجائز اور حرام ہے، البحرالرائق میں ہے:

وفی المغرب الصورة عام فی کل مایصور مشبهاً بخلق الله تعالیٰ من الذوات الروح وغیرها وقولهم ویکره التصاویر المرادبها التماثیل (البحرالرائق، ج ۲، ص ۲۷، سعید)

اعلاء السنن میں ہے:

ثم قال بعد اسطر تحت قول الکنز الاان تکون صغیرة مانصه والمراد بالصغیرة التی لاتبدو للناظر علی بعد و فی منحة الخالق لم یبین ماحد البعد ویفیده مافی المنية وشرحها لاتبدو للناظر اذاکان قائماً وهی علی الارض ای لاتبین أعضائها قال الشیخ وفی الهدایة ولو کانت الصورة صغیرة بحیث لاتبدو للناظر لایکره لأن الصغار جداً لاتعبد (اعلاء السنن، ج ۵، ص ۹۸: ادارة القرآن)

مرقات شرح مشکوۃ میں ہے:

وماورد فی تصویر الثیاب للعب البنات فمرخص (مرقات ج ۸، ص ۳۲۶: امدادیه)

البحرالرائق میں ہے:

الاان تکون صغیرة لان الصغار جداً لاتعبد فلیس لها حکم الوثن فلاتکره فی البیت والمراد بالصغیر التی لاتبدو للناظر علی بعد (البحرالرائق، ج ۲، ص ۳۰ ط: سعید)

☆......☆......☆

سوال:...... ہمارے ایک دوست کا موقف یہ ہے کہ کھانے کے بہت سارے آداب ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بیٹھ کر کھایا جائے، لیکن اجتماعی تقاریب میں جب باقی آداب کو بھی نظر انداز کیا جاتا ہے تو محض بیٹھ کر کھانے والے ادب پر اتنا زور کیوں؟ ان کا کہنا یہ ہے کہ جب تک قرآن وحدیث کے واضح دلائل نہ دکھائے جائیں، میں مطمئن نہیں ہوں۔

جواب:...... کھانے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ دستر خوان بچھا کر، بیٹھ کر کھایا جائے، ہمارے ہاں تقریبات میں کھڑے ہو کر کھانے کے جو رواج چل نکلا ہے، یہ سنت کے خلاف مغربی اقوام کی ایجاد کردہ بدعت ہے، باقی آداب کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اپنی تہذیبی، دینی اور معاشرتی آثار ونشانات کو ایک ایک کرکے کھرچنا شروع کردیں، کوشش تو یہ ہونی چاہئے کہ مٹی ہوئی سنتوں کو زندہ کرنے کی تحریک چلائی جائے، نہ یہ کہ اسلامی معاشرے کی جو بچی کھچی علامتیں نظر میں پڑتی ہیں، ان کو مٹانے پر کمر باندھ لی جائے۔

☆......☆......☆

سوال:...... کیا حاجی کی قضا نمازیں، روزے بھی معاف ہوجاتے ہیں؟

جواب:...... واضح رہے کہ حج سے فرائض اور حقوق العباد معاف نہیں ہوتے، بل کہ جو شخص فرائض کے چھوڑنے اور حقوق العباد کے تلف کرنے سے توبہ نہ کرے، اس کا حج ہی قبول نہیں ہوتا۔

☆......☆......☆

خولہ بنت سلیمان



ایک ایسی لڑکی کی داستان عبرت، جس نے شوہر کے ہر قسم کے ظلم وستم سہے، اولاد کی موت کا صدمہ برداشت کیا، زمانہ کی تند وتیز الجھنوں کا خندہ پیشانی کے ساتھ سامنا کیا...... لیکن کبھی اپنی زبان پر حرف شکایت نہ لائی، نہ اپنے خالق سے شکوہ کیا اور نہ مخلوق کے سامنے اپنے حالات کا رونا رویا...... اور ہر طرح کے حالات کا، اللہ کی جانب سے آزمائش اور امتحان سمجھ کر، بھرپور مقابلہ کیا۔

وہ ایک چہرہ جو آنکھوں کو بھا گیا تھا کبھی
تمام عمر میرے آنسوؤں میں قید رہا

یہ کہانی ہے ایک بچی کی، جب وہ پیدا ہوئی تو اس کی ''نانی جان'' نے اسے ''چودھویں کے چاند'' سے تشبیہ دی۔ ہمارے خاندان کے تین بچے ہیں، جن میں یہ بچی، میرا بیٹا محمد فیصل اور میرا بھانجا ''فہد شریف''۔ جن کے بارے میں ''امی'' وثوق سے کہتی ہیں کہ ''چودھویں کے چاند'' کی مانند تھے، خیر! یہ بچی بہت پیاری، کم گو اور شرمیلی تھی، ماں باپ نے اپنی پانچوں بیٹیوں کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا تھا، یہ دوسرے نمبر کی تھی، میرے شوہر محی الدین صاحب بھی اس کو بہت چاہتے تھے، شاید وہ زندہ رہتے تو اس کو اپنی بہو بھی بنا لیتے، مگر رشتے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ میرے بہنوئی نے اپنی والدہ (مرحومہ) کی خواہش پوری کرنے کے لئے اپنی نازوں پلی بیٹی کو زندہ در گور کردیا، آج تک سمجھ نہیں آئی کہ بھائی جان کی وہ کون سی مجبوری تھی جس نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کردیا۔ بڑی بیٹی ''حلیمہ'' کو اپنی بہن کے گھر بیاہ کر دیکھ چکے تھے، مگر وہ تو بھلا ہو ان کے بڑے داماد عمر کا کہ اس نے ہمیشہ اپنی بیوی کے حقوق کی حفاظت کی اور حلیمہ سے دل سے محبت کی، اس کو اپنی ماں سے اور بہنوں سے بھی محبت تھی اور اپنے بیوی بچوں سے بھی، اس نے دونوں کے حقوق کا خیال رکھا۔

غم والم سے عبارت ہے زندگی میری
خوشی کہاں کی ہے پیارو! مجھے فریب نہ دو

مگر میری اس بھانجی کا جس سے نصیب جڑا تھا، وہ بے حد خود غرض، کانوں کا کچا، دین سے دور، شراب وکباب کا رسیا اور نہایت بد اخلاق شخص تھا، میری یہ بھانجی جس کا نام سلیمہ بنت ابوبکر ہے، وہ خوبصورت، دیندار، شرم وحیا کی پتلی، خوش مزاج، ہنس مکھ اور ہر مصیبت وپریشانی اور رنج ودکھ کی حالت میں بھی اللہ کی رضا پر راضی رہنے والی، 21 اگست 1992ء کو اس نے شادی کا سرخ جوڑا پہنا ضرور تھا، مگر وہ سرخی خوشی کی نہ تھی، وہ سرخی تو کسی طوفان کی آمد کی تھی، کہنے کو اپنی سگی پھپھو کے گھر بیاہ کر جارہی تھی جو کہ باپ کی چہیتی بہن تھی، مگر باپ کا دل بیٹی کی جدائی سے نہیں، خوف سے رو رہا تھا، میں نے اپنی ساٹھ سالہ زندگی میں کبھی کسی باپ کو اس طرح روتے نہیں دیکھا۔ میری باجی بھی نرم دل والی ہیں، مگر اس دن بھائی جان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر باجی کے بھی آنکھ سے

آنسو بہہ پڑے تھے اور باجی خاموشی کی زبان سے اپنی بیٹی کی خوشیوں کے لئے اللہ کے حضور دعا گو تھیں، میں نے کبھی ایسی شادی نہ دیکھی اور نہ اللہ کبھی کسی کو دکھائے۔

اللہ رب العزت تو اپنے بندے کو ستر ماؤں سے زیادہ چاہتا ہے نا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے میری بیٹی سلیمہ کے دکھوں کو کم کرنے کے لئے سات پیاری پیاری اولادیں دیں، ماشاء اللہ چار بیٹے اور تین بیٹیاں، کچھ ابارشن بھی ہوئے، ایک دفعہ تو میں اپنی بہنوں اور بھابھی کے ساتھ جب اس کو دیکھنے اسپتال گئی تو کوئی مشین ایسی نہ تھی جو میری مظلوم بیٹی کو نہ لگی ہو، دیکھ کر رونا آتا تھا، اس وقت جو ڈاکٹر تھی غالباً "ریحانہ" (مرحومہ) ان کا نام تھا، کہنے لگیں کہ جس وقت یہ میرے پاس لائی گئی ہے، بدن بخار سے پھنک رہا تھا، بلکہ دماغ پر چڑھ گیا تھا، ہذیان بک رہی تھی، کپڑے پھاڑ رہی تھی، گردے پر اٹیک بھی ہو گیا تھا، پتہ نہیں کس کی دعا سے یہ بچ گئی، یقیناً والدین کی دعائیں اور ان بچوں کا نصیب تھا۔

بڑا بیٹا ذہیب والدین کا لاڈلہ اور بے حد ضدی تھا، مگر شاباش ہے سلیمہ پر کبھی جو اس کو غصہ آیا ہو، اگر رات کے دو بجے بھی شوہر مرغی کھانے کی فرمائش کرے یا بیٹا تو فریزر (جمی ہوئی) مرغی کو بھی نکال کر پکا کر اور آٹا گوندھ کر پراٹھے بنا کر دے گی اور ماتھے پر بل نہیں آئے گا، مریم اور مصعب میں بہت کم فرق تھا، مریم بہت تنگ کرتی تھی، مصعب بہت معصوم بچہ تھا، تھوڑے گیپ کے بعد حبہ ہوئی، کالی کالی آنکھوں والی یہ بچی ساڑھے چار سال کی عمر میں 24 دسمبر 2003ء کو ہم سب کو داغ مفارقت دے گئی، ماشاء اللہ سلیمہ نے اپنے ہاتھوں سے اس کو غسل دیا، یہ کہہ کر یہ میری بیٹی کا آخری کام ہے، دونوں میاں بیوی نے بہت صبر کیا، سب کو امید ہو چلی کہ شاید اب "زبیر" سدھر جائے، اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا جھٹکا دیا ہے، مگر وہ سب چار دن کی چاندنی ثابت ہوئی، پھر اللہ نے ایک بیٹا بلال دیا، ماشاء اللہ بہت پیارا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی بندی کے صبر کا پھر امتحان لیا اور 30 ستمبر 2006ء بروز ہفتہ، رمضان المبارک 1427 کو سلیمہ کی بڑی بیٹی مریم بنت زبیر ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں دار فانی سے دار بقاء کی طرف کوچ کر گئی۔

ایسے انداز سے رخصت ہوئی وہ مجھ سے
کہ وہ لمحہ، وہی منظر ہے نظر میں اب تک
شدت غم میں ہنسی لب پہ سجا کر دیکھو
اک دیا تیز ہوا میں بھی جلا کر دیکھو

میری یہ شاکر و صابر بیٹی یہ غم بھی اللہ کی رضا کے لئے سہہ گئی، اب تو سب کو امید ہو چلی کہ "زبیر" اب تو ضرور بدل جائے گا، کچھ دن اس کے نیک اطوار دنیا کو نظر بھی آئے، رشتہ دار بھی خوش ہو گئے کہ زبیر اب تو تقریبات میں شامل ہو جاتا ہے، میری سلیمہ وہی ہنس مکھ، دل غموں سے چور مگر لب پر ہنسی سجا کر اپنا غم بھلا کر سب سے ملتی، سب کا خیال رکھتی، بلال کے بعد 2004ء میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور بیٹے "شہیر" سے نوازا، جو ماشاء اللہ بہت پیارا تھا حبہ گڑیا بھی شہیر کی طرح بہت روتی تھی، بلکہ اس کا رونا دیکھ کے اور سلیمہ کا صبر دیکھ کے ہمیں حیرت ہوتی تھی، ورنہ آج کل تو کیا، پہلے بھی مائیں بلاوجہ بچے کا رونا کب برداشت کر سکتی تھیں، آج کل تو بچ کو ہی کوسنے دینے شروع ہو جاتی ہیں کہ زندگی بیزار ہو گئی، زندگی اجیرن ہو گئی وغیرہ، یعنی بچے تو چاہئے مگر ان کی تربیت نہیں کرنی، خیر! شہیر ناراض ہو جاتا کہ "خولہ ماما" نے میرے بارے میں تو کچھ لکھا ہی نہیں۔

جگر ہو جائے گا چھلنی یہ آنکھیں خون روئیں گی
وصی بے فیض لوگوں سے نبھا کر کچھ نہیں ملتا

اس تمام عرصے میں میری بیٹی نے اپنی ازدواجی زندگی کو کامیاب بنانے کی بھرپور کوشش کی، گھر بسانے کی، نبھانے کی ہر طرح اس نے اکیلے ہی کوشش کی، نہ ساس نندوں کی کوئی سپورٹ تھی نہ جیٹھ، دیوروں کی، اپنا بھرم رکھنے اور بچوں کو پڑھانے کے لئے رقم بھی قرض ادھار لیتی رہی جبکہ بھائی جان ہی گیس، بجلی کا خرچ بلکہ آدھے سے زیادہ اس کا خرچ اٹھاتے تھے، تاکہ بیٹی پریشان نہ ہو جبکہ گھر بھی بھائی جان کا ہی تھا، خیر! اس طرح کرتے کرتے مار پیٹ برداشت کرتے کرتے گالم گلوچ سنتے سنتے سلیمہ کو بیماریوں کا بھی مقابلہ کرنا پڑا، مگر کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائی۔

مریم کے انتقال کے بعد سب کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے سلیمہ کو ایک اور بیٹی "اریج" سے نوازا، وہ ماشاء اللہ چھ سال کی ہو گئی ہے، 14 ستمبر 2013ء کو ان شاء اللہ اس کا قرآن بھی ختم ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی امی کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

آپ سمجھ رہے ہوں گے کہانی ختم نہیں، بلکہ اب دردناک موڑ آ رہا ہے اس کہانی کا، جب اس کے پیارے بیٹے ذہیب کی عمر 19 سال اور اس کی شادی کو 20 سال اور اس کی بیٹی "مریم" کے انتقال کو جس دن چھ سال ہوئے یعنی 6 رمضان 1433ھ بروز جمعرات بمطابق 26 جولائی 2012ء۔

جب یہ دکھ تحریر کرتی ہے تو رو پڑتی ہے، الہی یہ دونوں تاریخیں میرے لئے اہم تھیں 6 رمضان مریم گڑیا کی چھٹی برسی اور 26 جولائی میرے پوتے ابوبکر کی چھٹی سالگرہ جمعہ کے دن تک میں نہیں جانتی تھی کہ یہ تاریخیں اپنے اندر ایک ایسا سانحہ لئے ہوئے ہیں، جو ناقابل بیان دکھ کی علامت بن جائے گا، یعنی سلیمہ زبیر کی طلاق، 20 سالہ رفاقت کو کوئی یوں پل بھر میں توڑ دے گا، کتنا بدنصیب شخص ہے وہ کہ جب پھل کھانے کا وقت آیا تو اس نے ہرا بھرا درخت ہی کاٹ ڈالا جو پھل دینے والا تھا، اور وہ بھی اس طرح کہ جس شاخ پر خود بیٹھا تھا اسی کو کاٹ دیا، پھر تو پاتال میں ہی گرتا تھا، انا للہ وانا الیہ راجعون ۞

اللہ تعالیٰ نے اس طلاق کے ذریعے میری سلیمہ کو قفس سے رہائی دی، پتہ نہیں کتنی دفعہ وہ ایسے الفاظ کہہ چکا تھا، مگر پھر رجوع کر لیتا تھا، نہ سولی چڑھاتا تھا، نہ ہی اس کو اتارتا تھا، بچے خصوصاً ذہیب اور مصعب سہمے سہمے اپنے خول میں سمٹے رہتے تھے، بیشک میری بیٹی کے صبر اس کی بہترین دینی تربیت اور اس کے میکے والوں کی سپورٹ کی وجہ سے ذہیب ماشاء اللہ سے بہت ہی دیکھ بھال کرنے والا، محبت کرنے والا بچہ بن گیا تھا، جب سلیمہ باجی کے پاس سعودیہ گئی تھی تو ماشاء اللہ وہ اپنے سب بھائیوں کا خیال بھی رکھتا تھا، باپ کی خبر گیری بھی کرتا تھا اور تو اور طلاق دینے سے پہلے کچھ ایسے معاملات پیش آئے کہ وہ بچہ اپنی ماں کو لے کر اپنے باپ کے پاس گیا جو اپنی ماں کے پاس تھا، اس کو بہت سمجھایا کہ ابو آپ ٹھیک سے رہیں گھر میں خرچہ دیں اور اگر مجھ سے کوئی بدتمیزی ہو گئی ہو تو اس کی بھی میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ (اپنی ماں کو پیٹتا دیکھ کر اپنے باپ کا ہاتھ روکا تھا) مگر اس بدبخت نے ایک نہ سنی اور اسی دن اپنی اتنی خوبصورت، پاکباز خوب سیرت بیوی کو طلاق دے کر اللہ کا عذاب مول لے لیا۔

سنا ہے کہ اس نے دوسری شادی بھی کر لی ہے کسی امریکہ پلٹ بیوہ سے، جس کی تیرہ سال کی بچی بھی ہے، واہ میرے مولا، اپنی اولاد آنکھوں کو کھٹکتی تھی، نہ ان کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا، طلاق کے بعد اور نہ ہی کوئی خرچہ دیا، ایک سال ہو گیا۔ الحمد للہ میری سلیمہ بہت بہتر طور پر اور مطمئن ہو کر اپنے بچوں کی بہترین دیکھ بھال کر رہی ہے، اللہ تعالیٰ میرے بھائی جان اور باجی کا سایہ ان پر سلامت رکھے، تادیر صحت و عافیت کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ اپنی اس صابر و شاکر بندی کو ڈھیر ساری خوشیاں دے، اپنے بچوں اور ان کے بچوں کے ساتھ، مجھے یقین ہے کہ سلیمہ جیسی اچھی بیٹی تھی، جیسی اچھی بہن تھی، جیسی اچھی بیوی تھی اور جیسی اچھی ماں تھی اور ہے، ویسی ہی سوئٹ سی پیاری سی نانی جان اور دادی جان بھی ہو گی، ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ ذہیب، مصعب، بلال، شہیر اور اریج کی امی جان کو دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں عطا فرمائیں، آمین یا رب العالمین۔

☆......☆......☆



تبسم

محمود عباسی

ایک شوہر اپنی بیوی کو مار رہا تھا۔ کسی آدمی نے اس سے پوچھا کہ کیوں مار رہے ہو۔
شوہر: حکیم صاحب نے کہا تھا کہ دوائی کٹ کٹ کے کھلوانی ہے۔

☆......☆......☆

ایک آدمی: بیرے سے کہہ رہا تھا کہ کیا یہ آم لنگڑے ہیں۔
بیرا: ہاں لنگڑے ہیں، اسی لئے تو ریڑھی پر پڑے ہیں۔
(صائمہ صفی اللہ، میانوالی)

☆......☆......☆

ماں (بیٹے سے) "جاؤ پڑوسی سے چینی مانگ لاؤ۔"
بیٹا: (تھوڑی دیر بعد) "امی! پڑوسی چینی نہیں دے رہے۔"
ماں: "ہائے کیسا زمانہ آگیا ہے، پڑوسی، پڑوسی کا خیال نہیں کرتا۔ جاؤ بیٹا الماری سے اپنی چینی نکال لاؤ۔"

☆......☆......☆

ایک بوڑھی عورت بس میں ڈرائیور کے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھی تھی، جب بس بلندی عمارت کے قریب سے گزری تو بوڑھی عورت نے چھڑی سے ڈرائیور کی پیٹھ پر ٹھونکا دیا اور بولی: "بیٹا کیا یہ نیشنل بینک ہے؟"
ڈرائیور: "نہیں اماں! یہ میری پیٹھ ہے۔"
(حمنہ خالد، احسن آباد کراچی)

☆......☆......☆

ایک دوست دوسرے سے:
"جب تم اپنا رزلٹ دیکھنے جاؤ تو میرا بھی دیکھ لینا، کیونکہ میرے ابو میرے ساتھ ہیں، ہوسکتا ہے رزلٹ ٹھیک نہ ہو، دوسرا دوست ٹھیک ہے۔"
پہلا دوست: "اگر میں ایک کتاب میں فیل ہوا تو کہنا، ایک مسلمان بھائی تمہیں سلام کہتا ہے اور اگر دو کتابوں میں فیل ہوجاؤں تو کہنا: دو مسلمان بھائی تمہیں سلام کہتے ہیں۔"
دوسرا دوست واپس آیا اور بولا: "اوے سن پوری امت مسلمہ تمہیں سلام کہتی ہے۔"
(شافعہ مقدس اخت محمد انس، ساہیوال)

☆......☆......☆

میاں بیوی چھت پر بیٹھے ہوئے تھے، بیوی نے آسمان پر ستارے دیکھتے ہوئے شوہر سے پوچھا: "وہ کون سی چیز ہے، جسے تم روز دیکھتے ہو، لیکن توڑ نہیں سکتے۔"

شوہر نے فوراً جواب دیا: "تمہارا منہ۔"

☆......☆......☆

ایک آدمی دریا میں نہاتے ہوئے ڈوبنے لگا تو اس نے اللہ سے دعا مانگی کہ اے اللہ مجھے بچالے، میں دو دیگیں پوا کر غریبوں میں تقسیم کروں گا۔ اتنے میں اس کا ہاتھ کسی چیز سے ٹکرایا، اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا اور اسے امید ہوگئی کہ اب وہ ڈوبنے سے بچ گیا ہے، تو آسمان کی طرف منہ کرکے کہنے لگا۔ کیڑیاں دیگاں، کیڑیاں دیگاں (کون سی دیگیں، کون سی دیگیں) اس کا ہاتھ چھوٹا اور وہ پھر ڈوبنے لگا تو جلدی جلدی کہنے لگا: میں تو پوچھ رہا تھا کہ دیگیں نمکین یا میٹھی۔
(رافعہ عبدالغنی، غلہ منڈی کمالیہ)

☆......☆......☆

ایک فوجی افسر، جو کسی مشہور سیاستدان کا بیٹا تھا، کسی رنگ روٹ سے ناراض ہوگیا اور اسے برا بھلا کہنے لگا، اسے اپنی خاندانی وجاہت پر بڑا ناز تھا، اس نے رنگ روٹ کو کافی سخت سست سنا کر کہا۔
"جانتے ہو، میرا باپ کون ہے؟"
رنگ روٹ نے سادگی سے جواب دیا:
"نہیں جناب! میرے علم میں آپ وہ پہلے شخص ہیں، جو اپنے باپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور دوسروں سے معلومات حاصل کررہے ہیں۔"

☆......☆......☆

خواتین کلب میں انسانی فلاح وبہبود پر بحث چھڑی ہوئی تھی، یہ بات انسان کی بیماریوں اور فوری طبی امداد تک جا پہنچی، ایک خاتون نے کہا:
"ہمیں چاہئے کہ ہم بلڈ بینک کو زیادہ سے زیادہ خون مہیا کرکے کم زور اور خون کے ضرورت مند مریضوں کی عظیم انسانی خدمت انجام دیں۔"
تالیوں کی گونج اور داد وتحسین کے نعروں میں اس تجویز کی تائید ہوئی، رجسٹر ڈ کھلا اور خون کی پیشکش کرنے والی خواتین نے نام پتے لکھوانے شروع کردیئے، ان خواتین نے اپنے شوہروں کے خون دینے کی فراخ دلانہ پیشکش کی تھی۔
(شارفہ طاہر، کراچی)

☆......☆......☆

کسی کی خاموشی کو اس کا تکبر نہ سمجھو، ہوسکتا ہے کہ اس کے منہ میں پان یا نسوار ہو۔

☆......☆......☆

ہماری دعاؤں میں بڑا اثر ہے، ایک کو دعا دی کہ سدا ہنستے مسکراتے رہو، آج وہ پاگل خانے میں ہے، دوسرے کو دعا دی کہ دنیا تیرے اشارے پر چلے تو آج وہ ٹریفک پولیس میں ہے، تیسرے کو دعا دی کہ تیری زندگی میں پھول ہی پھول ہوں تو آج وہ اسکول میں مالی ہے، چوتھے کو دعا دی کہ سدا چمکتے رہو تو آج اس کے سر پر ایک بال بھی نہیں ہے۔
(ہادیہ حبیب الرحمان، باغ آزاد کشمیر)

☆......☆......☆

ایک صاحب نے دوسرے صاحب سے کہا:
"میں تمہیں مزاحیہ قصے سناتا ہوں اور تم مجھے افسوس ناک واقعات سنانا۔"
پھر اس نے کچھ مزاحیہ قصے سنائے، اس وقت تک وہ دونوں تیرہویں منزل تک پہنچ گئے تھے۔
پہلا بولا: "اب تم افسوس ناک واقعات سناؤ۔"
دوسرا بولا: "اگر میں تمہیں افسوس ناک واقعہ سنایا تو تم رو پڑو گے۔"
پہلے نے کہا: "نہیں، میں نہیں روؤں گا، تم سناؤ۔"
دوسرا بولا: "تو پھر سنو، کمرے کی چابی نیچے رہ گئی ہے۔"
(فاطمہ فیصل، شادمان ٹاؤن کراچی)

☆......☆......☆

روشنی چراغ



ہادیہ حبیب الرحمٰن

سڑکوں پر مجھے ہزاروں چہرے نظر آتے ہیں، دھڑکتے دل اور تیز نبض کے ساتھ میں چاروں طرف دیکھتی ہوں، مگر بے سود آپ کہیں نہیں ہوتے، میری آنکھوں میں اشک جاری ہوجاتے ہیں، مجھے بچپن کا زمانہ یاد آجاتا ہے، جو میری زندگی کا انمول حصہ تھا، جب میں آپ کے چہرے کو تکا کرتی تھی، ہر گزرنے والے دن کے ساتھ میں آپ کو بہت یاد کرتی ہوں۔

میں آپ سے بے انتہا محبت کرتی ہوں ابو، آپ ایک مرتبہ پھر آجائیں، میں جی بھر کر آپ کا چہرہ دیکھ سکوں اور آپ کی خدمت کرسکوں، ابو مجھے کیا معلوم تھا کہ آج آپ مجھ سے آخری بار پیار کررہے ہیں، اس کے بعد آپ مجھے کبھی پیار نہیں کرسکتے، کبھی آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی کبھی میں آپ کو دیکھ سکتی ہوں، جب بچپن کے دن یاد آتے ہیں تو بے اختیار آنسو نکل جاتے ہیں کہ کاش وہ دن لوٹ آجائیں کہ جب آپ کی پیار بھری گود میں بیٹھ کر میں باتیں کرتی تھی، جب آپ مجھے پیار سے بلاتے تھے، جب آپ کھانے کی میز میں مجھے نہ پاتے تو بے قرار ہوجاتے تھے اور مجھے ساتھ بٹھا کر کھانا کھاتے تھے، جب میں آپ سے باتیں کرتی تو ابو آپ کتنے خوش ہوتے تھے۔

میرے ابو جان، بنیالی کے ایک دینی گھرانے صوبیدار یعقوب خان کے گھر پیدا ہوئے، آپ کی فطرت بچپن ہی سے بالکل الگ تھی، آپ ہمیشہ سوچ و بچار میں رہتے تھے، آپ ہمیشہ اپنے ماں باپ کی خدمت کرتے تھے، اسی لئے آپ اپنے ماں، باپ کے لاڈلے تھے، آپ ہر ایک کے ساتھ بہت آداب سے پیش آتے اور سب کی بہت خدمت کرتے تھے، آپ بچپن ہی سے پنج وقتہ نماز کے پابند تھے، آپ اپنے بہن بھائیوں میں بڑے ہونے کی وجہ سے ہمیشہ انہیں نصیحت کرتے تھے، آپ اپنے بہن، بھائیوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آتے اور آپ کے بہن بھائی بھی آپ پر جان نچھاور کرتے، آپ گاؤں کے ہر فرد کو بہت پسند تھے، آپ کی عادتیں ہر ایک کا دل موہ لیتی تھیں، میرے دادا جان کو میرے ابو سے بہت محبت تھی، میرے ابو جمعہ کے دن باغ آتے تو وہ اپنے والد کو وقت بتا کر آتے کہ میں اس وقت واپس گھر آجاؤں گا، اگر تھوڑی بھی دیر ہوجاتی تو میرے دادا جان ابو جان کو لینے کے لئے چلے جاتے۔

ابو جان کے تین بھائی ہیں اور تینوں بھائی اپنے پیارے سے بھائی کے جانے کے بعد ہر وقت پریشان رہتے ہیں، کیونکہ اب ان بھائیوں کو کوئی تسلی دینے والا نہیں، ان بھائیوں کو کوئی نصیحت کرنے والا نہیں، میرے ابو کی تین بہنیں ہیں اور بہنیں بھی اپنے بھائی کے پیچھے دن رات روتی ہیں اور اپنے بھائی کے لئے ہر وقت قرآن پڑھتی ہیں، میرے پیارے بچوں اور پیاری پھوپھو، یتیم بھی ہوئے اور ساتھ میں اپنے پیارے سے بھائی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے، میرے ابو بچوں سے بہت پیار کرتے تھے، زلزلے سے ایک دن پہلے جمعہ کو ابو باغ جمعہ پڑھنے کے لئے آئے تو میں وہاں پر خالہ کے گھر تھی تو میں نے ابو کے ساتھ جانے کی ضد کردی، تو ابو نے مجھے پیار سے سمجھایا کہ کل اسکول سے ہوکر آنا، لیکن میں نہ مانی تو ابو میرے پیارے سے بھیا کو میرے پاس چھوڑ کر گئے، مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ میری اور میرے بھیا (حامد) کی آخری رات ہے اور میں آخری مرتبہ اپنے پیارے سے ابو کا چہرہ دیکھ رہی ہوں اور پھر جب ابو واپس گھر گئے تو میرے دادا جان مجھے پیار سے (موٹو) کہتے تھے، انہوں نے ابو سے پوچھا کہ میری موٹو نہیں آئی ہے تو میرے ابو نے بتایا کہ وہ رو رہی تھی، میں حامد کو اس کے پاس چھوڑ آیا ہوں، میرے دادا کو کیا معلوم کہ ان کی موٹو اب ان سے کبھی نہیں مل سکتی، وہ موٹو کو اکیلے چھوڑ کر دار فانی سے کوچ کر جائیں گے، مجھے میرے ابو بہت یاد آتے ہیں، خاص طور پر جب، اسکول میں دوستیں باتیں کرتی ہیں کہ میرے ابو یہ لائے، وہ لائے تو مجھے اپنے ابو بہت یاد آتے ہیں، مجھے چہروں کے معاملے میں کوئی پریشانی نہیں، کیونکہ میرے چاچو بہت بہت اچھے ہیں، ان کی تعریف کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں، انہوں نے کبھی بھی ہمیں ابو کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا، میرے ابو نے آٹھ اکتوبر کو وفات پائی ہے، اللہ میرے پیارے ابو جان کو، پیارے دادا جان کو، پیارے بھائی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین۔

☆......☆......☆

مسلمانوں کے نام فاروق اعظمؓ کا فرمان

امام بخاریؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے راوی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مسلمانوں کے نام جو بلاد فارس میں مقیم تھے، یہ فرمان جاری کیا: ”اے مسلمانو! اپنے آپ کو اہل شرک اور اہل کفر کے لباس اور ہیئت سے دور رکھنا۔“

ایک روایت میں ہے کہ اس طرح فرمان جاری فرمایا: ”امابعد، اے مسلمانو! ازار اور چادر کا استعمال رکھو اور جوتے پہنو اور اپنے جد امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لباس (لنگی اور چادر) کو لازم پکڑو اور اپنے آپ کو عیش پرستی اور عجمیوں کے لباس اور ان کی وضع قطع اور ہیئت سے دور رکھو، مبادا کہ تم لباس اور ان کی وضع و قطع میں عجمیوں کے مشابہ بن جاؤ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نبیرہ معد بن عدنان کی وضع و قطع اختیار کرو اور موٹے کھردرے اور پرانے کپڑے پہنو، جو اہل تواضع کا لباس ہے۔“

اور مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ ہم آذربائیجان میں تھے کہ ہمارے پاس امیر لشکر عتبہ بن فرقد کے نام فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان پہنچا:

”اے عتبہ بن فرقد! تم سب کا یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو عیش پرستی اور کافروں اور مشرکوں کے لباس اور ہیئت اور وضع قطع سے دور رکھو اور محفوظ رکھو اور ریشمی لباس کے استعمال سے پرہیز رکھو۔“

☆......☆......☆



باورچی خانہ

میٹھا میٹھا کھاؤ، میٹھا میٹھا بولو کیوں کہ میٹھے بول میں جادو ہے۔

گولڈن پلاؤ

اجزاء:

چاول .... آدھا کلو
چکن کیوب .... دو عدد
ہری پیاز کے پتے .... ایک چائے کا چمچہ
کشمش .... آدھا کپ
تیز پات .... دو عدد
ٹماٹر .... دو سے تین عدد
ادرک لہسن .... دو کھانے کے چمچے (پسا ہوا)
زیرہ ایک .... چائے کا چمچہ
پیاز .... ایک عدد (درمیانی)
بڑی الائچی .... دو عدد
چھوٹی الائچی .... تین سے پانچ عدد
لونگ .... آٹھ عدد
کالی مرچ .... بارہ سے پندرہ عدد
تیل .... حسب ضرورت۔

ترکیب:

تیل گرم کر کے پیاز گلابی کرلیں، اب اس میں ادرک لہسن اور تمام مصالحہ جات شامل کرلیں، تھوڑی دیر بعد ٹماٹر ڈال کر بھون لیں، جب اچھی طرح بھن جائے تو اس میں چکن کیوب اور پانی ڈال دیں، ابال آنے لگے تو چاول ڈال دیں، پانی کم ہونے پر کشمش اور ہری پیاز ڈال کر دم پر رکھ دیں۔

☆......☆......☆

ٹماٹر کی چٹنی

اجزاء:

ٹماٹر .... ایک کلو
ہری مرچ .... آدھا پاؤ
لال مرچ (پسی ہوئی) .... دو کھانے کے چمچے
دھنیا (پسا ہوا) .... آدھا کھانے کا چمچہ
لہسن ادرک پیسٹ .... تین کھانے کے چمچے
ہلدی .... حسب ضرورت
نمک .... ایک کھانے کا چمچہ
کری پتہ .... بیس عدد
پیاز .... ایک عدد
تیل .... چار کھانے کے چمچے۔

ترکیب:

تیل گرم کریں اور اس میں ہری مرچیں ڈال کر فرائی کرلیں، جب فرائی ہوجائیں تو انہیں علیحدہ پلیٹ میں نکال کر ڈھک کر رکھ دیں۔ پیاز کو باریک کاٹ لیں اور اسی تیل میں ڈال کر تل لیں، جب براؤن ہوجائے تو اس میں لہسن ادرک پیسٹ، پسی ہوئی لال مرچ، پسا ہوا دھنیا، ہلدی پاؤڈر اور نمک شامل کر کے بھون لیں، جب اچھی طرح بھناؤ ہوجائے، اس میں کٹے ہوئے ٹماٹر شامل کردیں اور گلنے تک پکائیں، اب اس میں تلی ہوئی ہری مرچیں اور آدھے کری پتے ڈال دیں اور ٹماٹر کو خوب اچھی طرح سے بھون لیں۔ بقیہ کری پتوں کو علیحدہ سے تیل میں بگھار کر ٹماٹر میں شامل کردیں، لیجیے چٹ پٹی اور مزیدار ٹماٹر کی چٹنی تیار ہے، حسب منشاء کسی بھی ڈش کے ساتھ سرو کر کے کھانے کا لطف دوبالا کریں۔

☆......☆......☆

دال مکھانی

اشیا:

دال ماش .... آدھی چائے کی پیالی
دال مونگ .... آدھی چائے کی پیالی
ثابت سرخ مرچ .... آٹھ عدد
(سوکھی پیس لیں)
ہینگ .... ایک چٹکی
ادرک .... ایک چائے کا چمچ
لہسن .... دو چائے (کوٹا ہوا)
کے چمچ (کوٹا ہوا)
مکھن .... تین کھانے کے چمچ
گرم مسالہ .... ایک چائے کا چمچ
نمک .... ایک چائے کا چمچ
ہلدی .... آدھا چائے کا چمچ
ہرا دھنیا، ہری مرچ .... گارنش کے لئے
پیاز .... بگھار لگانے کے لئے

ترکیب:

دال اچھی طرح دھو کر پانچ پیالی پانی میں چولھے پر چڑھا دیں، جب ابلنے لگے تو تمام جھاگ نکال دیں، اب لہسن ادرک، لال مرچ پسی ہوئی اور ہلدی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ ڈھکن ڈھک کر آنچ کم رکھیں اور چمچ چلاتی رہیں۔ جب دال خوب گل جائے تو گرم مسالہ اور مکھن ڈال کر خوب گھوٹیں۔ ایک جان ہونے پر باریک کٹی ہوئی پیاز کو گھی میں تل کر بگھار لگا دیں اور پیش کرتے ہوئے اوپر ہرے دھنیے اور ہری مرچ کے ساتھ گارنش کریں۔ گرم گرم چپاتیوں کے ساتھ یہ دال بہت مزے کی لگتی ہے۔

☆......☆......☆

مونگ کی دال کے کباب

اشیا:

مونگ کی دال .... دو چائے کی پیالی
سرخ مرچ .... آدھا چائے کا چمچ
(پسی ہوئی)
گرم مسالہ .... آدھا چائے کا چمچ
پیاز .... دو عدد
(باریک کٹی ہوئی)
نمک .... آدھا چائے کا چمچ
پودینہ .... آدھی گڈی
(باریک کٹا ہوا)
ہری مرچ .... آٹھ عدد (باریک کٹی ہوئی)
ادرک .... ایک انچ کا ٹکڑا
(باریک کٹا ہوا)
انڈا .... ایک عدد
ڈبل روٹی کا چورا .... ایک چائے کی پیالی
(ڈبل روٹی کے چار سلائس چوپر میں پیس لیں)
تیل .... تلنے کے لئے

ترکیب:

مونگ کی دال دھو کر اتنا پانی ڈالیں کہ دال گل جائے اور کھڑی کھڑی رہے۔ ابالتے وقت نمک، لال

مرچ، گرم مسالہ ڈال کر ہلکی آنچ پر ابال کر پانی بالکل خشک کرلیں۔ اب دال کو ٹھنڈا کر کے اس میں پودینہ، ہری مرچ، پیاز اور ادرک ڈال دیں اور پھر ان کو اتنا ملیں کہ آپس میں ایک جان ہو جائیں، انڈا پھینٹ لیں اور اچھی طرح پھینٹے ہوئے انڈے کا ہاتھ لگا لگا کر اس آمیزے کے کباب بنائیں اور ڈبل روٹی کے چورے میں لپیٹ کر فرائی کرلیں۔ سنہرے ہونے پر اخبار میں نکالتی جائیں، تاکہ تیل نکل جائے، پھر املی کی چٹنی اور گرم گرم چپاتیوں کے ساتھ کھائیں۔

☆......☆......☆

املی کی چٹنی

املی......دو کھانے کے چمچے
(ایک چوتھائی پیالی میں بھگو کر اور مل کر بیج نکال دیں)
پودینہ......ایک گڈی (پتے توڑ کر دھو لیں)
ہری مرچ......چھ عدد
نمک......ایک چوتھائی چائے کا چمچ

ترکیب:
تمام اشیا ملا کر بلینڈر یا سل پر پیس لیں، مزیدار چٹنی تیار ہے۔

☆......☆......☆

رائتہ

اشیا:
دہی......دو چائے کی پیالی
نمک......ایک چوتھائی چائے کا چمچ
سرخ مرچ......ایک کھانے کا چمچ
(سوکھا بھون کر پیس لیں)
سفید زیرہ......ایک کھانے کا چمچ
(سوکھا بھون کر پیس لیں)
سونف......ایک کھانے کا چمچ
ہری دھنیا......آدھی گڈی
(پتے توڑ کر باریک کاٹ لیں)

ترکیب:
دہی میں تمام مسالے ملا کر خوب اچھی طرح پھینٹ لیں اور آخر میں ہرا دھنیا شامل کر کے ملا دیں۔

☆......☆......☆

چنے کی اچاری دال کریلے

کریلے......آدھا کلو
دال چنا......دو چائے کی پیالی
لال مرچ......ایک چائے کا چمچ (پسی ہوئی)
ہلدی......آدھا چائے کا چمچ (پسی ہوئی)
سفید زیرہ......ایک کھانے کا چمچ
(سوکھا بھون کر موٹا پیس لیں)
کلونجی......آدھا چائے کا چمچ
سونف......آدھا چائے کا چمچ
(موٹی کوٹ لیں)
ثابت دھنیا......ایک چائے کا چمچ
(موٹا کوٹ لیں)
پیاز......تین عدد (باریک کٹی ہوئی)
ہری مرچ......چار عدد (باریک کاٹ لیں)
گڑ......ایک کھانے کا چمچ (کوٹا ہوا)
ادرک لہسن......دو کھانے کے چمچ (پسا ہوا)
تیل......آدھی چائے کی پیالی

ترکیب:
کریلوں کو کھرچ کر بیج نکال دیں اور ایک انچ موٹے قتلے کاٹ لیں۔ نمک مل کر آدھا گھنٹہ رکھ دیں۔ پھر اچھی طرح دھو لیں۔ ایک دیگچی میں پیاز تیل میں ہلکی آنچ پر سنہری کرلیں اور نکال کر اخبار پر بچھا دیں۔ اب اس تیل میں کریلے فرائی کر کے وہ بھی نکال لیں۔ اسی تیل میں علاوہ مرچوں اور گڑ کے، تمام مسالہ بھونیں اور پھر چنے کی دال ڈال کر ہلکا سا بھون کر اتنا پانی ڈالیں کہ دال بالکل گل جائے، مگر دانے الگ، الگ رہیں۔ اب آدھی پیالی پانی ڈال کر کریلے اور گڑ ڈال دیں اور دم پر

لگا دیں۔ دس منٹ بعد تلی ہوئی پیاز اور ہری مرچیں ڈال کر مزید پانچ منٹ دم پر لگائیں۔ ڈش میں نکالنے سے پہلے ہلکے ہاتھ سے چمچ چلائیں، تاکہ پیاز اور ہری مرچیں مکس ہو جائیں۔ ہرے دھنیا سے گارنش کر کے گرم گرم چپاتیوں کے ساتھ پیش کریں۔

☆......☆......☆

مونگ کی دال اور جو کا حلیم

اشیا:
مونگ دال......ایک چائے کی پیالی
جو......ایک چائے کی پیالی
(کٹے ہوئے)
لال مرچ......ایک چائے کا چمچ (پاؤڈر)
ہلدی......آدھی چائے کی چمچی (پاؤڈر)
ادرک......ایک کھانے کا چمچ (کٹا ہوا)
لہسن......ایک کھانے کا چمچ (کٹا ہوا)
پیاز......ایک عدد درمیانی
ہرا دھنیا......گارنش کے لیے
ہری مرچ......گارنش کے لیے
ادرک باریک کٹا ہوا......گارنش کے لئے
گرم مسالہ......ایک چائے کا چمچ
نمک......ایک چائے کا چمچ

ترکیب:
جو خوب اچھی طرح دھو کر ایک بڑی پتیلی میں کوئی دس گلاس پانی اور تمام مسالہ (علاوہ پیاز اور گارنش کی اشیا کے) ملا کر چولھے پر چڑھا دیں۔ پہلے آنچ تیز رکھیں اور جب ابال آجائے تو چولھا ہلکا کر دیں اور ہلکی آنچ پر اتنا پکائیں کہ گل کر بالکل ایک جان ہو جائے۔ اب اس میں مونگ کی دال شامل کر دیں اور جب دال بھی بالکل گل جائے تو خوب گھوٹ لیں اور اس طرح کا گاڑھا ہو جائے جیسے حلیم ہوتا ہے تو پیاز کے لچھے کاٹ کر بگھار لگا دیں۔ ڈونگے میں نکال کر ہرا دھنیا، ہری مرچ اور ادرک سے گارنش کر کے پیش کریں۔ انتہائی مزیدار اور قوت بخش حلیم تیار ہے۔

☆......☆......☆

دال پوری

اشیا:
آٹا......تین پیالی
تیل......دو کھانے کے چمچ
نمک......تین چوتھائی چائے کا چمچ
پانی......گوندھنے کے لیے
مونگ کی دال......ایک چائے کی پیالی
نمک......ایک چائے کا چمچ
لال مرچ......ایک چائے کا چمچ
سفید زیرہ......ایک چائے کا چمچ
گرم مسالہ......ایک چائے کا چمچ (پسا ہوا)
تیل......تلنے کے لئے

ترکیب:
آٹے میں نمک اور تیل ملا کر خوب مسلیں۔ جب ایک جان ہو جائے تو پانی سے گوندھ لیں۔ روٹی کے آٹے سے ذرا سخت گندھے گا۔ آٹے کو ململ کے گیلے کپڑے سے ڈھک کر ایک طرف رکھ دیں۔ اب دال کو تمام مسالے ڈال کر ابالیں۔ بالکل نرم ہو جائے، مگر دانہ الگ الگ رہے۔ ٹھنڈی ہونے پر مسل کر بھرتا بنا لیں۔ اب آٹے کے دو چھوٹے چھوٹے پیڑے بنا لیں۔ ایک کو تھوڑا سا بیل کر اس پر دال کا بھرتا پھیلائیں، پھر دوسرے پیڑے کو بھی بالکل پہلے کے برابر ذرا سا بیل کر دال والے پیڑے کو اس سے ڈھک دیں اور کنارے پر ہلکا سا پانی لگا کر دبا دیں۔ اب پوری کے برابر بیل لیں۔ تمام پوریاں اسی طرح بیل کر کڑھائی میں تیل بھر کر تل لیں۔ چٹنی یا اچار کے ساتھ دال بھری پوریاں بہت مزہ دیں گی۔

☆......☆......☆



نعت رسول مقبولؐ

کھلا ہیں سبھی کے لئے باب رحمت   یہاں کوئی رہتے میں ادنیٰ نہ عالی
مرادوں سے دامن نہیں کوئی خالی   قطاریں لگائیں کھڑے ہیں سوالی
میں پہلے پہل جب مدینے گیا تھا   تو تھی دل کی حالت تڑپ جانے والی
وہ دربار سچ مچ میرے سامنے تھا   ابھی تک تصور تھا جس کا خیالی
میں اک ہاتھ میں دل سنبھالے ہوئے تھا   تھی دوسرے ہاتھ روضے کی جالی
دعا کے لئے ہاتھ اٹھتے تو کیسے   نہ یہ ہاتھ خالی نہ وہ ہاتھ خالی

(بنت احمد، قائد آباد لانڈھی کراچی)

☆......☆......☆

نعت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم

کاش میں آتی زمیں پر مصطفیٰؐ کے دور میں   کیسا ہوتا پھر مقدر مصطفیٰؐ کے دور میں
سنتی میں بھی باتیں ان کی میری قسمت جاگتی   ہوتی قسمت کی سکندر مصطفیٰؐ کے دور میں
حضراتِ اصحابؓ کو جب بھیجتے آقاؐ کہیں   جاتی میں بھی بن کے نوکر مصطفیٰؐ کے دور میں
لوگ سب اپنے گھروں میں سو رہے ہوتے تو پھر   گھومتی حجرے کے باہر مصطفیٰؐ کے دور میں
جب کبھی میرے محمدؐ پڑھ رہے ہوتے نفل   تکتی چھپ چھپ کر چہرہ انور مصطفیٰؐ کے دور میں
جب بھی آقا کا گزر ہوتا میں پاؤں چومتی   کوئے طیبہ کا ہوتی پتھر مصطفیٰؐ کے دور میں
منہ مرا تازیست خوشبو سے معطر رہتا گر   چومتی نعلین اطہر مصطفیٰؐ کے دور میں
کوئی قصداً میں کوئی لغزش فقط یہ سوچ کر   آپؐ پوچھیں گے بلا کر مصطفیٰؐ کے دور میں
آپ روزانہ مجھے بس دیجئے لعابِ دہن   ان کو منواتی میں رو کر مصطفیٰؐ کے دور میں

لپٹی رہتی حجرے میں لوگ پھر کہتے تھے   آقا کے گھر کا کبوتر، مصطفیٰؐ کے دور میں
ہاتھ میں بوجہل کے دیتی گواہی آپ کی   ہوتی میں بھی ایک کنکر مصطفیٰؐ کے دور میں
تن لیا تھا جس نے جالا منہ پے غارِ ثور کا   ہوتی اس مکڑی کا میں پر مصطفیٰؐ کے دور میں
کتنا ہے صدیقؓ کا خوش بخت آنسو غار میں   جس نے چوما چہرہ انور مصطفیٰؐ کے دور میں
وہ تنہا کیسے نہ روتا فرقتِ سرکار میں   تھا وہ آخر کس کا منبر مصطفیٰؐ کے دور میں
آپ کے قدموں میں میں تو بھول جاتی والدین   بہن، بھائی، قربت و گھر مصطفیٰؐ کے دور میں
میں بناتی اپنا سرمہ دھول پائے مصطفیٰؐ   چشم و دل ہوتے منور مصطفیٰؐ کے دور میں
اپنے آقا کے پسینے کا اک قطرہ ہوتی ہیں   جس سے تھیں گلیاں معطر مصطفیٰؐ کے دور میں
آپ کا جوتا ہی ہوتی تب آجاتا کہیں   نام میرا ان کے لب پر مصطفیٰؐ کے دور میں
رات دن سرشار مدحتِ سرکار میں   ہوتی ادنیٰ سی میں شاعر مصطفیٰؐ کے دور میں
آج کے شاہوں، نوابوں کو ہے کیا اس کی خبر؟   کہ کیا تھی دولت فقر بوذرؓ مصطفیٰؐ کے دور میں
ان کی ناقہ ہی ارے فردوس تو ہوتی اگر   چلتی پھر تو سوئے لشکر مصطفیٰؐ کے دور میں

(رضوانہ فردوس رضوی، جامعہ عائشہ صدیقہؓ للبنات باغ آزاد کشمیر)

☆......☆......☆

مناجات مقبول

سجدے میں سر ہو چشم بھی یوں اشکبار ہو   رحمت کا تیری سر پہ میرے آبشار ہو
غالب نہ نفس پر کبھی شہوت کی نار ہو   دل میں نہ میرے غیر کا کوئی بھی خار ہو
میرے لبوں پہ ذکر تیرا بار بار ہو   پھر دل بغیض ذکر میرا قرب بہار ہو
ہم سب کو تیری یاد سے حاصل قرار ہو   دل بھولنے سے مجھ کو بہت بے قرار ہو
ہر اک گناہ سے مجھے یا رب فرار ہو   یک لمحا ہوں میں نہ میرا شمار ہو
بستی ہو یا چمن ہو کہ وہ کہسار ہو   جاؤں جدھر بھی دل میرا ہاتھ پر نثار ہو
اپنے کرم سے بھیک مجھے مغفرت کی دے   بندہ تیرا محشر میں نہ یہ شرمسار ہو
یا رب تیرے کرم سے یہ کچھ بھی نہیں بعید   رحمت بروزِ حشر تیری بے شمار ہو
عاصی اگر ہو متقی ترکِ گناہ سے   پھر تاجِ ولایت کا وہی تاجدار ہو
یا رب فدا ہو تجھ پہ اس اختر کا ہر نفس   توفیق ایسی آپ کی لیل و نہار ہو
سجدے میں سر ہو چشم بھی یوں اشکبار ہو   رحمت کا تیری سر پہ میرے آبشار ہو

(ع بنت عبدالرحمٰن، کراچی)

☆......☆......☆

بیٹیاں

بڑی معصوم سی ہوتی ہیں بیٹیاں   بات بات پہ روتی ہیں بیٹیاں

کوئی بات بھی سہہ نہیں سکتیں یہ
بڑی نرم و نازک ہوتی ہیں بیٹیاں

وہ گھر لگتا ہے بڑا ویران سا
جس گھر سے رخصت ہوتی ہیں بیٹیاں

تنہا چھوڑ کر سب کو ایک دن
آنسوؤں کی لڑیاں پروتی ہیں بیٹیاں

اپنا گھر بھی ان کا اپنا نہیں ہوتا
کیوں اتنی پرائی ہوتی ہیں بیٹیاں

بہت روتی ہوں، میں اکثر تنہائی میں
جب سوچتی ہوں کتنی مجبور ہوتی ہیں بیٹیاں

یہ میں نہیں کہتی یہ خدا بھی کہتا ہے
اس کی رحمت کی نشانی ہوتی ہیں بیٹیاں

(شفا بنت شکیل)

☆......☆......☆

مرزا ٹھگوں سے کم نہیں

یہ کہنا کچھ ستم نہیں ہرگز فضول ذم نہیں
کہتے ہیں جھوٹ ہم نہیں مرزا ٹھگوں سے کم نہیں

دجال کاذب و لعیں وہ شخص مار آستیں
وہ دوزخی ہے بالیقیں وہ لائق ارم نہیں

وہ باغی شہنشاہ کا وہ خار حق کی راہ کا
اس قوم پر اللہ کا وہ قہر تھا کرم نہیں

وہ مرکز تشنہ بھی وہ گمرہ تیرہ شبی
وہ شخص تو ذی عقل بھی اللہ کی قسم نہیں

کانٹا رہ نجات کا رہزن اندھیری رات کا
اپنی کسی بھی بات کا وہ رکھ سکا بھرم نہیں

وہ نفس کا غلام بھی بد ذوق و بد کلام بھی
بدنام اس کا نام بھی ہرگز وہ محترم نہیں

مرزائیوں کا خوف و ڈر سنئے ہے قصہ مختصر
آئے مقابلِ اثر اتنا کسی میں دم نہیں

☆......☆......☆

یہ تیر اس غلام پر

یہ تیر اس غلام پر اس تیرگی کی شام پر
بد ذوق و بد کلام پر اس گرگٹ الہام پر

جو کر نہ کچھ عمل سکے جو صرف ہاتھ مل سکے
جس کا نہ زور چل سکے خود نطق بے لگام پر

سمجھ نہ تھی جس ذرا دل جس کا کذب سے بھرا
بیٹے کی موت میں مرا پلتا رہا حرام پر

ڈرپوک بزدلی کرے غیروں کی پیروی کرے
آقا سے دشمنی کرے لعنت ہے اس غلام پر

یہ مسئلہ ادق نہیں جب نام اور نسق نہیں
مرزائیوں کا حق نہیں اس دین پر اسلام پر

اک وہ شہ دنیا و دیں اک یہ درندۂ زمیں
دھبہ ہے مرزائے لعیں انسانیت کے نام پر

اپنی سزا وہ پائے گا دوزخ ضرور جائے گا
آنکھوں سے خوں بہائے گا اپنے خیالِ خام پر

ملتی بھی کیوں اسے سحر پھرتا رہا وہ در بدر
وہ جس کو ناز تھا اثر انگریز کے نظام پر

(شارفہ طاہر، کراچی)

☆......☆......☆

نظم

میں سانس بھی گن کر لیتا ہوں جس روز سفر میں رہتا ہوں

اک خوف زدہ جیوں لے کر میں موت کے گھر میں رہتا ہوں
جہاں ذات نسل کے جھگڑوں پہ ہتھیار اٹھایا جاتا ہے
ہر روز کئی معصوموں کا جہاں خون بہایا جاتا ہے
جہاں موت بھی ماتم کرتی ہے میں اس نگر میں رہتا ہوں
اک خوف زدہ جیون لے کر میں موت کے گھر میں رہتا ہوں
ہر روز کسی ماں کا بیٹا بے موت ہی مارا جاتا ہے
ہر روز کسی کی میت کو دھرتی میں اتارا جاتا ہے
کبھی میں بھی مارا جاؤں گا میں اسی فکر میں رہتا ہوں
جس شہر کا نام کراچی ہے میں اسی شہر میں رہتا ہوں

☆......☆......☆

اے چاند یہاں نہ نکلا کر

اے چاند یہاں نہ نکلا کر
بے نام سے سپنا دکھلا کر

یہاں الٹی گنگا بہتی ہے
اس دیس میں اندھے حاکم ہیں

نہ ڈرتے ہیں نہ نادم ہیں
نہ لوگوں کے وہ خادم ہیں

ہے یہاں پہ کاروبار بہت
اس دیس میں گردے بکتے ہیں

کچھ لوگ ہیں عالی شان بہت
اور کچھ کا مقصد روٹی ہے

وہ کہتے ہیں سب اچھا ہے
مغرب کا راج ہی سچا ہے

پردیس گا اندھے لوگوں کا
اے چاند یہاں نہ نکلا کر

(ہادیہ حبیب الرحمان، باغ آزاد کشمیر)

☆......☆......☆

بچپن

بچپن کے وہ دکھ بھی کتنے اچھے تھے
تب تو صرف کھلونے ٹوٹا کرتے تھے

وہ خوشیاں بھی جانے کیسی خوشیاں تھی
تتلی کے پر نوچ کے اچھلا کرتے تھے

پاؤں مار کے بارش کے پانی میں
اپنی کشتی آپ ڈبویا کرتے تھے

اب تو ایک آنسو بھی رسوا کرتا ہے
بچپن میں دل کھول کے رویا کرتے تھے

☆......☆......☆

میری دوست سدرہ کے نام

چلو میں بتاتا ہوں کیسے دوست ہوتے ہیں
میرے لئے میری دنیا ہوتے ہیں

چھو کے جو گزرے وہ ہوا ہو تم
میں نے جو مانگی وہ دعا ہو تم

کریں مجھے جو روشن وہ دیا ہو تم
میرے انتظار کی راحت ہو تم

تم ہو تو یہ دنیا ہے میری
کیسے کہوں تم میری زندگی ہو

کرسکوں یقین تو بتاؤں تمہیں بہت خاص ہو تم میرے لئے
(حلیمہ بنت نور محمد)

☆......☆......☆

بندگی سکھا ہی دے

ہم لٹ گئے سر بزم ہی ہمیں اب تو مولا بچا بھی لے
ہمیں ایسی خلوت نصیب کر جو سارے عیب مٹا بھی دے
رہ وفا میں قدم قدم ہمیں وسوسوں نے ڈرا دیا
ہم کج ادا ہم کج فہم ہمیں بندگی سکھا بھی دے
نظیر تیرے رحم کی ہے نہ مثال تیرے کرم کی
میری لاج رکھ میرا بھرم رکھ میری لغزشیں مٹا بھی دے
تیرا اختیار بے کراں میری بے کسی ہے بے اماں
گرا پڑا ہوں کٹا پھٹا ہوں عفو کی مولا قبا بھی دے
نشان منزل مٹا دیا میں نے راستہ بھی گنوا دیا
سر راہ کر میری راہبری ظلمتوں میں دیا بھی دے
میری زندگی جو سزا بنی بے راہ روی وجہ بنی
میرا ننگ و ناموس ڈھانپ لے رحمتوں میں چھپا بھی دے

(اخت عبداللہ)

☆......☆......☆

گلشن اختر

تم نے دیا ہمیں علم نبوت تیرا احسان
تیری بنیادوں میں ہیں حضرت والا کے اشک
تیرے منبر سے گونجتی ہے سدا سنت و اصلاح کی آواز
ادب و عمل کی دولت سے نوازہ تو نے
اخلاق و کردار سنوارا تو نے ہمارا
تو نے سکھائی حق گوئی حق پہ جاں لوٹانا
آسماں رہے ہمیشہ تجھ پہ سایہ فگن

اے میرے گلشن اختر تجھے تحسین کہتے ہیں
اسی بنیادوں پہ قائم شاہکار تجھے تحسین کہتے ہیں
اے اہل حق کے دلوں کی تسکین تجھے تحسین کہتے ہیں
سنت و شریعت کے امین تجھے تحسین کہتے ہیں
تیرے آنگن میں گزارے کئی سال تجھے تحسین کہتے ہیں
امن و سلامتی کے گلستاں تجھے تحسین کہتے ہیں
تو رہے تا قیامت یونہی آباد تجھے تحسین کہتے ہیں

(سمیرا مسکین، بھٹائی آباد کراچی)

☆......☆......☆

میرے وردِ لب ہے نبی نبی — میرا دل مقام حبیب ہے
میں مریض عشقِ رسول ہوں — وہ حبیب میرا طبیب ہے

کعبے، روضے پہ جاؤں — اپنا میں حال سناؤں
اپنا بنالے مجھ کو — ''کنول'' یہ نغمہ گاؤں
(کنول عطا محمد، شاہ پور رضوی، ٹنڈو الہ یار)

☆......☆......☆

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نبیؐ کی غلامی میں آ کر تو دیکھو — ملے گا سکوں آزما کر تو دیکھو
ملیں گی تمہیں دو جہانوں میں عزت — چہرے پہ سنت سجا کر تو دیکھو
زیارت بھی ہوگی شفاعت بھی ہوگی — درودوں کے نغمے سنا کر تو دیکھو
روضہ اقدس میں ہیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم زندہ — ذرا دل کے پردے ہٹا کر تو دیکھو
ملے گا سکوں قلب و جاں کو تمہارے — ذرا ان کی محفل سجا کر تو دیکھو
صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے ہمیں جاں سے پیارے — صحابہ رضی اللہ عنہم کا نعرہ لگا کر تو دیکھو
صحابہ رضی اللہ عنہم کا دشمن نبی کا ہے دشمن — اسے پاس سے تم بھگا کر تو دیکھو
عثمان ڈریں گے یہ کفار سارے — ذرا اپنا جذبہ دکھا کر تو دیکھو
(کلثوم اختر)

☆......☆......☆

اے حاکم وقت نہ ظلم تو ڈھالا! — ہم لوگ بڑے دیوانے ہیں
ہے ریت پرانی کہ ہم نے — زنداں میں ترانے گائے ہیں
تب موت و حیات ہے یکساں یہاں — سب فاصلے ہم نے مٹائے ہیں
بہادر، سپہ سالار کو — تم راہ سے ہٹا کر دیکھ چکے
گر ایک سپہ سالار پس خاک گیا — تو لاکھوں سپہ سالار آئیں گے
(ثوبیہ، ایمن بنات محمد یوسف شاہ، نہر کالونی، میانوالی)

☆......☆......☆

جو طوفانوں کے خوف سے گر پڑیں وہ پتے نہیں ہیں ہم — جاؤ آندھیوں سے کہہ دو اوقات میں رہیں

☆......☆......☆

ان کی ذات اقدس ہی، رحمت مجسم ہے — عرش پہ معظم ہے اور فخر عالم ہے
یہ شرف ملا کس کو، فرش کے مکینوں میں — قدسیوں کی محفل میں، ذکر ان کا پیہم ہے
مخزنِ تقدس ہے، چشم پرحیا ان کی — گیسوئے حسیں ان کا، نرم مثل ریشم ہے
قطرۂ عرق روشن، یوں ہے ان کے چہرے پر — پھول کی ہتھیلی پر، جیسے ذر شبنم ہے
بے مثال سیرت ہے، ان کو ڈھونڈتے کیا ہو — انبیاء میں افضل ہے اکرم و مکرم ہے
ان کے جہد پیہم سے، انقلاب نو آیا — شرک کو ندامت ہے اور کفر برہم ہے
ان کی مدح میں آگے اور کیا لکھے ساحل؟ — اس کی عقل ناقص ہے، اس کا علم
(شرف الدین ساحل)



قارئین کے قلم سے

''ماہنامہ حیا'' کی قاریات کے لئے ایک رنگارنگ انتخاب جو آپ کے بھیجے ہوئے شہ پاروں، ادبی نگارشات اور آپ کی اپنی تخلیقات سے آراستہ کیا جارہا ہے۔ ''گلدستہ حیا'' آپ کی منتخب کی ہوئی خوشبو سے معطر ہے۔ تاہم تحریر کے انتخاب کے وقت اس کے معیار کا ضرور خیال رکھئے۔ تحریر صاف اور ایک لائن چھوڑ کر لکھئے۔ جس کتاب یا مصنف یا شاعر کے کلام سے تحریر اخذ کی گئی ہے اس کا حوالہ بھی ضرور دیجئے۔

مزے دار خبریں

یہ ہے ریڈیو پاکستان! بلکہ قبرستان ہے، سامنے میدان ہے، نیچے زمین اور اوپر آسمان ہے، کچھ عقل مند لوگ پریشان ہیں، نہ جانے کس کے منہ میں پان ہے، اس وقت دن کے بندر اور رات کے الو بول رہے ہیں، یہ خبریں آپ کے کانوں میں زبردستی ٹھوسی جارہی ہیں، خبریں سننے والوں کو چاہئے کہ سننے سے پہلے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیں، اب آپ تفصیل سے سنیں! ابھی ابھی ہمارے نمائندے کالو ولد جھالو نے اطلاع دی ہے کہ شہر چپل میدان دارالخلافہ حیران گلی پریشان چوک پر مچھروں نے مٹھائی کی دکان پر حملہ کردیا ہے، مچھروں کے اس اچانک حملے سے بارہ لڈو، دو برفیاں اور سولہ دودھ پیڑے ہلاک اور چھ گلاب جامنوں کی حالت بہت نازک ہے، ان کے علاج کے لئے موم بتی کے تمام ماہر ڈاکٹروں کو بلایا گیا ہے جبکہ اگربتی کے سب ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے، اگر آپ کا کوئی رشتہ دار ہے تو براہ کرام اس نمبر پر رابطہ کریں۔ 0900-786001......420......420......420ہاہاہاہا......

انتخاب:......الماس غلام سرور

☆......☆......☆

حضرت حسنؓ اور حسینؓ

ایک مرتبہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما میں کچھ رنجش اور تلخی ہوگئی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا: ''آپ اپنے بھائی کے پاس جاکر معافی مانگ لیں، وہ آپ سے بڑے بھی ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جب دو آدمیوں کے درمیان تلخ کلامی ہوجائے اور ان میں سے ایک دوسرے کی رضا کا طلب گار ہو تو وہ جنت میں پہلے جائے گا اور میں اپنے لئے یہ پسند نہیں کرتا کہ میں اپنے بڑے بھائی سے پہلے جنت میں جاؤں۔''

(انتخاب:......رومان جمیل، شادن لنڈ)

☆......☆......☆

میرا اللہ

اس کائنات کا ایک رب ہے:

لیس معه ان یخشیٰ......کوئی نہیں جس سے ڈرا جائے۔

ولارب یرجیٰ......کوئی رب نہیں جس پر امید لگائی جائے۔

ولاحجب یرشی......اس کے درمیان کوئی واسطہ نہیں جس سے سفارش دے کر کام نکالا جائے۔

ولاوزیر یولیٰ......اس کا کوئی وزیر نہیں جسے رشوت دے کر مراد پوری کی جائے۔

قادر بلامعین......وہ ساری کائنات پر قادر کوئی اس کا مددگار نہیں۔

مدبر بلا مشیر......وہ اس کائنات کا نظام چلاتا ہے اس کا کوئی مشیر نہیں۔

ولایوده حفظهما......وہ اس نظام کو چلاتے ہوئے تھکتا نہیں۔

لاتاخذه سنة......اونگھتا نہیں۔

ولانوم......سوتا نہیں۔

وما مسنا من لغوب......وہ تھکتا نہیں۔

لاتراه العیون......جو آنکھ کی رسائی سے آگے۔

ولاتخالطه الظنون......تخیل کی بڑی سے بڑی پرواز سے آگے۔

کل شئی هالک الاوجهه......ہر چیز کو فنا ہے صرف اسی کو بقا ہے۔

کتنی تسکین وابستہ ہے تیرے نام کے ساتھ
نیند کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے آرام کے ساتھ

(انتخاب:......ام فاطمۃ الزہراء، راولپنڈی)

☆......☆......☆

برداشت کرنا نیکی اور ذہنی آسودگی

درگزر سے کام لینا نیکی اور ذہنی آسودگی ہے، یہ حقیقت ہے کہ جو شخص اپنی خطاؤں کو معاف کرانے کی خواہش کرتا ہے، اس کے اندر دوسروں کے لئے بھی درگزر کا جذبہ موجود ہوتا ہے، معافی کے لحاظ سے وہ عادات بد جو ایک مرض کی شکل میں انسان کی زندگی کا حصہ بن جاتی ہیں، ان سے بتدریج نجات حاصل کی جاسکتی ہے، درگزر کے اجزائے ترکیبی دو قواعد پر مشتمل ہیں، اپنے عیوب کا اعتراف اور کردار کی خامیوں کا اقرار انسان کو اس طرز علاج سے شفایاب ہونے کے قابل بناتا ہے، اس کے لئے کسی بھی شخص سے مختلف نشستوں میں اس کے کردار اور اس کی ذات کے متعلق کئے گئے

سوالات رفتہ رفتہ اس کو باور کرانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں کہ اس کو اپنی غلطیوں سے تائب ہوجانا اپنی کوتاہیوں کو ترک کردینا چاہئے، دیکھا گیا ہے کہ بچہ یا بڑا، جب اس کی خطا اور کوتاہی پر اس کی تذلیل کی جائے تو وہ اس روش کو ترک کرنے کی بجائے دانستہ یا نادانستہ اس پر پختہ ہوجاتا ہے، درگزر کو نہ اختیار کرنے کا ہی نتیجہ ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ معمولی بات پر سیخ پا ہوکر دوسرے انسان کا خون کر بیٹھتے ہیں اور جب انہیں تعزیر وسزا کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے تو پھر تاسف اور پچھتاوا انہیں جینے نہیں دیتا، حالانکہ معاملہ فہمی اور ذرا سی عقلمندی سے نہ صرف معاملات سلجھائے جاسکتے ہیں بلکہ مجرم کو محرم بنایا جاسکتا ہے، درگزر کے سلسلے میں محسن انسانیت جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہمارے لئے دین ودنیا میں کامیابی کا عظیم راز ہے۔

(انتخاب:......سارہ بنت عبدالرؤف)

☆......☆......☆

دردبھرے دل کا عطا ہونا

جو سالک اپنی آنکھوں کی حفاظت میں اپنے دل کی خواہشات کا خون کرتا ہے تو اس مجاہدہ کی برکت سے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے سینے میں اپنی محبت کا درد بھرا دل عطا فرمادیتے ہیں اور اس کے کلام اور وعظ میں اثر عطا فرمادیتے ہیں، جس سے دوسروں کے قلوب بھی حق تعالیٰ کی محبت کے لئے تڑپ جاتے ہیں، بالخصوص جو سالک جوانی ہی سے حق تعالیٰ کا فرمانبردار ہوجائے اور اس ذات پاک پر اپنی جوانی فدا کردے۔

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو   جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو

☆......☆......☆

محبّ اور محبوب

ایک محب کو دیکھا وہ زمین پر نحیف وناتواں پڑا ہے اور ایک بھیڑیا اس کے جسم سے گوشت نوچ رہا ہے، بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ قریب گئے، بھیڑیئے کو مار بھگایا اور اس محب کا سر اٹھا کر گود میں رکھ لیا اور پوچھا، کتنی مدت سے تو اس ملال میں ہے؟ بزرگ نے اپنی آنکھ کھولی اور غصے سے کہا تو کون ہے؟ جس نے میرے اور محبوب کے درمیان جدائی ڈال دی۔

(انتخاب:......رخسانہ صابر، کرن صابر، سونیا سلیم، کمالیہ)

☆......☆......☆

اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا طریقہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا: ”اے اللہ! تیری رضا کس میں ہے؟“ فرمایا: ”میری رضا میری قضا میں ہے، جو میری قضا پر راضی ہوگا، میں اپنے اس بندے سے راضی ہوجاؤں گا اور جو میری قضا پر ناراض ہوگا، میں بھی اس بندے سے ناراض ہوجاؤں گا۔“ دیکھیں کہ ہم اپنے رب کی تقسیم راضی ہیں یا شکوہ کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہی پوچھا کہ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہیں؟ فرمایا: میں کوہ طور پر جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ سے پوچھوں گا، چنانچہ جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو عرض کیا: اے پروردگار! آپ کے بندے

یہ بات پوچھ رہے ہیں، رب کریم نے فرمایا: ”میرے بندوں سے جا کر کہہ دو کہ وہ اپنے دل میں جھانک کر دیکھیں، اگر میرے بندے اپنے دلوں میں مجھ سے خوش ہیں تو میں اپنے بندوں سے خوش ہوں اور اگر وہ مجھ سے ناراض ہیں تو میں بھی اپنے بندوں سے ناراض ہوں۔“ تو دل میں دیکھیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے شکوے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے دل میں اللہ رب العزت سے راضی رہیں، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے کہ ”رضیت باللہ ربا وبالاسلام دیناً وبمحمد نبیا“ یہ صبح وشام پڑھنا چاہئے۔

(انتخاب:......اقراء یونس، کمالیہ)

☆......☆......☆

اک عجیب حیران کن سوال

سوال:......ایک ہوٹل میں تین شخص تھے، ہر شخص نے دس روپے کا کھانا کھایا، جب رقم لینے کے لئے ہوٹل کا نوکر آیا تو ان سب نے دس، دس روپے دے دیئے، اس نوکر نے اپنے مالک کو یہ تیس روپے پہنچادیئے، اس مالک نے واپس پانچ روپے اس نوکر کو دے دیئے اور اس سے کہا کہ یہ لے جاؤ اور ان تین شخصوں میں تقسیم کرو، نوکر نے ہر شخص کو ایک ایک روپیہ دیا اور دو روپے ان سے چھپالئے، تو اب ہر شخص سے نو، نو روپے وصول ہوئے، کیونکہ نوکر نے ہر شخص کو واپس ایک، ایک روپیہ دیا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ ان تین شخصوں کے یہ نو، نو روپے جمع کئے جائیں تو یہ سب ستائیس روپے بنتے ہیں اور دو روپے نوکر نے چھپالئے تو یہ سب انتیس روپے ہوگئے تو وہ آخری روپیہ کہاں گیا، کیونکہ یہ تو پورے تیس روپے تھے۔

جواب:......قارئین کے ذہن کو استعمال کرنے کے لئے اس سوال کا جواب نہیں لکھا جارہا، ذہن کو استعمال کرکے جواب بتائیے۔ ہمیں انتظار رہے گا۔

(انتخاب:......ماہین بنت عمر خان گنڈہ پور، تحصیل کلاچی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان)

☆......☆......☆

شربت دیدار سے افطار

عبداللہ مخذومی رحمۃ اللہ جنگ یمامہ میں شریک تھے، اتنے زخمی ہوئے کہ جسم کے ہر ہر عضو پر زخم آیا، خون نکل رہا ہے اور عصر کے قریب کا وقت ہے، سارے دن کی گرمی میں وہ جہاد کرتے ہیں، کسی نے دیکھا تو پانی لایا، عبداللہ پانی پی لو، عبداللہ نے اپنے ہونٹ بند کرلئے، منہ بند کرلیا، اس نے پوچھا، عبداللہ شدت کی پیاس، گرمی ہے، پانی کیوں نہیں پیتے؟ عبداللہ نے جواب دیا، میں روزے کی حالت میں ہوں اور اب شربت دیدار سے روزہ کرنا چاہتا ہوں، اللہ کے بندوں کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

(انتخاب:......میمونہ فاروقی ولد قاری عزیز الرحمٰن، جمیل ٹاؤن لاہور)

☆......☆......☆

سکون اور عافیت سب سے بڑی دولت

دنیا میں رہ کر دنیا میں مدہوش نہ رہنا انسان کے لئے سب سے بڑا سکون کا ذریعہ ہے، ایسا شخص ظاہری طور پر کتنا ہی

خستہ حال کیوں نہ ہو، مگر اسے اندرونی طور پر وہ قلبی اطمینان نصیب ہوتا ہے، جو بڑے بڑے سرمایہ داروں کو بھی میسر نہیں آتا، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دنیا سے بے رغبتی دل اور بدن دونوں کے لئے راحت بخش ہے۔"

دنیا میں سب سے بڑی دولت سکون اور عافیت ہے، اگر سکون نہ ہو تو سب دولتیں بے کار ہیں اور یہ سکون جبھی مل سکتا ہے، جب ہم دنیا سے صرف بقدر ضرورت اور برائے ضرورت تعلق رکھیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر گزار رہ کر اس کی رضا پر راضی رہیں، حضرت لقمان حکیم نے ارشاد فرمایا، دین پر سب سے زیادہ مددگار صفت دنیا سے بے رغبتی ہے، کیونکہ جو شخص دنیا سے رغبت ہوتا ہے، وہ خالص رضائے خداوندی کے لئے عمل کرتا ہے اور جو شخص اخلاص سے عمل کرے، اس کو اللہ تعالیٰ اجر و ثواب سے سرفراز فرماتے ہیں۔

(انتخاب:.....یاسر بن نوید، کلفٹن کراچی)

☆.....☆.....☆

بدنظری

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری فرماتے ہیں کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ مہینوں مدرسہ امینیہ سنہری مسجد سے باہر نہ نکلتے تھے، اگر کبھی ضرورت کے باعث باہر نکلنا پڑ جاتا تو چہرے پر رومال اس طرح ڈال دیتے ہیں کہ سوائے راستہ کے گرد و پیش کی کوئی چیز نظر نہ آئے، یہ اہتمام اس لئے تھا کہ کہیں کسی غیر محرم پر نظر نہ پڑے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا انظر شاہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکان پر تشریف لائے تو حسب معمول اجازت طلب کی۔ (اس دن مولانا طیب رحمۃ اللہ کی والدہ اندر تشریف رکھتی تھیں) والدہ نے اندر آنے کی اجازت دے دی، آپ نے اندر قدم رکھا تو اجنبی عورت پر نظر پڑنے پر استغفر اللہ پڑھتے ہوئے الٹے پاؤں باہر لوٹ گئے۔ اس سے والد صاحب کو ایسی تکلیف ہوئی کہ ایک مدت تک والدہ سے ناراض ہوتے رہے، بلکہ طلبہ سے بڑے غمگین لہجے میں فرمایا کہ بھئی بالغ ہونے کے بعد کل بلا ارادہ مولانا طیب کی والدہ پر نظر پڑ گئی، جس کی تکلیف سوہان روح کی طرح محسوس کر رہا ہوں۔ (حالانکہ نظر بلا ارادہ پڑی تھی جو کہ معاف تھی)

(انتخاب:.....سمیرا مسکین، بھٹائی آباد کراچی)

☆.....☆.....☆

پاؤں دھونے کا سنت طریقہ

جب پاؤں دھونے کا ارادہ کریں تو پہلے بائیں پاؤں کا جوتا اتار کر بایاں پاؤں جوتے کے اوپر رکھ دیں اور پھر دائیں پاؤں کا جوتا اتار کر دایاں پاؤں جوتے کے اوپر رکھ دیں، پھر دایاں پاؤں دھوئیں اور دایاں جوتا پہن لیں اور پھر بایاں پاؤں دھوئیں اور بایاں جوتا پہن لیں، یہ پاؤں دھونے کا سنت طریقہ ہے۔

(انتخاب:.....بنت حافظ محمد اسلم، پنجوڑیاں کھاریاں)

☆.....☆.....☆

مجاہد کا مقام

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جب لوگوں کی روح قبض کرنے کا وقت آتا ہے تو ان کی روح کو ملک

الموت قبض کرتے ہیں، لیکن جب مجاہد کے شہید ہونے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا ضابطہ بدل لیتے ہیں اور ملک الموت سے ارشاد فرماتے ہیں، اے ملک الموت! میرا یہ بندہ میرے نام پر اپنی جان قربان کر رہا ہے، اب اس کی روح لینے کا وقت ہے، اب تو پیچھے ہٹ جا، اس کی روح میں خود لوں گا، چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجاہد کی روح کو خود جسم سے جدا کرتے ہیں، اصول تو یہ تھا کہ ولی ہو، ابدال ہو، قطب ہو یا کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اگر فوت ہو جائے تو چونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے، اس لئے اس کو نہلا دیا جائے، اس کے کپڑے اتار دیئے جائیں اور کفن پہنا دیئے جائیں، تاکہ یہ ایک یونیفارم میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو، لیکن جب مجاہد کا معاملہ آیا تو پروردگار عالم نے اس کی محبت کے صدقے اپنے ضابطے بدل دیئے اور فرمایا کہ اس کو نہلانا بھی نہیں، کیونکہ یہ تو اب خون میں نہا چکا ہے، اب اسے پانی سے نہلانے کی کیا ضرورت ہے؟ اسے کفن پہنانے کی بھی ضرورت نہیں، اس کے کپڑوں پر جو خون کے داغ لگے ہیں یہ تو مجھے پھولوں کی طرح محبوب ہیں، میں چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ انہی خون آلود کپڑوں میں میرے سامنے کھڑا کر دیا جائے۔

(انتخاب:.....آمنہ لیاقت علی، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

اچھی باتیں

کسی کی مدد کرتے وقت اس کے چہرے کی طرف نہ دیکھو کہ اس کے چہرے کی ندامت تمہارے دل میں نفرت کا بیج بو دیں، اپنے دل کو شیشے کی طرح صاف رکھو، کیونکہ ایک پھوار بھی پڑ جائے تو وہ اس کو عیب دار کر دیتا ہے، ہر وقت وہ کام کرو، جس سے فائدہ ہو اور اپنے مسئلے حل کرتے وقت دوسروں سے مشورہ کرلو، مگر عمل نہیں بلکہ حتمی فیصلہ جو تمہارے دل کرے، وہ کرنا، خاموش رہنا چاہئے، کیونکہ خاموشی میں امن ہے اور خاموشی سمجھنے والوں کے لئے ہزاروں سوالوں کا جواب ہوتی ہے۔

☆.....☆.....☆

☆.....باہر سے مسکرانے والے اندر سے غمگین ہوتے ہیں۔

☆.....خوبصورت موتی جیسے الفاظ پتھروں کو بھی موم کر دیتے ہیں۔

☆.....آپس میں تحفہ دینا محبت کو بڑھا دیتا ہے۔

☆.....نیک اور باعمل عورت کل گھر کا سرمایہ ہے۔

☆.....اچھے دوست کو مت آزماؤ، ہو سکتا ہے، وہ کسی وجہ سے تمہاری آزمائش پر پورا نہ اتر سکے اور تم اچھے دوست کو کھو دو۔

☆.....سخت کلامی انسان کے دلوں میں نفرت پیدا کرتی ہے۔

☆.....جب دوست بناؤ تو دل کے اندر تین خانے بناؤ، ایک میں اس کی خامیوں کو اور ایک میں اس کی خوبیوں کو رکھو اور گزشتہ باتوں کو تیسرے خانے میں دفن کر دو۔

☆.....☆.....☆

اچھا طالب علم

☆.....اچھا طالب علم اساتذہ کرام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے۔

☆......اچھا طالب علم ہمیشہ وقت کی پابندی کرتا ہے۔
☆......اچھا طالب علم اپنی ذمہ داری اور کام کو باقاعدگی سے کرتا ہے۔
☆......اچھا طالب علم بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت کرتا ہے۔
☆......اچھا طالب علم اپنے مذہب اسلام پر پختہ ایمان رکھتا ہے۔
☆......اچھا طالب علم کتاب کو بہترین دوست سمجھ کر اسے حفاظت سے رکھتا ہے۔
☆......اچھا طالب علم اپنے وقار کا امین ہوتا ہے۔
☆......اچھا طالب علم پڑھائی کے ساتھ ہم نصابی سرگرمیوں میں خوب دلچسپی رکھتا ہے۔
☆......اچھا طالب علم نیک لوگوں کے نقش قدم پر چلتا ہے۔
☆......اچھا طالب علم اخوت اور بھائی چارے کو فروغ دیتا ہے۔

☆......☆......☆

مسکراہٹ کیا ہے؟

☆......مسکراہٹ محبت کی زبان ہے۔
☆......مسکراہٹ خوبصورت کا زیور ہے۔
☆......مسکراہٹ پتھر دل کو موم کر دیتی ہے۔
☆......مسکراہٹ حسین تحفہ ہے۔
☆......مسکراہٹ خوشی کا پیغام ہے۔
☆......مسکراہٹ زندگی ہے۔
☆......مسکراہٹ زندہ دلی ہے۔
☆......مسکراہٹ پھول ہے۔
☆......سدا مسکراہٹیں بکھیرو اس پر کچھ خرچ نہیں ہوتا۔

(انتخاب:......ہادیہ حبیب الرحمٰن، باغ آزاد کشمیر)

☆......☆......☆

انمول موتی

☆......کسی کا دل مت توڑو، کیونکہ دل میں رب کی ذات ہے۔
☆......غصے کو قابو میں رکھو، کیونکہ اس سے خوشی کی زندگی عطا ہوتی ہے۔
☆......تمہارے ساتھ کوئی بدی کرے تو تم نیکی کرو۔
☆......سب سے بڑی خیانت قوم سے غداری ہے۔
☆......کردار ایک ایسا ہیرا ہے جو پتھر کو کاٹ سکتا ہے۔
☆......جو اپنی حالت نہیں بدل سکتا وہ دوسروں کی مدد کیا کرے گا۔

☆......دوستی کا کوئی مطلب نہیں ہونا چاہئے، سوائے اس کے کہ تم دوست کے ساتھ ایک مشترک روحانی گہرائی میں شریک ہو جاؤ۔
☆......اچھے حالات آدمی کو اتنا اچھا نہیں بناتے، جتنے برے حالات۔
☆......اپنے منہ سے اپنی تعریف دوسروں سے بھیک مانگنے کے مترادف ہے۔
☆......آنسو روکنا، آنسو بہانے سے زیادہ مشکل ہے۔
☆......اللہ والوں کی مجلس میں آنکھیں بند رکھو، دل کھلا اور غیر اللہ کی مجلس میں دل بند اور آنکھیں کھلی رکھو۔
☆......ایک خوش مزاج انسان سینکڑوں مردہ دل انسانوں سے ہزار درجہ بہتر ہے۔
☆......آدمی کو خود اس کی ذات کے سوا کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔
☆......آزادی اس کا نام ہے نہیں کہ اخلاق یا مذہب کی پابندی نہ کی جائے۔
☆......عورت سے وفاداری کی توقع یا امید رکھنا حماقت ہے، تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو ذرا اپنی بیوی کو اس کے رشتے داروں کے سامنے ایک تھپڑ رسید کر کے دیکھ لیں۔
☆......خوبصورتی چند روزہ حکومت ہے۔
☆......غیبت بدترین گناہ ہے۔
☆......بادشاہ کا پہلا قانون اپنی حفاظت ہوتا ہے۔
☆......نصیحتوں کو قبول کرو، وہی دل کی حیات ہے۔
☆......صحبت، بہت جلد اثر کرتی ہے۔
☆......دل مل جاتے ہیں پر خیالات مل جانے پر کامیابی ہے۔
☆......بن بھید بیوپار پرایا ہوتا ہے یعنی بغیر تجربہ کے کاروبار کرنا بیکار ہے۔
☆......علم کے ساتھ عمل ضروری ہے۔

(انتخاب:......محمد سعید علوی، چکوال شہر)

☆......☆......☆

اسم ''اللہ'' کے خواص

(۱)......روزانہ ایک ہزار بار پڑھنے سے کمال یقین نصیب ہوتا ہے۔
(۲)......جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے پاک وصاف ہو کر خلوت میں پڑھنے سے مقصود آسان ہو جاتا ہے، خواہ کیسا ہی مشکل ہو۔
(۳)......جس مریض کے علاج سے اطبا عاجز آ گئے ہوں، اس پر پڑھا جائے تو اچھا ہو جاتا ہے، بشرطیکہ موت کا وقت نہ آ گیا ہو۔
(۴)......ہر نماز کے بعد سو بار وظیفہ کرنے والا صاحب باطن وصاحب کشف ہو جاتا ہے۔
(۵)......۶۶ بار لکھ کر دھو کر مریض کو پلائیں، اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماتا ہے۔ خواہ مرض آسیب کیوں نہ ہو۔
(۶)......آسیب زدہ کے لئے کسی برتن میں اسم ''اللہ'' اس برتن کی گنجائش کی تعداد لکھ کر آسیب زدہ پر چھڑکیں تو اس

پر مسلط شیطان جل جاتا ہے۔

(۷)......جو شخص اسم "اللہ" کو محبت الٰہی کی وجہ سے پڑھے گا اور شک نہیں کرے گا، تو وہ صدیقین میں سے ہوگا۔

(۸)......جو ہر نماز کے بعد سات بار "ھو اللہ الرحیم" پڑھتا رہے گا، اس کا ایمان سلب نہیں ہوگا اور وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔

(۹)......جو شخص ایک ہزار بار "یا اللہ یا ھو" پڑھے گا، اس کے دل میں ایمان اور معرفت کو مضبوط کر دیا جائے گا۔

(۱۰)......جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز پڑھ کر قبلہ رخ بیٹھ کر مغرب تک "یا اللہ یا رحمٰن" پڑھتا رہے، پھر وہ جس چیز کی دعا کرے، اللہ تعالیٰ اسے وہ عطا فرمائے گا۔

(انتخاب:......شارفہ طاہر، کراچی)

☆......☆......☆

طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہے: وما ینطق عن الھویٰ O ان ھو الا وحی یوحیٰ ...... کہ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، جو ارشاد ہوتا ہے وہ دراصل ارشاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ وہ ارشاد الٰہی ہے، اس لئے انسان کی صحت کی فلاح کے لئے ارشادات مصطفوی بھی ارشادات خداوندی ہی ہیں۔

(۱)......نظام ہضم کی بہتری کے لئے ہفتہ میں دو روزے رکھیں۔

(۲)......کھانا داہنے ہاتھ سے کھائیں۔

(۳)......مریض کے پاس بیٹھ کر کھانا نہ کھائیں۔

(۴)......تکیہ لگا کر اور کھڑا ہو کر کھانے سے بدہضمی ہوتی ہے۔

(۵)......کھانا ٹھنڈا کر کے کھائیں، گرم کھانے سے معدہ ضعیف و کمزور ہو جاتا ہے۔

(۶)......لیموں شہد کے ساتھ نہار منہ کھانا دل و دماغ کو قوت بخشتا ہے۔

(۷)......گوشت کو چاقو اور چھری کی بجائے دانتوں سے کاٹ کر کھائیں۔

(۸)......کھانے کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اس میں پھونک نہ ماریں۔

(۹)......اکیلے کھانا نہ کھائیں۔

(۱۰)......کھانے کے بعد خلال کیا کرو، ورنہ دانت کمزور ہو جاتے ہیں۔

(۱۱)......مسواک باقاعدگی سے استعمال کیا کرو۔

(۱۲)......پیٹ سے بڑا برتن اللہ تعالیٰ نے کوئی پیدا نہیں کیا، اسے مکمل طور پر نہ بھرا کرو۔

(۱۳)......دستر خوان پر گری ہوئی چیز اٹھا کر کھانے سے رزق میں فراخی ہوتی ہے، اس سے انسان کی اور اس کی اولاد کو جذام، برص اور جنون سے حفاظت ہوتی ہے۔

(۱۴)......انجیر کھانے سے انسان مرض قولنج سے محفوظ رہتا ہے۔

(۱۵)......زیتون کھایا کرو اور تیل زیتون کی مالش کیا کرو۔

(۱۶)......رات کو کھانا نہ کھانے سے بڑھاپا جلد آ جاتا ہے۔

(۱۷)......لوکی یعنی کدو کھایا کرو، یہ دل و دماغ کو قوت بخشتا ہے۔

(۱۸)......تبخیر معدہ کے لئے کھیرا کھایا کرو۔

(۱۹)......کھجور اور خربوزہ ملا کر کھانے سے صفراوی اور سوداوی مزاج والوں کو صحت ہوتی ہے۔

(۲۰)......دستر خوان کو سبزیوں سے زینت دیا کرو۔

(۲۱)......رات کا کھانا کھاتے ہی مت سو جایا کرو، دوپہر کو قیلولہ از حد مفید ہے۔

(۲۲)......دودھ بہترین غذا ہے۔

(۲۳)......زیادہ عرصہ صحت مند رہنے کے لئے کھانا باقاعدگی سے کھایا کرو۔

(۲۴)......لہسن کا استعمال بیماریوں سے نجات دیتا ہے، لیکن اسے کچا کھا کر مسجد میں نہ آیا کرو۔

(۲۵)......کبھی کبھی قے کرنی چاہئے، بعد ازاں وضو کر لیں، اس سے معدہ کی رطوبتیں جو گندی ہوں، خارج ہو جاتی ہیں۔

(۲۶)......دو مختلف کھانوں کو جمع نہ کریں، مچھلی اور دودھ، ترشی اور دودھ، انڈا اور دودھ، دودھ اور گوشت، گرم اور سرد چیزیں۔

(۲۷)......چار چیزوں کو برا نہیں سمجھنا چاہئے۔ آنکھ دکھنا، اندھا ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔ زکام کا ہونا، برص کے روگ سے نجات دیتا ہے۔ کھانسی کا ہونا، فالج سے بچت ہوتی ہے۔ پھوڑے پھنسی کا نکلنا، برص سے نجات ملتی ہے۔

(۲۸)......کھانے کو ذکر اور نماز سے ہضم کیا کرو۔

(۲۹)......کھانے کے فوراً بعد سونے سے دل میں سختی آ جاتی ہے۔

(۳۰)......پانی ایک سانس میں مت پیا کرو، اس سے سینہ میں درد ہوگا، پانی کھڑے ہو کر نہ پیا کرو، پیٹ میں درد ہوگا۔

(۳۱)......سفر کیا کرو، اس کے ذریعے صحت و روزی حاصل ہوگی۔

(۳۲)......مسواک کیا کرو، معدہ کی بیماریاں نہ ہوں گی اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے مرتے وقت کلمہ نصیب ہوگا۔

(۳۳)......روٹی شوربہ میں بھگو کر کھانے سے دل و دماغ کو تقویت ملتی ہے۔

(۳۴)......کھجور کھایا کرو، یہ پیٹ سے بیماری کو نکالتی ہے، گردوں کا فعل مضبوط کرتی ہے، مدینہ شریف کی سات کھجوریں گٹھلیوں سمیت کوٹ کر کھانے سے دل کا مرض جاتا رہے گا۔

(انتخاب:......عائشہ فیاض، عمر احمد خان، اورنگی ٹاؤن کراچی)

☆......☆......☆

امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ

میاں عبدالصمد لاہور، چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں: "ان آنکھوں نے پو پھٹتے سورج کی چمک بھی دیکھی، چڑھتے ماہتاب کو بھی دیکھا، مگر جو لطف بخاری (سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ) کے چہرے میں تھا، کہیں بھی نہیں دیکھا، چہرہ کیا تھا، بقعہ نور تھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے لئے سب سے مشکل تقریر رسالت پر ہے، ایک دن جوش میں کہا، عربی مجھ سے ہے اور میں عربی سے ہوں، گھر کا ہر فرد قرآن مجید کا حافظ ہے۔ 1946ء میں جب الیکشن کا زمانہ تھا، مجلس احرار کے جنرل سیکریٹری مولوی مظہر علی اظہر تھے، شاہ صاحب کشمیر میں تھے، شاہ صاحب الیکشن کے سخت مخالف تھے، وہ الیکشن کو فرنگ کی دی ہوئی لعنت سمجھتے تھے، ہم لوگ شاہ صاحب کو لینے کشمیر گئے، رات کو ملاقات ہوئی، بات

کوئی نہ ہوئی، صبح ہم نے تلاش کیا، پتہ چلا، فلاں جھیل کی پہاڑی کے اوپر صبح کی نماز پڑھ کر چلے اور کافی دیر بعد واپس آتے ہیں، جب ہم وہاں پہنچے، ہم نے کیا نقشہ دیکھا، پہاڑی کی چوٹی پر تشریف فرما ہیں، ابھی پو اچھی طرح پھٹی نہ تھی، چھ بجے کا وقت تھا، پہاڑ کے درمیان جھیل کے دوسری طرف ایک اور پہاڑی ہے، جہاں سے پانی بہتا ہے، مگر خاموشی کے ساتھ، زمین، آسمان، فضا سب خاموش ہیں، شاہ صاحب باآواز بلند محو تلاوت ہیں، کوئی انسان نہیں، ہم نے ان آنکھوں سے نظارہ کیا، سامنے کی پہاڑی پر جم غفیر سانپ ہی سانپ تھے، چھوٹے بڑے درمیانے، ایک بہت بڑا سانپ بھی پھن پھیلائے جھوم رہا تھا، ہم وہیں رک گئے، سانسیں بھی روک لی اور بیٹھ گئے، شاہ صاحب قرآن پڑھتے رہے، سانپ جھومتے رہے، ہم نے درختوں پر نگاہ ڈالی، جانور بھی خاموش ہیں، ادھر شاہ صاحب نے پون گھنٹہ بعد تلاوت ختم کی اور سانپوں نے پہلے سر کو پہاڑی پر رکھا، جیسے سجدہ ریز ہوں، پھر آہستہ آہستہ چلے گئے، پرندے بھی خدا کی حمد وثناء کے گیت گاتے اڑ گئے، اب جب بھی میں کبھی مری اور آزاد کشمیر کی پہاڑیوں پر نظر ڈالتا ہوں، سیاہ پہاڑوں پر شام سرمئی آنچل پھیلاتی ہے، سورج اپنا تمام در و بام پر لٹا دیتا ہے تو وہ نورانی چہرہ بھی میری آنکھوں کی پتلیوں میں اور دماغ و دل کے گوشوں میں چمکتا نظر آتا ہے، شاہ صاحب نے ہماری طرف دیکھا اور کہا، کا مرید دیکھا تم نے؟ میں اگر پہاڑوں کو قرآن سناؤں تو ریزہ ریزہ کردوں، سمندر کو برف بنادوں، ہوا کو ساکت کردوں، مگر میری قوم نے میرے سر کے بالوں کی سیاہی سفیدی میں بدل دی، مگر میں ان کے دلوں کی سیاہی نہ دھو سکا، ہم نے آنے کا مقصد بیان کیا، بادل نخواستہ بحث وتمحیص کے بعد تیاری کر لی۔" اسی طرح سید عطا اللہ شاہ بخاری کا ایک اور واقعہ ہے کہ "حاجی قائم دین لائل پور میں کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں دین و دنیا بڑی فیاضی سے دی تھی، شاہ جی کے مخلص دوستوں میں سے تھے، تقسیم سے قبل آگرہ میں تھے، انہوں نے واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ شاہ جیؒ آگرہ میں مارکیٹ کی چھت پر منعقدہ جلسے میں تقریر کر رہے تھے، حجازی لے میں قرآن مجید کی آیات پڑھیں تو ایک نوجوان تڑپ کر چھت کے کنارے کی دیوار سے چھت پر آن گرا، مرنے سے تو بچ گیا، لیکن وجد اور جذب کی حالت میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا، لوگوں نے اٹھایا تو اس کے چھرا برآمد ہوا، اسے شاہ جی کے پاس لایا گیا، شاہ جی نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا، کچھ پڑھ کر پھونکا اور محبت سے اپنے پاس بٹھالیا، جب اسے ہوش آیا تو اس نے انکشاف کیا کہ مجھے تو شاہ جی کے قتل کے لئے بھیجا گیا تھا، لیکن شاہ جی کا خطبہ اور قرآن مجید سن کر بیتاب اور بیہوش ہو کر گر پڑا، پھر اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہیں۔"

(انتخاب:......آمنہ بنت سفیر احمد، کراچی)

☆......☆......☆

قرآن کریم میں

☆......قرآن کریم میں مساجد میں سے مسجد الحرام، مسجد اقصیٰ، مسجد قبا اور مسجد ضرار کا نام آیا ہے۔

☆......قرآن کریم میں پہاڑوں میں سے کوہ طور، کوہ جودی، کوہ صفا اور کوہ مروہ کا نام آیا ہے۔

☆......قرآن کریم میں دھاتوں میں سے سونا، چاندی، تانبا اور لوہے کا نام آیا ہے۔

☆......قرآن کریم میں درختوں میں سے کھجور، زیتون اور بیری کا نام آیا ہے۔

☆......قرآن کریم میں سبزیوں میں سے پیاز، لہسن، ککڑی اور ساگ کا نام آیا ہے۔

☆......قرآن کریم میں پرندوں میں ہدہد، ابابیل، کوا، تیتر اور بٹیر کا نام آیا ہے۔

☆......قرآن کریم میں شہروں میں مکہ مکرمہ، یثرب (مدینہ منورہ) اور بابل کا نام آیا ہے۔

(انتخاب:......حمنہ خالد، احسن آباد کراچی)

☆......☆......☆

خوش رہنے کے اصول!

☆......اللہ نے تمہارے لئے جو چنا ہے، اس پر خوش رہو، کیونکہ مصلحت کیا ہے، تم نہیں جانتے، کبھی شدت بھی فراخی سے بہتر ہو سکتی ہے۔

☆......لاالہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین ہمیشہ پڑھا کرو، کیونکہ تکلیف دور کرنے اور آزمائش ہٹانے میں اس دعا کی بڑی تاثیر ہے۔

☆......لوگوں کو پہلے سلام کرو، مسکرا کر ملو اور ان سے توجہ سے پیش آؤ، تاکہ ان سے قریب ہو جاؤ اور دلوں میں ان کی محبت ہو جائے۔

☆......صدقہ دیا کرو، چاہے تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، اسی سے گناہ ختم ہوگا، دل کو خوشی ہوگی، فقر دور ہوگا، رزق میں اضافہ ہوگا۔

☆......شیطان کے شر سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ لو، زیادہ سے زیادہ ذکر کرو۔

☆......اللہ سے عفو و درگزر طلب کرو، اگر یہ دونوں مل جائیں تو گویا ہر چیز تم کو مل گئی، ہر برائی سے تم بچ گئے، ہر مسرت سے ہمکنار ہو گئے۔

(انتخاب:......معلمہ ف، معلمہ ف ن گجرات)

☆......☆......☆

نو اہم نصیحتیں

(۱)......پڑھیں انتخاب کے ساتھ
(۲)......غور کریں گہرائی کے ساتھ
(۳)......خدمت کریں لگن کے ساتھ
(۴)......بحث کریں دلیل کے ساتھ
(۵)......بولیں اختصار کے ساتھ
(۶)......مقابلہ کریں جرأت کے ساتھ
(۷)......عبادت کریں محبت کے ساتھ
(۸)......بات سنیں توجہ کے ساتھ
(۹)......زندگی طے کریں اعتدال کے ساتھ

(انتخاب:......اقصیٰ جاوید، کمالیہ)

حیا کی محفل



قارئین کرام کی خدمت میں السلام علیکم!

اللہ تعالیٰ کی ذات عالیہ سے قوی امید ہے کہ آپ سب خیر و عافیت سے ہوں گے اور ماہنامہ ''حیا'' کی راہیں تک رہے ہوں گے، تو لیجئے حاضر ہے آپ کا اور ہم سب کا ماہنامہ حیا۔

''حیا کی محفل'' میں ہر ماہ نئے چہرے سامنے آ رہے ہیں، جو اس بات کی علامت ہے کہ ماہنامہ حیا اپنی مقبولیت کی مراحل طے کر رہا ہے اور ہمیں ہماری محنت وصول ہوتی نظر آ رہی ہے، جن مقاصد کے لئے اس رسالے کا اجراء کیا گیا تھا، وہ حاصل ہو رہے ہیں اور اس میں اصل کردار ہماری ان بہنوں کا ہے، جو اس رسالے کو دوسروں تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

ادارہ حیا ان تمام بہنوں کا شکر گزار ہے اور دعا گو ہے، جو رسالے کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں اور ان تمام بہنوں کا بھی شکر گزار ہے جو خطوط کے ذریعے مفید مشورے اور تجاویز ارسال کرتی ہیں اور اصلاح کی نیت سے ہماری کمی خامیوں پر متوجہ کرتی ہیں۔

آپ کے خطوط کی منتظر آپ کی باجی
مہر افروز مہر

✉ خدیجہ الکبریٰ بنت محمد نعیم حیدرآباد سے لکھتی ہیں: مہر آنٹی، راحت آنٹی اور حیا رسالے کی تمام لکھنے والے اور تمام پڑھنے والے کو السلام علیکم! ''حیا'' رسالہ ماشاء اللہ بہت ہی زبردست ہے، اللہ رب العزت آپ سب لوگوں کو جزا خیر عطا فرمائے، میں نے ابھی نیا نیا ہی رسالہ پڑھنا شروع کیا ہے، میں اسی سال رب العزت کے کرم سے دورۂ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فارغ ہوئی ہوں اور سحاب کی طرح میری بھی خواہش تھی کہ عالمہ بننے کے بعد عالم سے ہی شادی ہو، مگر رب العزت کو کچھ اور ہی منظور تھا اور اس طرح ہمارا نکاح بھی غیر عالم سے ہو گیا ہے، فارغ ہونے کے تین مہینے بعد ہی، جس دن آخری کتاب سنن ابی داؤد ختم ہوئی تھی تو استاد محترم نے ہمارے حق میں جلد از جلد نکاح ہونے کی دعا فرمائی تھی اور ان کی یہ دعا سب سے پہلے میرے ہی حق میں قبول ہوئی، ویسے دل تو چاہ رہا ہے، بہت بڑا خط لکھوں، اپنی پیاری کلاس فیلو کی بہت ساری پیاری پیاری باتیں لکھوں، زندگی کے وہ حسین چار سال پڑھے تو بہت مشقت سے، مگر اس کا بھی اپنا ایک مزہ ہے، ہمیں یہ شرف بھی حاصل ہوا تھا کہ ہمارا آخری سبق ہمارے اپنے ہی استاد محترم شیخ الحدیث عبید اللہ

صاحب نے ہی پڑھایا، خیر میں چاہتی ہوں کہ رب العزت مجھ سے اپنے دین کا کوئی کام لے اور گھر سے باہر جانے کی تو اجازت نہیں ہے، اس لئے پروگرام بنایا ہے ''حیا'' رسالے میں شرکت کرنے کا اور لکھنے کا، ہو سکتا ہے یہ ہی میرے لئے صدقہ جاریہ بن جائے، براہ کرم آپ سب لوگ مجھ ناچیز کو اپنی دعاؤں میں لازمی یاد رکھا کریں۔

✍ خدیجہ، آپ کو ''حیا کی محفل'' میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ ''حیا'' کی پسندیدگی اور دعاؤں کا شکریہ، امید ہے آئندہ بھی لکھتی رہیں گی۔

☆......☆......☆

✉ صبا یونس لکھتی ہیں: معزز قارئین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ سب کے لئے دعا گو ہوں اور امید کرتی ہوں کہ آپ سب خیر و عافیت سے ہوں گے۔ میں یہ خط صرف آپ تمام قارئین سے یہ التجا کرنے کے لئے لکھ رہی ہوں کہ مجھے بہت بہت بہت شدید دعاؤں کی ضرورت ہے، پچھلے پانچ ماہ سے میری مکمل فیملی مسلسل ایک بہت بڑی پریشانی میں مبتلا ہے مجھ سمیت، خصوصاً شیرین گل اماں جی سے درخواست کرتی ہوں، وہ ضرور دعاؤں میں یاد رکھیں، وہ ہماری بزرگ ہیں اور بزرگوں کی دعا ضرور قبول ہوتی ہیں اور ''حیا'' کے تمام اسٹاف سے بھی دست بستہ التجا ہے کہ عاجزہ کو خصوصاً دعاؤں میں یاد رکھیں، پریشانی ایسی ہے کہ ذہنی اور جسمانی طور پر مکمل گھر لپیٹ میں ہے، پتہ نہیں کس کی دعا سے اللہ پاک ہمیں اس پریشانی سے نکال لیں، اسی پریشانی کے باعث پانچ ماہ سے میں ''حیا'' بھی نہیں پڑھ سکی ہوں، امید کرتی ہوں کہ آپ کی دعاؤں سے، بہت جلد اللہ پاک اس مشکل سے نکال دیں گے، پھر ان شاء اللہ ایک زبردست تبصرے کے ساتھ ''حیا کی محفل'' میں شرکت کروں گی، ایک بار پھر عاجزانہ دست بستہ تمام قارئین و اسٹاف ''حیا'' سے التجا ہے کہ اللہ سے ہماری مشکل و پریشانی کی آسانی کی دعا فرما دیں۔ اگر کسی کے علم میں کوئی ایسا عمل یا وظیفہ ہے، جو مشکل سے نکلنے اور راہیں آسان کرنے کا ہو تو برائے کرم ضرور بتائیں، اب تک تو اللہ سے ہی مانگ رہی ہوں، ممکن ہے کہ آپ کے بتائے کسی عمل کی برکت سے نکلنا مقدر میں ہو۔

✍ صبا بیٹا، آپ کی تکلیف اور پریشانی کا پڑھ کر دکھ ہوا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو اس پریشانی سے خیر و عافیت کے ساتھ خلاصی عطا فرمائے، آمین...... آپ کثرت سے آیت کریمہ اور استغفار کا ورد کریں، علماء نے ان دونوں کو مجرب لکھا ہے۔

☆......☆......☆

✉ شارفہ طاہر کراچی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اکتوبر کا شمارہ بقر عید سے کافی دن پہلے موصول ہوا، تمام شمارہ بہترین تھا، صبا یونس گو ایک ماہ کے وقفے کے بعد نمودار ہوئیں، مگر قسط اتنی زبردست لائیں کہ تمام شکوے شکایات رفع ہو گئے، اس ماہ کا ''گلدستہ'' حیا لاجواب تھا، اس کی مہک گویا دل و دماغ کو معطر کر گئی، ہر ایک بہن کا انتخاب لاجواب تھا۔ یوں تو ہمارا ''حیا'' ہر لحاظ سے بہترین ہے، لیکن اگر اس میں درج کی گئی قرآنی آیات اور دعاؤں پر اعراب بھی لگا دیئے جائیں تو بندی شکر گزار ہو گی، دراصل والدہ محترمہ تلفظ غلط ادا ہو جانے کے اندیشے کی وجہ سے ان دعاؤں کو معمول نہیں بنا پاتیں، امید ہے تجویز پر عمل کیا جائے گا۔

✍ شارفہ بہن، ''حیا'' کی تعریف اور توصیف کا شکریہ، آپ کی تجویز عمدہ ہے، ان شاء اللہ آئندہ اہتمام کریں گے۔

☆......☆......☆

✉ ثمن صفی اللہ میانوالی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم! پیاری آپی جان، امید ہے آپ اور آپ کی پوری ٹیم خیریت

سے ہوگی، باجی جان، ایک عرصے سے "حیا" پڑھ رہی ہوں، لیکن "حیا" میں یہ میرا پہلا خط ہے، بہت سی امیدیں لے کر یہ خط بھیج رہی ہوں، امید ہے، ضرور شائع کریں گی۔ "حیا" ابھی پڑھا نہیں، اسی لئے تبصرہ نہیں کروں گی، آخر میں "حیا" کی تمام بہنوں کو سلام اور دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔

ثمن بیٹی کو "حیا کی محفل" میں خوش آمدید، اب تو امید ہوگئی نا، اب جلدی سے "حیا" پر تبصرہ ارسال کرو، ہمیں انتظار رہے گا۔

☆......☆......☆

صائمہ صفی اللہ کینال کالونی میانوالی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم! پیاری آپی جان، امید ہے آپ اور آپ کی پوری ٹیم خیریت سے ہوگی، اس کے بعد میں ہمارے رسالے "حیا" کی بہت تعریف کروں گی، بہت بہترین کہانیاں تھیں، اس کے بعد "حیا کی محفل، خوابوں کی تعبیر اور میری پسند" تو بہت اچھی ہے، پیاری باجی صاحبہ، شمارے میں میری سب سے پسندیدہ کہانی "ایک زندگی ایک کہانی" غائب تھی، باجی فردوس آپ سے گزارش ہے کہ آپ بھی "حیا کی محفل" میں کبھی شامل ہوں، آخر میں "حیا" کی تمام بہنوں کو سلام

صائمہ بہن، ام حیات صاحبہ کچھ مصروفیت کی بناء پر نہ لکھ سکی، ان شاء اللہ وہ مستقل لکھتی رہیں گی۔

☆......☆......☆

کنول عطاء محمد ٹنڈو الہ یار سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مہر آپی، امید ہے کہ آپ اور "حیا" کی پوری ٹیم اللہ جل جلالہ کے فضل وکرم سے بخیر وعافیت ہوگی، آپی میں "حیا" میں دوسری مرتبہ شرکت کر رہی ہوں اور پچھلے سال میری کہانی بھی شائع ہوئی تھی۔ "اے کاش" اس رات اپنے بستر میں لیٹ کر سونے کی تیاری کر رہی تھی، جب میرے ماموں تین، چار "حیا" کے شمارے لے کر آئے جو چار یا پانچ ماہ سے مل نہیں رہے تھے، میں زیرو بلب کی روشنی میں پڑھنے لگ گئی، اچانک میری نظر "کنول عطاء محمد" پر پڑی، پہلے پہل تو یقین نہیں آیا، دو تین بار آنکھیں مسل کر نام پڑھا، پھر چیخ پڑی، امی اور ابو جان بھی سو رہے تھے، وہ بھی اٹھ بیٹھے، ان کو اپنی کہانی دکھائی، پھر کمرے سے باہر بھاگی، سب کو دکھا کر اپنی پیاری پیاری دوستوں ثناء، مہک، منیبہ کو میسج کر کے بتایا، میرا تو خوشی کے مارے برا حال ہو رہا تھا، آپی آپ کا بہت بہت بہت شکریہ، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ "فداک ابی وامی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" ہمیشہ کی طرح ٹاپ پر رہا، پلیز رائٹر صاحبہ میری درخواست ہے وہ یہ کہ آپ یہ کہانی کتابی شکل میں شائع کروائیے گا، کیونکہ میں نے اپنی سہیلیوں کو کہا ہے کہ اتنی زبردست کہانی ہے، مگر جب کتابی شکل میں شائع ہوگی، تب میں تمہیں گفٹ کروں گی، آخر میں یہ بھی بتاتی چلوں کہ میں اب کی بار بھی ایک عدد کہانی لے کر حاضر ہوئی ہوں، جس کا نام ہے "سازش" مہربانی فرما کر وہ بھی شائع کر دیجئے گا، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور "حیا" کی پوری ٹیم کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ عطا فرمائے اور خانہ کعبہ اور گنبد خضراء کی زیارت نصیب فرمائے، آمین ثم آمین...... اور میرے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی گنبد خضراء کے سائے میں سجدہ نصیب کرے۔ آمین

کنول صاحبہ، آپ کی تجویز رائٹر صاحبہ کو دے دی گئی ہے اور آپ کی کہانی بھی عن قریب شائع ہو جائے گی۔

☆......☆......☆

شفا بنت شکیل باغ آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں: پیاری مہر آپی، السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی اور "حیا" کو ترقی دینے میں مصروف ہوں گی، میں "حیا" کی نئی قاریہ ہوں اور اسے بہت شوق سے پڑھتی ہوں، شوق

سے کیوں نہ پڑھوں؟ اتنا دلچسپ اور سبق آموز تو ہے، مجھے "حیا" کا شدت سے انتظار رہتا ہے، یہ مجھے دیر سے ملتا ہے، اگر جلدی مل جائے تو آپ کا بے حد شکریہ۔ "حیا" کی تعریف کے لئے الفاظ تلاش کرنا اتنا مشکل کام ہے، جیسے کوئی گمشدہ چیز تلاش کرنا، اب "حیا" پر تبصرے کی طرف آتے ہیں، ٹائٹل بہت پیارا ہے، "حیا" ہاتھ میں آیا تو بے اختیار تمام معاونین کے لئے دل سے دعا نکلی، جلدی سے فہرست کھولی، لیکن یہ کیا "تیرے عشق کی انتہا چاہے" یوں غائب تھا، جیسے گدھے کے سر سے سینگ، پھر خود کو حوصلہ دیا کہ شاید مریم غازی صاحب بہت ہی مصروف ہوں، دل پر پتھر رکھ کر "ممتا کے سائے" پر جا پہنچے، پڑھ کر آنسوؤں کو قابو رکھنا مشکل ہوگیا، اس لئے رو پڑی، "حیا" کی باقی تمام تحریریں بھی بہت دلچسپ لگیں، ام حیات ہنگورا کی "ایک زندگی ایک کہانی" نے ہر ماہ کی طرح اس دفعہ بھی بہت اچھا پوائنٹ دیا، "تبسم" میں شیریں گل صاحبہ کی تحاریر پڑھ کو بڑا مزہ آیا، "میری پسند" کے لئے میں چند چیزیں ارسال کر رہی ہوں، پلیز ان کو جگہ دیجئے گا، میرا اس رسالے کے لئے یہ پہلا خط ہے، بڑی مشکل سے لکھنے کی جسارت کی ہے، مجھے پتہ ہے، آپ نئی قاریات کے دل نہیں توڑتی، اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو معاف کر دینا، پلیز میری حوصلہ افزائی کے لئے میرا خط اور چیزیں شائع کر دینا، تاکہ مجھے معلوم ہو سکے کہ میری چیزیں آپ کو ملی بھی کہ نہیں، میں اس رسالے کی کہانیاں اپنی سہیلیوں کو بھی سناتی ہوں، تاکہ وہ بھی سبق سیکھ سکیں۔

شفا بیٹی کو "حیا کی محفل" میں خوش آمدید، حیا کی پسندیدگی اور دعاؤں کا بہت شکریہ، آپ کی ارسال کردہ چیزیں ہمیں موصول ہوگئی ہیں، ان شاء اللہ ضرور شائع ہوں گی۔

☆......☆......☆

آمنہ بنت سفیر کراچی سے لکھتی ہیں: عزیز مہر آپی! السلام علیکم! امید ہے بخیریت ہوں گی، اکتوبر کا شمارہ پڑھا، گستاخی معاف...... لیکن مجھے یہ شمارہ کچھ خاص پسند نہیں آیا، آپی! اس شمارے میں تقریباً ۳۰ مضامین تھے اور کہانیوں کی تعداد صرف نو تھی، یہ بھی قسط وار کہانیوں کو ملا کر...... آپی میں اپنی بات نہیں کر رہی، لیکن جو نئے لوگ ہیں، جنہوں نے اسلامک میگزینز کبھی نہیں پڑھے، وہ ایک دم سے مضامین نہیں پڑھنا چاہتے، میں یہ نہیں کہہ رہی کہ آپ مضامین شامل ہی نہ کریں، مضامین کے بغیر تو رسالہ ادھورا ہے، لیکن اتنی تعداد میں بھی نہ دیں کہ لوگ کہانیاں ڈھونڈتے ہی رہ جائیں...... دوسری بات تھی قسط وار کہانیوں کی...... آپی جب پورا مہینہ ایک چیز کا انتظار کیا جائے تو وہ جب نہ ملے تو بے حد مایوسی ہوتی ہے، پچھلے ماہ "ممتا کے سائے" غائب تھی، اس مہینے وہ تو تھی، لیکن "تیرے عشق کی انتہا" غائب! قسط وار کہانیوں کو پلیز باقاعدہ شائع کرا کریں۔ آپی! اگر آپ کو میری کوئی بات بری لگی ہو، یا میری کسی بات سے آپ کی دل شکنی ہوئی ہوں تو اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں، لیکن مجھے لگتا ہے کہ میں نے جو بات آپ تک پہنچائی ہے، آپ اسے سنجیدہ لیں گے، آخر میں تمام قاریات بہنوں کو سلام...... اور آپ سے ایک دفعہ پھر معذرت کر رہی ہوں۔

آمنہ بیٹا، آپ کا شکوہ اپنی جگہ درست ہے لیکن میرا آپ قارئین بہنوں سے بھی سوال ہے کہ قارئین کی ایک بڑی تعداد ہمیں مضامین بھیجتی ہے اور کہانیوں کی تعداد کم...... اب آپ ہی بتائیں، اب ہم کیا کریں اور جہاں تک قسط وار کہانیوں کے غائب ہونے کی بات ہے تو میری بیٹی، رائٹر بہنوں کی بھی کچھ مصروفیات ہوتی ہیں، اگر کسی ماہ ان کی کہانی شائع نہ ہو تو سمجھ جایا کریں کہ کوئی تو وجہ ہوگی جس کی بناء پر وہ لکھ نہ سکیں...... امید ہے کہ آپ بات سمجھ گئی ہوں گی۔

☆......☆......☆

حمنہ خالد احسن آباد کراچی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم! امید ہے آپ اور "حیا" کا پورا اسٹاف خیریت سے ہوگا

اور ہمارا عزیز از جان رسالہ تیار کرنے میں مصروف ہوگا، میں ''حیا'' میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں، امید ہے حوصلہ افزائی فرمائیں گی، تازہ شمارہ ملا، اس میں ''تیرے عشق کی انتہا'' نہ دیکھ کر پڑھنے کا مزہ ہی نہیں آیا۔ ''ایک زندگی ایک کہانی'' پہلے کی طرح زبردست تھی، ہادیہ حبیب الرحمٰن کی ''داستان غم'' پڑھ کر دل کو بہت رنج ہوا، تبسم میں تمام لطیفے زبردست تھے، اب اجازت چاہوں گی، اللہ آپ کو اور میری تمام بہنوں کو سدا خوش رکھے۔

حمنہ خالد کو ''حیا کی محفل'' میں خوش آمدید کہتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی ''حیا کی محفل'' میں شرکت کریں گی۔

☆......☆......☆

عمارہ صدیقہ منڈی بہاؤالدین سے لکھتی ہیں: بے حد عزیز مہر باجی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ! کیسی ہیں؟ امید ہے اچھی ہوں گی، ''ٹائٹل'' بہت پسند آیا، ''آئینہ'' دیکھ کے کچھ زیادہ مزہ نہیں آیا، کیونکہ مریم غازی موجود نہیں تھیں یعنی ان کی کہانی ''تیرے عشق کی انتہا چاہیے۔'' مجموعی طور پر شمارہ ٹھیک ہی تھا، میرا یہ شمارہ خریدنے کی بڑی وجہ بزرگان کے وہ مضامین ہیں، جن کی سطر سطر میرے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے، ماشاءاللہ، اللہ پاک ان میں جو حیات ہیں، ان کی زندگیوں میں برکت ڈالیں اور جو رحلت فرما گئے ہیں، ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین...... حیا کے مضامین تو بلا تبصرہ ہوتے ہیں، ام حیات ہنگورا بھی ماشاءاللہ بہت اچھی لگتی ہیں، ان کی تحاریر بھی بہت مربوط اور پر اثر ہوتی ہیں، کہانیاں مجھے خاص پسند نہیں آتیں، کہانی کا تھیم مضبوط نہیں لگتا، کچھ تو بہت بچکانہ سی لگتی ہیں۔ ''سنو میں اک راز کہتی ہوں'' کا انجام بھی پسند نہیں آیا، کیا ایک اللہ والی کی اتنی توہین...... توبہ توبہ! اس طرح کی کہانیوں کا End جاندار اور امید افزا ہونا چاہئے! اس دفعہ کی گھر کہانی کی تو کچھ سمجھ ہی نہیں آئی، نہ سر نہ پیر! ابن الحسن عباسی کی تحاریر کی جاندار اور حقائق پر مبنی ہوتی ہیں، اللہ پاک انہیں مزید اچھا اچھا لکھنے کی توفیق بخشیں۔ ''گلدستہ حیا'' کے پھول کافی اچھے ہوتے ہیں، مگر ''حیا کی محفل'' میں بنت الیاس کے تبصرے...... توبہ توبہ!! یہ تبصرہ ہے یا ''لمبی بونگیاں'' ہوتی ہیں، بھلا ایک اصلاحی، دینی اور معیاری رسالے میں اس طرح کی لمبی لمبی گپیں لکھ کے بھیجنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ بنت الیاس صاحبہ! کچھ ہوش کے ناخن لیں! عزیز مہر باجی! ''حیا'' کی میں پچھلے تین سالوں سے قاری ہوں، پہلے سے اس کے معیار میں کافی بہتری آئی ہے، پہلے تو کتابت کی غلطیوں کی بھرمار ہوا کرتی تھی، مگر اب خال خال نظر آتی ہیں۔ پرانے تبصرے شائع نہ کیا کریں؟ ہر مہینے تبصرے اسی ماہ میں شائع ہوں تو بہتر ہے، پلیز غیر معیاری تبصرے بھی شائع نہ کیا کریں، رسول اعظم کی جگہ اب کوئی اور اچھا سا ناول کب تک شامل اشاعت کر رہی ہیں؟ انتظار رہے گا، مجھے شمارہ ہر ماہ کی 15 کے بعد پہنچتا ہے، اس کی وجہ ابھی تک مجھے معلوم نہیں ہو سکی، برائے مہربانی معلوم کر کے بتائیے گا۔ اچھا جی، تمام قاریات بہنوں اور ''حیا'' ٹیم کو میری طرف سے سلام، کسی کو کوئی بات ناگوار لگے تو اس پر پیشگی معذرت۔

عمارہ صاحبہ، حیا پر تبصرہ پسند آیا، امید ہے آئندہ بھی اپنے تبصروں کے ساتھ حاضر ہوتی رہیں گی، ان شاء اللہ بہت جلد ہی ایک ناول شروع کرنے کا ارادہ ہے...... رسالہ تاخیر سے پہنچنے کی وجہ، دراصل ڈاک کا نظام بھی ہے، جہاں سے بعض چیزیں تو کئی کئی ماہ کے بعد پہنچتی ہیں، جس کا ہمیں تو بارہا تجربہ ہو چکا ہے۔

☆......☆......☆

اقراء صدیقہ میانوالی سے لکھتی ہیں: محترمی ومکرمی مہر آپی، راحت آپی، شیرین گل آنٹی اور پیاری پیاری سی بہنو...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعد از سلام، امید ہے کہ تمام لوگ بفضل الٰہی بخیر و عافیت ہوں گے، شمارہ ہاتھ میں آیا، دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ دل نشین تحاریر سے مزین پیارا ''حیا'' دل کو بہت بھایا، محترم انکل خیال آفاقی کا سلسلہ وار ناول اختتام پذیر ہوا، دل سے ان کے لئے ڈھیروں دعائیں نکلیں، دعا ہے کہ وہ دین کو پھیلانے کا یہ کام اسی طرح محنت، جانفشانی اور لگن سے سر انجام دیتے رہیں اور ماہنامہ ''حیا'' کے لئے ہر ماہ اپنی نگارشات بھیجتے رہیں۔ آمین...... ''آواز حیا'' میں ابن الحسن عباسی ایک خوب صورت سبق دے رہے تھے، واقعتاً سیرت النبیؐ کے ہر پہلو کے بارے میں لکھنا کسی کے بس کی بات نہیں، کسی شاعر نے بھی اسی موضوع کو ایک شعر میں سمیٹتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے کہ

بوسیدہ میرے حروف، میری فکر بریدہ — میں کیسے لکھوں آپ کے اوصاف حمیدہ
یہ کام خدا کا ہے شایاں ہے اس کو — انسان سے رقم کیا ہو محمدؐ کا قصیدہ

تمام سلسلہ وار مضامین دل کو بھائے، راحت راشد حسین کی ''فداک ابی وامی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' اس مرتبہ بھی سپر ہٹ تھی، ام حیات ہنگورا صاحبہ اس مرتبہ بھی ایک نئے کردار کے ساتھ جلوہ افروز تھیں، پڑھ کر ہم تو حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگے، واقعی دنیا جہاں اچھے لوگوں سے بھری ہوئی ہے، وہیں گندے لوگ بھی اپنے ناپاک اور غلط ارادوں کے ساتھ ہر جگہ موجود ہیں، خدا ایسے لوگوں سے ہر ایک کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ آمین...... اس سے آگے ساجدہ آپی براجمان تھیں، انہوں نے دور سے ہی ہیلو ہائے پر اکتفا کیا، ویسے کمال ہے ساجدہ آپی...... کہانی بھی لکھ ماری، یعنی (ہر فن میں طاق ہیں) بنت مولانا عبدالمجید کے ناول کی آخری قسط پڑھ کر کافی حیرت ہوئی کہ آخر یہ اتنی جلدی اختتام پذیر کیسے ہو گیا، ویسے اس کی تمام اقساط لاجواب تھی، اتنی خوب صورت تحریر لکھنے پر ہم آپ کو تہہ دل سے مبارکباد کے ٹوکرے پیش کرتے ہیں، (قبول فرمائیے) فرحانہ عزیز ہر بار ایک نئے موضوع کے ساتھ نئے انداز کو اپناتی ہیں اور واقعی کمال ذوق رکھتی ہیں آپ...... آپی مریم غازی کی کہانی تو لاجواب ہے، اتنا خوب صورت طرز تحریر، بے ساختہ تمام لکھنے والوں کے لئے دل سے ڈھیروں دعائیں نکلتی ہیں، آخر آپ سب کی ہی بدولت تو ہمارا رسالہ اتنا مقبول ہو رہا ہے۔ ''ممتا کے سائے'' صبا یونس صاحبہ کی بہترین کاوش ہے۔ ''یقین کی روشنی'' اور فصیحہ صاحبہ کی ''ممتا'' بہت پسند آئی۔ ''اجالے دھند کے اس پار'' شمارے کی سب سے بہترین تحریر تھی، دل کو بہت بھائی اور واقعتاً بہت پسند آئی اور جہاں تک صبا آپی کے سوال کا تعلق ہے کہ ہمیں اس کہانی کا کون سا کردار سب سے زیادہ پسند آیا ہے تو عرض یہ ہے کہ ہر کردار سپر ہٹ محسوس ہو رہا تھا، لیکن پہلی قسط میں یمنیٰ کا کردار سب سے الگ تھا، کیوں کہ اس وقت تک نادیہ صاحبہ منظر عام پر نہیں تھی اور دوسری قسط میں نادیہ کا کردار حد درجے پسند آیا، اس کے علاوہ دیگر تمام سلسلے بھی زبردست تھے۔ ''حیا کی محفل'' میں صبا آپی کا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، صبا آپی، آپ واقعی میری فیورٹ رائٹر ہیں، آپ کی لکھی ہوئی کہانیاں میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ ''اجالے دھند کے اس پار'' سے بہت پہلے آپ کی ایک کہانی ''ہے راہ تو پر خار مگر'' پڑھی، سچ پوچھئے تو بار بار پڑھنے سے وہ ہمیں یاد ہو گئی تھی، ہنس ہنس کے برا حال ہو گیا تھا، امید ہے پھر جلد حاضر ہوں گی، تازہ شمارہ بھی بے مثال تھا، ٹائٹل دل نشین تھا، تحاریر بے مثال تھی، مضامین بھی خوب صورتی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے، مریم غازی کی تحریر نہ پا کر بہت افسوس ہوا، تمام سلسلے لاجواب تھے۔ ''میری پسند'' کی تو کیا ہی بات ہے، ہر نعت لاجواب ہے، ہر نظم بے مثال ہے اور ہر شعر باکمال ہے۔ ''حیا کی محفل'' میں تمام خطوط پسند آئے، شیرین آنٹی کی صحت یابی کا سن کر بہت خوشی ہوئی، خدا آپ کا سایہ تا دیر ہم پر قائم رکھے، آمین، بنت الیاس کا تبصرہ بہت زبردست تھا اور جہاں تک بات ہے وائرس چپکنے کی تو واقعتاً یہ ہم سب سے چپک گیا ہے، اب آپ سے ایک سوال تو پوچھنا تھا مگر...... امید ہے آپ جلد کوئی کہانی لے کر حاضر ہوں گی (میری بات سن کر لائٹ محترمہ بھی غائب ہو گئی ہیں...... ویسے یہ مذاق نہیں ہے...... ہاہاہا) جلدی آ جائیے ورنہ ساجدہ

آپی سے کہہ کر آپ کو بھی دیوار کے ساتھ کھڑا کرانے میں دیر نہیں لگائیں گے، خالدہ بنت سعید اس دفعہ بھی اپنے دل چسپ سے تبصرے کے ساتھ حاضر تھیں، اس کے علاوہ تمام دیگر قاریات کے خطوط بھی بہترین تھے، بہت پسند آئے، کسریٰ نذیر اور ہادیہ کے خطوط بھی دل چسپ تھے، اس مختصر سے خط کے ساتھ جانے کی اجازت چاہتی ہوں کہ تمام قاریات بہنوں کو ڈھیروں سلام اور دعاؤں کی درخواست۔

ارے اقراء بیٹی، اگر دو صفحے کا خط بھی مختصر ہو تو لمبا خط کتنے صفحات کا ہوگا؟ بتایئے گا ضرور، ویسے ماشاءاللہ تبصرہ بہت اچھا لکھا ہے۔

☆......☆......☆

ہادیہ حبیب الرحمٰن باغ آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں: پیاری مہر آپی السلام علیکم! اس امید سے قلم و کاغذ ہاتھ میں لئے ہیں کہ آپ خیریت سے ہوں گی اور قارئین کے خطوط کی منتظر ہوں گی، "حیا" اس مرتبہ معجزانہ طور پر جلدی مل گیا، بہت خوشی ہوئی، جوں ہی "حیا" ہاتھ میں آیا، سب سے پہلے ادب سے اسے چوما اور پھر آئینہ دیکھا، اس کے بعد تمام سلسلے بھی پڑھے، سب ہی زبردست تھے، "ایک زندگی ایک کہانی" کی کمی محسوس ہوئی۔ "حیا کی محفل" میں شیرین آنٹی کی کمی محسوس ہوئی، شیرین آنٹی سے گزارش ہے کہ جلد از جلد اپنی صحت کے متعلق بتائیں، ان کی صحت کے لئے دعا گو ہوں، اللہ ان کی زندگی اور صحت میں برکت عطا فرمائے، آمین...... "حیا کی محفل" میں آپ کی باتیں پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی، خاص کر اس بات پر کہ "حیا" کا خاص نمبر عن قریب شائع ہوگا، بہت خوشی ہوئی، جلد از جلد خاص نمبر لے کر حاضر ہوں، خاص نمبر "ڈاکٹر عافیہ" یا "باپ" کے نام پر رکھنا ہے، آخر میں تمام قارئین وقاریات اور مہر آپی کو سلام اور دعاؤں کی درخواست ہے۔

☆......☆......☆

بنت احمد قائد آباد لانڈھی کراچی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید کرتی ہوں کہ آپ اور "حیا" کی پوری ٹیم خیر وعافیت سے ہوگی۔ "حیا" رسالے میں سب کے سب کہانیاں بہت اچھی ہیں، ہمارے گھر میں سب "حیا" رسالہ بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ باجی جان! میں تقریباً چار سال سے "حیا" پڑھتی ہوں، لیکن "حیا" میں شرکت پہلی بار کر رہی ہوں۔ باجی جان! میں امید کرتی ہوں کہ آپ میرا خط شائع کر کے میری مزید ہمت بڑھائیں گی، میں اور بھی چیزیں بھیج رہی ہوں، شائع کر کے شکریہ کا موقع دے۔ اللہ پاک آپ کا حامی وناصر ہو، میری طرف سے "حیا" کے سب قارئین کو سلام۔

بنت احمد صاحبہ کو "حیا کی محفل" میں خوش آمدید کہتے ہیں اور حیا کی پسندیدگی پر ان کے شکر گزار ہیں، آپ کی ارسال کردہ تحریریں عن قریب شائع ہو جائیں گی۔

☆......☆......☆

ف بنت حافظ محمد حسین کنڈی پیلاں سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! محترمہ مکرمہ مدیرہ صاحبہ، اللہ تعالیٰ آپ کو خوش وخرم رکھے، امید ہے، تمام معاونین وقارئین "حیا" خیر وعافیت سے زندگی گزار رہیں ہوں گے، باجی پوچھنا یہ ہے کہ "حیا" کا پہلا رسالہ کب شائع ہوا تھا اور پچھلے شمارے اگر منگوانا چاہے تو وہ کیسے منگوائیں اور پرانے شماروں کی قیمت کتنی ہے اور باجی "فداک ابی وامی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" زبردست ہے اور اس کو زیادہ صفحات پر شائع کیا کریں اور "تیرے عشق کی انتہا چاہئے" رسالے میں غائب تھی، "حیا" کی تمام قاریات بہت اچھا لکھتی ہیں، صبا یونس، بنت عبدالمجید، ساجدہ بتول، مریم غازی بھی بہت اچھا لکھتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو مزید اچھا لکھنے کی توفیق عطا

فرمائے، باجی ہم نے ٹوٹا پھوٹا خط لکھا ہے، اگر آپ کے معیار کے مطابق ہو تو شائع کر دینا، ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا اور باجی، ساجدہ نے جو بینا رانی کا لکھا، انہوں نے بالکل سچ کہا ہے، کیوں کہ ہم بچوں کے اسلام میں ان کی تحریریں پڑھتے رہتے ہیں اور جو انہوں نے "نئی زندگی" لکھی، وہ پہلے غالباً بچوں کے اسلام میں لکھی تو "حیا" میں ان کی شرکت کی خوشی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو حفظ وامان میں رکھے، آمین ثم آمین

بنت حافظ محمد حسین صاحب، حیا کا پہلا شمارہ جون 2006ء میں شائع ہوا تھا، پچھلے شماروں سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے سرکولیشن کے شعبہ سے رابطہ کریں۔

☆......☆......☆

شاہ عبداللہ گلگت بلتستان سے لکھتے ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ماہنامہ "حیا" میں دوسری دفعہ شرکت کر رہا ہوں، جب بندہ کا مضمون مئی کی اشاعت میں شامل ہوا تو بندہ کے حوصلے کو اور جلا ملی، اس لئے ایک اور مضمون کے ساتھ شرکت کرنے کی جرأت ہو رہی ہے، امید ہے، یہ مضمون بھی شامل اشاعت ہو جائے گا، ماہنامہ "حیا" صفت حیا کو مسلمانوں میں دوبارہ زندہ کرنے کی ایک عظیم تحریک ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور نظر بد سے محفوظ رکھے۔

شاہ عبداللہ صاحب، حیا کی پسندیدگی اور دعاؤں کا بہت شکریہ۔

☆......☆......☆

سیدہ عطیہ میانوالی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے، آپ اللہ کے فضل وکرم سے خیر وعافیت سے ہوں گی اور "حیا" کا تمام اسٹاف بھی خیریت سے ہوگا، میری طرف سے تمام بہنوں کو سلام۔ "حیا" اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ ہمارے ہاں جلوہ افروز ہوتا ہی رہتا ہے، لیکن اس بار 22 تاریخ گزر جانے کے باوجود میرا پیارا "حیا" ہم تک نہیں پہنچ پایا، ہم شدت سے اس کے منتظر ہیں، دو ماہ سے "حیا" بہت لیٹ پہنچ رہا ہے، جس کی بناء پر صبر کا پیمانہ لبریز ہوا پھر رہا ہے، چلیں کوئی بات نہیں، چھوڑتے ہیں اس کو، کیونکہ اس میں آپ کا تو کوئی قصور نہیں، آپی ایک بات کب سے میرے دل میں اٹکی ہوئی ہے، ہر ماہ سوچتی ہوں، خط کے ذریعے ضرور پوچھوں گی، اُف یہ دماغ، کہیں کا نہیں چھوڑتا، منٹوں میں بات بھول جاتی ہوں، آپی یہ بتائیں کہ آپ کو "حیا" رسالہ نکالنے کا خیال کیسے آیا، کوئی واقعہ اس کے نکالنے کا سبب بنا، یا آپ نے کسی اور وجہ سے اس کو اشاعت کیا، اس میں آپ کو کیا کیا مشکلات پیش آئیں، یعنی اس کو شائع کرتے وقت آپ کو کن کن رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا، کن کن حضرات نے سب سے پہلے آپ کے ساتھ تعاون کیا، آپی آپ تفصیل سے بتایئے کہ اس عظیم رسالے کو کیسے ہم تک پہنچایا، پلیز آپی آپ جلدی سے تحریر لکھئے، جس میں "حیا" رسالے کو شائع کرنے کی تفصیلات لکھی ہوں، پہلے شمارے کو شائع ہوتا دیکھ کر آپ کے کیا تاثرات تھے، ضرور بتایئے گا، اگر مجھے لکھنے کا طریقہ اور پوچھنے کا سلیقہ ہوتا تو میں ضرور آپ کا یہیں سے ہی انٹرویو لینا شروع کر دیتی، امید ہے، میری طرح دوسری قاریات اس بات سے متفق ہوں گی اور شدت سے آپ کی تحریر کی منتظر ہوں گی، آپی ضرور بضرور بتایئے گا، جزاکم اللہ خیراً...... آپی میں نے ایک قسط وار کہانی لکھی ہے، مجھے لکھنے کا طریقہ تو آتا نہیں، لیکن پھر بھی ایک کوشش کر ڈالی، آپی یہ میری پہلی کہانی ہے، جو میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ لکھی ہے، یعنی میری پہلی کوشش ہے، آپی اگر اشاعت کے قابل ہو تو ضرور بتایئے گا، کیونکہ یہ کہانی بڑی سست روی اور طویل انتظار کے بعد مکمل ہوئی، یہ اتنی سست روی سے لکھی کہ اس کے مکمل ہونے میں دو سال کا عرصہ لگا، کزنیں روزانہ کہتیں، اب مکمل بھی کر لو، بالآخر وہ کہہ کہہ کر تنگ آ گئیں، میری کہانی بھی مکمل ہو گئی، اب آپ کے پاس ارسال کر رہی ہوں، آپی کہانی لکھنے کا سلیقہ تو تھا نہیں، ساتھ ساتھ بک کا مطالعہ کرتی، جو سمجھ میں آتا لکھتی، کچھ سے مدد لی، کچھ اپنی مدد آپ کے تحت لکھی، کچھ غلطیاں ہوں تو مہربانی فرما کر

درست کر لیجئے گا، کہانی بہت طویل ہوگئی، لکھتے لکھتے طویل ہوتی گئی، آپی اگر کہانی اشاعت قابل نہ بھی ہو تو ضرور بتائیے گا، تاکہ انتظار کی کوفت سے بچ سکوں، ویسے مجھے امید ہے کہ آپ میری محنت کو ضائع نہیں کریں گی، کہانی کا نام ہے "اور اللہ مجھے مل گیا" اگر آپ مناسب سمجھیں تو کوئی نام رکھ دیں، کہانی کے دونوں حصے بھیج دیئے ہیں اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو معذرت خواہ ہوں، میں نے اپنی طرف سے تو پوری کوشش کی ہے کہ کوئی غلط کہانی نہ ہو، اگر پھر بھی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو معذرت کے ساتھ عرض کروں گی کہ اسے درست فرما لیجئے گا، خط لمبا ہوگیا، اللہ سے دعا ہے کہ اللہ آپ کو دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے اور "حیا" جیسا عظیم رسالہ نکالنے پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

سیدہ عطیہ صاحبہ، آپ کی تحریر کردہ کہانی ہمیں موصول ہوگئی ہے، اس کو پڑھنے کے بعد ہی اشاعت کا فیصلہ کیا جاسکے گا، باقی جہاں تک ماہنامہ حیا سے متعلق آپ کے سوالات ہیں، یہ ایک طویل کہانی ہے، جس میں عن قریب کچھ لکھنے کی کوشش کروں گی۔

☆......☆......☆

ثوبیہ، ایمن بنات یوسف شاہ میانوالی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم! محترمی، مکرمی اینڈ سوئٹ آپیز مہر افروز مہر اینڈ راحت ارشد، خدا تعالیٰ سے امید واثق ہے کہ آپ کی زندگی کے شب و روز اشاعت اسلام میں صرف ہو رہے ہوں گے اور راحت آپی مدینے کی پُر رونق فضاؤں سے لطف اندوز ہو رہی ہوں گی۔ "حیا کی محفل" میں شرکت کے لئے دل مچل رہا تھا، لیکن لکھنے کے لئے الفاظ ہی نہیں مل رہے تھے، ایک اسلامی رسالہ ہونے کی وجہ سے اس کی کثیر اشاعت کا کوئی ثانی نہیں، اسلامی لٹریچر کی دنیا میں اس کی اشاعت ایک مثال ہے، ویسے تو اس میں ہر تحریر من پسند ہوتی ہے، لیکن سلسلہ وار ناول اپنا ایک مقام رکھتے ہیں، ہمیں تمام سلسلہ وار کہانیوں کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔ "حیا" میں کئی ماہ سے کہانیاں کم آنے لگی ہیں، پلیز اس طرف بھی توجہ دیں اور سلسلہ وار ناول ضرور ہر شمارے میں دیا کریں، کیونکہ ایک کہانی کی Missing ہو جانے سے کہانی کا سارا مزہ خراب ہو جاتا ہے، اکتوبر اور نومبر کے شمارے میں اپنی پسند کے سلسلہ وار ناول نہ پا کر ہم سب کے چہروں پر بارہ بجنے لگے ہیں، خاص طور پر "تیرے عشق کی انتہا چاہئے" میں ہمیں امن کی بڑی فکر ہوتی ہے، لیکن دو ماہ تک انتظار کرنے پر "حیا" ملا، اس میں اپنی من پسند کہانی نہ پا کر ہمیں "مریم غازی" صاحبہ پر بڑا غصہ آیا، مریم غازی سے گزارش ہے کہ امن بیچاری پر اتنا ظلم نہ ڈھایا ہوتا، جب ہم اس پر ہونے والے ظلم پڑھتے ہیں تو ہمارا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ جاتا ہے، آپی جان! میں نے "میری پسند" میں قصیدہ امی عائشہ بھیجا تھا، لیکن انتظار کے باوجود وہ شائع نہ ہوا، کیا آپ تک پہنچا بھی ہے کہ نہیں، آپی جان! "حیا" ایک اصلاحی رسالہ ہے لیکن ایک بات کہ اس میں بعض کہانیاں ایسی ہوتی ہیں، جس میں پردے کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، اس میں موجود کہانیاں اپنے نام کی طرح حیادار ہونی چاہئے تاکہ کوئی اعتراض کرنے والا آپ کے اور ہم سب کے رسالے پر اعتراض نہ کرے، کیونکہ دین کی سمجھ بوجھ نہ رکھنے والے جب کوئی دینی رسالہ پڑھتے ہیں تو وہ اسی رسالوں سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں، اگر بات بری لگی ہو تو معذرت، یہ بات میں تنقید کر کے نہیں کہہ رہی، اصلاح کے لئے لکھ رہی ہوں اور ہاں، ویسے بھی دل کی بات اپنوں سے کی جاتی ہے، ساجدہ بتول کے والد محترم کا پڑھ کر بڑا دکھ ہوا، ساجدہ بتول صاحبہ، ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں، اللہ آپ کی والدہ محترمہ کا سایہ آپ پر تادیر سلامت رکھے، آمین...... اور آپ کے والد کی قبر کو جنت کا باغ بنادے۔ آمین

بنات یوسف صاحبہ، مریم غازی پر اتنا غصہ نہ ہوں، وہ اپنی کچھ گھریلو مصروفیات کی بناء پر غیر حاضر ہی ہیں، عن قریب وہ آپ کی شکایت دور کردیں گی، حیا میں ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ خلاف شرع کوئی مضمون یا کہانی شائع نہ ہو، آپ نے توجہ دلائی، آئندہ مزید احتیاط کریں گے۔

☆......☆......☆